یھدی اللہ لنورہ من یشاء

خدا را یک زماں بردار از رخ پردہ اے لیلیٰ
کہ ناصح پر ملامت می کند مجنون شیدا را

مرقاۃ الیقین
فی
حیوٰۃ نور الدینؓ

مؤلفہ و مرتبہ

اکبر شاہ خان نجیب آبادی

شائع کردہ

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام

احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور۔ پاکستان

www.aaiil.org

طبع اوّل .... سنہ ۱۹۱۲ء
طبع دوم .... سنہ ۱۹۵۱ء
طبع سوئم .... سنہ ۱۹۷۹ء
ناشر .... احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

طابع .... بختیار پرنٹرز۔ لاہور
کتابت .... شیخ محمد اسلم کمال
نگران اشاعت .... میاں بشارت احمد بقا
معاون اشاعت .... یعقوب احمد

عرضِ ناشر

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں حضرت حکیم الامت علامہ نورالدین اعظم کے سوانح حیات پر مشتمل کتاب مرقاۃ الیقین فی حیاۃ نورالدین کا پانچواں ایڈیشن شائع کرنے کی سعادت عطا فرمائی ہے۔ یہ اس شخص کے سوانح حیات ہیں، علم و فن جس کا مطلوب، سخاوت جس کی شرع، حلم جس کی سیرت اور توکل جس کی غذا تھی جو مشکوٰۃ نبوت کے انوار سے منور مسلمانوں کا فخر اور سچا خادم دین اسلام تھا۔ وہ اکمل الایمان والاسلام تھا۔ اس کے نفسانی جذبات شکستہ ہو گئے تھے۔ وہ پہلے راستبازوں کا نمونہ تھا۔ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ اس کی پوری زندگی اس راہ میں وقف تھی کہ ہر پہلو سے اسلام اور مسلمانوں کا بھلا ہو۔ وہ خادم قرآن تھا۔ اس نے اپنی ساری زندگی اس کتاب کے پڑھنے پڑھانے اور درس و تدریس میں صرف کر دی۔ وہ مجمع البحرین تھا۔ دین و دنیا کے علوم اس کی ذات میں جمع تھے۔ وہ حافظِ قرآن و حدیث، حاجی الحرمین شریفین، محدث، مفسر، فقیہہ، ادیب، ماہر لغت، طبیب، حکیم اور صوفی تھا۔ وہ اپنے تمام مالی ذرائع، تمام زور اور تمام اسباب مقدرت کے ساتھ ہر وقت اللہ و رسول کی اطاعت و خدمت کے لیے وفاداری کے ساتھ مستعد رہتا تھا۔ غرض وہ علم و عمل کا پیکر تھا۔

پوری کتاب حضرت حکیم الامت کی اپنی املا کردہ اور خود نوشت نوشتہ ہے اور یُوں اس راست گفتار ولی اللہ نے اپنے اوپر گذرے ہوئے واقعات کو مِن و عن کسی تکلف، تصنّع، بناوٹ اور مبالغہ کے بغیر سلاست، روانی، شستگی اور صداقت سے بیان کر دیا ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ کذب و دروغ کی بدبُو اور فرضی قصّہ کہانیوں سے پاک ہے۔ اس طرح اس میں خوشامد پسندوں کی بیجا مدح سرائی اور ہیرو ورشپ کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔

اوّل تو دنیاداروں، پیروں اور گدی نشینوں کی زندگیاں ایسے پاکیزہ اور رُوحانی حقائق سے بالکل خالی ہوتی ہیں اور اگر ایک آدھ واقعہ انہیں پیش آ بھی جائے تو وہ خود اور ان کے کرایے کے ثناخواں کس کس ملمع اور ثناخوانی کے ساتھ اُسے بیان کرتے ہیں کہ ؎

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

یہ کتاب اسم بامسمّٰی ہے اور درحقیقت اس کے مطالعہ سے انسان کو ایمان و ایقان کی بلندیوں پر پہنچنے کے لیے ایک سیڑھی میسّر آجاتی ہے اور جیسے جیسے وہ اس میں مندرج واقعات کو پڑھتا جاتا ہے بتدریج علم کے منازل طے کر لیتا ہے اور انسان کی طبعی اور اخلاقی حالتیں اس کے سامنے واشگاف ہو جاتی ہیں۔ اس کا دل منوّر ہونے لگتا ہے۔ صراطِ مستقیم پر چلنے کے لیے اس کی راہیں روشن ہو جاتی ہیں۔ پچھلے دنوں ان احباب کو جنھیں بطور مبلغ، طالب علم، تاجر، گورنمنٹ کے ملازم اور سیّاح غرض جس جہت سے بھی مغربی ممالک میں جانے کا موقعہ ملا ایک سوالنامہ بھجوایا گیا تھا کہ ان کے خیال میں ہمارے موجودہ لٹریچر میں سے وہ کون سی کتب ہیں جنھیں مغرب میں بکثرت پھیلایا جائے جس سے ان لوگوں کی مادہ پرستی، اخلاقیات اور روحانیات بدل جائیں تو سب نے سب سے چوٹی پر جس کتاب کا نام لکھا وہ یہی مرقاۃ الیقین تھی۔ اسی غرض سے اس کا انگریزی ترجمہ کروایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اسے جلد از جلد شائع کرنے کی توفیقِ رفیق فرمائے۔

حضرت حکیم الامّت صدق و صفا، اخلاص و محبّت، علم و عمل، قربانی اور وفاداری میں امام الزمان کے سب ماننے والوں میں سے اوّل درجے پر تھے۔ ایسے صدیق، باریک بین، نکتہ رس، مجاہد، عالم، مصنّف، منتظم کہ کوئی مُحب آپ سے سبقت نہیں لیجا سکا۔ آپ ان کی اس طرح اتباع کرتے تھے جس طرح نبض حرکتِ قلب کی پیروی کرتی ہے۔ اس طرح اس کتاب کا مطالعہ قلب و نظر ہی کو نہیں سنوارتا، بلکہ اس طرح قومی امتیاز و تشخص بھی محفوظ رہتا اور جماعت کی اعلیٰ قدریں بھی قائم رہتی ہیں۔ کوئی گھر اس کتاب سے خالی نہیں رہنا چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ مغربی دنیا بھی اس نعمت سے محروم نہ رہے اور مادہ پرستی سے تھکا ہوا درماندہ ذہن اس روحانی غذا سے حصّہ وافر پائے اور ہماری اس چلتی پھرتی دُنیا کے ٹھوس روحانی حقائق سے تنویرِ باطن کا سامان حاصل کرے۔ یہ حالات حضرت حکیم الامّت نے مشہور مؤرخِ اسلام اکبر شاہ خان نجیب آبادی کی درخواست اور اصرار پر انہیں املا کروائے تھے۔

احمدیہ بلڈنگس
یکم دسمبر ۱۹۷۸ء

خاکسار
بشارت احمد بقا مینیجر بکڈپو

آئینہ مقصد نما

مضمون	صفحہ
مقدمہ	۱
تمہید	۵
گذارشِ احوال	۹
شجرۂ نسب	۱۳
حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں	۱۴
مذہب و عقائد	۲۴
نوردین اعظم	۴۲
طفلی و عنفوانِ شباب	۴۲
رام پور اور لکھنؤ	۴۴
بھوپال میں پہلی مرتبہ	۵۸
حرمین کے لیے سفر	۶۶
مکّہ معظمہ میں پہلی مرتبہ	۷۰
مدینہ طیّبہ	۷۵
مکّہ معظمہ میں دوسری مرتبہ	۸۱
بھیرہ	۸۵
عجیب سفر	۹۴
بھوپال میں دوسری مرتبہ	۹۸

مضمون	صفحہ
بھیرہ	۱۰۱
ریاست کشمیر و جموں	۱۰۶
خاتمہ یعنی عطر مجموعہ	۱۲۷
اصلِ خاندان ایامِ طفولیّت	۱۲۸
متعلق بہ اہل و عیال	۱۳۷
عہد جوانی۔ طلب علم	۱۴۰
متعلق بہ اساتذہ	۱۴۴
دوست آشنا	۱۴۷
وطن یعنی بھیرہ وغیرہ	۱۵۲
لکھنؤ رام پور وغیرہ	۱۶۱
کشمیر و جموں	۱۶۵
بعض مولوی صاحبان	۱۷۴
شیعہ	۱۸۲
عیسائی	۱۸۶
ہندو۔ دہریہ	۱۹۲
مختلف واقعات	۱۹۷
سپاس یارگری	۲۰۷
التماس	۲۱۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مقدمہ

رب انی ظلمت نفسی و اعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت۔ رب العالمین،

اے خالق آسمان وزمین، اے ہواؤں کے چلانے اور بادلوں کے لانیوالے، اے بادلوں سے مینہ برسانے اور پہاڑوں سے دریا بہانے والے۔ اے خزاں کے بعد بہار اور خشک مُردہ زمین کو اپنے ابرکرم سے گلزار بنانے والے۔ اے فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا فرمانے والے۔ اے ربّ المشرقین والمغربین۔ اے شہنشاہِ دارین۔ اے احسن الخالقین اے ارحم الراحمین۔ اے میرے پیارے اللہ تعالیٰ۔ اے کامل محبوب۔ اے نہایت مقصود اے کامل معبود۔ اے موالید ثلاثہ اوز جمیع کائنات موجودات کے خالق۔ اے چرند وپرند اور ہر ذی رُوح کے رازق۔ اے میرے مولا اے میری رُوح کی راحت۔ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔ اے میرے دل کے سُرور۔ اے میرے جسم و رُوح کی حفاظت کرنے والے۔ اے میری مُرادوں کو بَرلانے والے۔ اے میرے ماں باپ سے زیادہ محبت کرنیوالے۔ اے پکارنے والے کی آوازوں کو سُننے اور فریادی کی فریاد کو پہنچنے والے اے عزّت و ذلت کے مالک۔ اے خطاکاروں کی خطاؤں کو دامن عفو سے ڈھانکنے والے۔ اے کمزوروں کو طاقت بخشنے والے۔ اے میرے پیارے اللہ۔ او میرے پیارے۔ او میرے پیارے۔ او میرے پیارے اللہ۔ اللہ میاں! او میرے پیارے اللہ میاں۔ او سب حسینوں سے زیادہ خوبصورت۔ او سب باوفاؤں سے زیادہ باوفا۔ اپنے دوستوں کی خاطر عزیز رکھنے والے۔ نوحؑ کو طوفان سے بچانے والے۔ موسیٰؑ کو بچاکر فرعون کو غرق کرنیوالے۔ مچھلی کے پیٹ میں سے یونسؑ کی فریاد کو سُن لینے والے۔ وکذلک ننجی المؤمنین فرمانے والے۔ مَیں بھی کہتا ہوں اور تو جانتا ہے کہ دردِ دل سے کہتا ہوں۔ لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔ او چھوٹوں کو بڑا بنانیوالے۔ او ڈوبتوں کو بچانے اور گرے ہوؤں کو سنبھالنے والے۔ مجھ پر

بھی نظرِ کرم فرما۔ تیرا غضب تیرے رحم سے کمتر اور تیری درگذر تیری گرفت سے برتر ہے۔ مجھ کو موردِ فضل و عطا بنا۔ میں نہیں جانتا کہ مجھ کو کس کس چیز کی ضرورت ہے۔ مجھ کو نہیں معلوم کہ میرے لیے کیا مفید اور کیا مُضر ہے۔ اللہ میاں۔ اے میرے پیارے اللہ میاں تو مجھ کو وہ سب کچھ عطا کر دے جو میرے لیے موجب خیر و خوبی اور میرے جسم و روح کے لیے مفید ہو۔ اے میرے پیارے اللہ تو اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مجھ کو بہتر سے بہتر مقامات، بہتر سے بہتر اسباب اور اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی و کامرانی عطا کر۔ اے میرے اللہ جبکہ مجھ کو خبر ہی نہیں کہ میری بھلائی کس میں ہے تو بتا پھر تجھ سے کیا مانگوں ہاں تیری ہی بتائی ہوئی بات عرض ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۬ۙ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ٪

اللّٰھُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اے میرے اللہ مجھ کو مومن اور مفلح بنا۔ اے میرے اللہ مجھ کو اپنی رضامندی کی راہوں پر چلا۔ اے میرے اللہ مجھ کو ایسا بنا دے کہ تو مجھ سے خوش ہو جائے اور ایسا خوش ہو کہ پھر کبھی ناراض نہ ہو۔ اے میرے اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ سے مجھ کو تیری کتاب اور شریعت ملی اور پھر اُن کے خلفاء کے ذریعہ اس کتاب کو سمجھنے میں آسانی ہوئی۔ میرے ماں باپ میری پرورش کا ذریعہ ہیں۔ میرے جسم کا ہر ذرّہ ان کے احسانات کے بوجھ میں دبا ہوا ہے۔ اے میرے اللہ اس دنیا میں کس کس نے مجھ پر کس کس قسم کے احسانات کیے تو سب سے واقف ہے۔ میں تو سب کے نام بھی نہیں گن سکتا پس تو میرے ہر ایک محسن کو بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ جزا عطا کر۔ اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اے میرے اللہ تو مجھ کو ایسا بنا دے کہ جس جس سے مجھ کو محبت ہے ان سب پر میری وجہ سے تیرے فضل و کرم کی بارشیں ہوں۔ اے میرے اللہ میں نیک آدمیوں سے محبت کروں اور اور مجھ سے سب محبت کریں۔ اے میرے اللہ تو مجھ کو نافع الناس بنا۔ اے میرے اللہ مجھ کو قوت اور توفیق عطا کر کہ میں بآسانی تیرے احکام کی تعمیل کروں۔ اے میرے اللہ مجھ کو صحیح اور نافع علم عطا کر۔ اللہ میاں! مجھ کو تو اپنے سوا کسی مخلوق کا محتاج نہ کر۔ اے میرے اللہ مجھ کو اسی دنیا میں جنتی زندگی عطا کر اور مرنے کے بعد بھی جنت (جو تیری رضا کا اعلیٰ مقام ہے) میرا مکان ہو۔ اے میرے اللہ۔ اے میرے پیارے اللہ۔ اے ادعونی استجب لکم فرمانے والے

تو ہی بتا میں تیرے سوا کس سے فریاد کروں؟ میں تیرے دروازہ کو چھوڑ کر کہاں جاؤں۔ تجھ سے نہ کہوں تو اور کس سے کہوں۔ تجھ سے نہ مانگوں تو اور کس سے مانگوں۔ تو اگر میری مدد نہ کرے تو اور کون ہے جو میری مدد کر سکتا ہے۔ اے میرے پیارے میں بڑا گنہگار، بڑا نافرمان، بڑا آرام طلب اور عبادتوں میں سُست ہوں محض اپنے فضل و کرم سے میری بخشش فرمائیں کتنے ہی جوش اور ہمت سے کام لوں لیکن تیری حمد و ستائش ادا ہونا میری طاقت سے باہر اور تیرے احسانات کی گنتی میری ہمت کے دائرہ سے بیرون وافزوں ہے۔ رَبِّ اِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِی وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِی فَاغْفِرْلِی ذُنُوْبِی اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ۔

اے خدا اے خالقِ چرخِ بریں — تو رحیم و ارحم و راحم ہے ربّ العالمین
فضل سے بنتی ہیں تیرے محنتیں بھی راحتیں — تو اگر چاہے تو ہر غمگیں بنے فرحت قریں
تو اگر چاہے تو ہو پتھر سے جاری جوئے شیر — تو اگر چاہے تو ہو حنظل سے پیدا انگبیں
تو اگر چاہے تو دے ادنیٰ کو اعلیٰ مرتبہ — تو اگر چاہے تو ہو فرشِ زمین عرشِ بریں
تو اگر چاہے تو ہر اک معصیت طاعت بنے — تو اگر چاہے تو اکبر شاہ خاں ہو نورِ دین

ربّ العالمین! میں التجا کرتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں میری طرف سے ہزاروں ہزار بلکہ بے شمار صلوٰۃ و سلام و برکات کے ایسے تحائف بھیج جن کو دیکھ کر میرے پیارے، ہاں! میری جان و مال آبرو سب سے زیادہ پیارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس قدر خوش ہو جائیں جس کے تصور سے میری واہمہ بھی عاجز ہو اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ۔

اللہ میاں! حضرت ابو بکر صدیق رضؓ۔ حضرت عمر فاروق رضؓ۔ حضرت عثمان غنی رضؓ۔ حضرت علی رضؓ۔ حضرت ابو عبیدہ رضؓ بن جراح۔ حضرت طلحہ رضؓ۔ حضرت زبیر رضؓ بن العوام۔ حضرت سعد رضؓ بن وقاص۔ حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف۔ حضرت سعید رضؓ بن زید۔ تمام اصحاب بدر۔ تمام اصحاب بیعت الرضوان۔ تمام مہاجرین۔ تمام انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خدمت میں میری طرف سے بہت بہت سلام و درود بھیج۔

اللہ میاں تمام آئمہ حدیث۔ ائمہ فقہ۔ ائمہ تصوف۔ حضرت خالد بن ولید۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز۔ مہتدی باللہ عباسی۔ سلطان صلاح الدین۔ محمد بن قاسم۔ سلطان محمود۔ ناصر الدین محمود۔ سکندر لودی۔ شیر شاہ افغان۔ اورنگ زیب عالمگیر اور محمد ثانی سلیم سلیمان سلاطین عثمانی کی خدمت میں میرا سلام پہنچا۔

اللہ میاں! میں نے حضرت امام غزالی کی احیاء العلوم حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی کی فتوح الغیب اور

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید کی تقویۃ الایمان سے بہت فائدہ اُٹھایا ہے میری طرف سے ان کو بہت بہت سلام پہنچے۔

اے میرے پیارے خدائے تعالےٰ! تیرے پیارے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو میرے دین و دنیا دونوں کو سدھار دیا اور تو جانتا ہے کہ انہیں کی برکت سے مَیں نے سچّا اور پکّا ایمان حاصل کیا ہے۔ اتنے بڑے عظیم الشان محسن کے احسان کی جزا الٰہی! تو ہی دے سکتا ہے۔ الٰہی! تو مسیح موعود کی رُوح پر فتوح پر اپنے فضل و انعام و برکات و سلام و رحمت و رضوان کی مسلسل و ممتد بارشیں کر۔ اور ان کی جناب میں میری طرف سے صلوٰۃ و سلام کے ایسے اعلیٰ تحائف و ہدایا پہنچا جو آجتک ان کی خدمت میں کسی نے نہ بھجوائے ہوں۔ میرے ماں باپ۔ بہنوں۔ بھائیوں۔ بیوی۔ بچّوں۔ دوستوں۔ اُستادوں۔ شاگردوں پر اپنے پیارے مسیح موعود کا صدقہ اپنا فضل و کرم فرما اور دین و دُنیا کی عفو و عافیت اور حسنات دارین سب کو عطا کر۔ آمین یارب العالمین۔

ہاں اے ربّ العالمین! تیرا ایک پیارا بندہ ہے۔ جب اگر کوئی بُری چیز نہیں تو مجھ کو اس سے محبت ہے اس کی محبت میں مَیں نے جو جو لذّتیں حاصل کی ہیں ان کا شکر تو بڑی چیز ہے بیان بھی نہیں ہو سکتا۔ اے میرے مولا! اس کا وجود تو بڑا نافع الناس ہے اور تُو تو فرماتا ہے۔ وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ۔ پس اے میرے اللہ اس کو تیرے مقررہ قانون کے موافق بھی بہت لمبی مدّت تک زندہ و سلامت رہنا چاہیے اور مَیں بھی بڑی عاجزی کمال انکسار اور نہایت آرزو کے ساتھ ربّ۔ رحمٰن۔ رحیم۔ کریم۔ رؤف۔ منان۔ وہاب۔ سلام۔ حی۔ قیوم خدا کی جناب میں التجا کرتا ہوں کہ اس کو ہمارے سر پر بہت عرصہ تک سلامت با کرامت رکھ اور ہم سب کو توفیق عطا کر کہ اس کے انفاسِ قدسیہ سے فائدہ اُٹھائیں۔ آمین یاربّ العالمین ۞

۞ ۞ ۞

عرضِ ناشر

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں حضرت حکیم الامت علامہ نورالدین اعظم کے سوانح حیات پر مشتمل کتاب مرقاۃ الیقین فی حیوۃ نور الدین کا پانچواں اڈیشن شائع کرنے کی سعادت عطا فرمائی ہے۔ یہ اس شخص کے سوانح حیات ہیں، علم و فن جس کا مطلوب، سخاوت جس کی شرع، حلم جس کی سیرت اور توکل جس کی غذا تھی جو مشکوٰۃ نبوت کے انوار سے منور، مسلمانوں کا فخر اور سچا خادم دین اسلام تھا۔ وہ اکمل الایمان والاسلام تھا۔ اس کے نفسانی جذبات شکستہ ہو گئے تھے۔ وہ پہلے راستبازوں کا نمونہ تھا۔ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ اس کی پوری زندگی اس راہ میں وقف تھی کہ ہر پہلو سے اسلام اور مسلمانوں کا بھلا ہو۔ وہ خادم قرآن تھا۔ اس نے اپنی ساری زندگی اس کتاب کے پڑھنے پڑھانے اور درس و تدریس میں صرف کر دی۔ وہ مجمع البحرین تھا۔ دین و دنیا کے علوم اس کی ذات میں جمع تھے۔ وہ حافظ قرآن و حدیث، حاجی الحرمین شریفین، محدث، مفسر، فقیہہ، ادیب، ماہر لغت، طبیب، حکیم اور صوفی تھا۔ وہ اپنے تمام مالی ذرائع، تمام زور اور تمام اسباب مقدرت کے ساتھ ہر وقت اللہ و رسول کی اطاعت و خدمت کے لیے وفاداری کے ساتھ مستعد رہتا تھا۔ غرض وہ علم و عمل کا پیکر تھا۔

پوری کتاب حضرت حکیم الامت کی اپنی املا کردہ اور خود نوشت سوانح ہے اور یوں اس راست گفتار ولی اللہ نے اپنے اوپر گذرے ہوئے واقعات کو من و عن کسی تکلف، تصنع، بناوٹ اور مبالغہ کے بغیر سلاست، روانی، شستگی اور صداقت سے بیان کر دیا ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ کذب و دروغ کی بدبو اور فرضی قصہ کہانیوں سے پاک ہے۔ اس طرح اس میں خوشامد پسندوں کی بیجا مدح سرائی اور ہیرو ورشپ کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔

اوّل تو دنیا داروں، پیروں اور گدی نشینوں کی زندگیاں ایسے پاکیزہ اور روحانی حقائق سے بالکل خالی ہوتی ہیں اور اگر ایک آدھ واقعہ انہیں پیش آ بھی جائے تو وہ خود اور ان کے کرایے کے ثنا خواں کس کس ملمع اور ثنا خوانی کے ساتھ اُسے بیان کرتے ہیں کہ ؎

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

انسان کے سوا دُوسرے حیوانات کو عطا شدہ استعدادوں کے متحرک کرنے کا مکلف بھی نہیں بنایا۔ ایک کتے کا بچہ اسی طرح پانی میں تیرنا جانتا ہے جس طرح بڑا کُتا۔ لیکن حضرت انسان اگر اپنی استعداد شناوری کو کام میں نہیں لاتے تو کُتے کے بچے کی برابر بھی نہیں تیر سکتے وقس علیٰ ھذا۔

غرضیکہ تمام ضروریات زندگی کی فراہمی کے لیے ضرورت ہے کسی تحریک کی اور تحریک کے بعد عمل کی جس کا لازمی نتیجہ ورزش ہے۔ اور عمل و ورزش کے ساتھ ہی کامیابی و مقصد وری دیکھی جاتی ہے۔

فطری استعدادوں میں تحرک پیدا کرنے کے بعد عمل و ورزش پر مستعد کر دینے والی چیز درحقیقت بڑی مفید قیمتی اور ضروری چیز ہے اور وہ علم تاریخ ہے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ انسان اور انسانی خوشی کا مجموعہ ایک مشین ہے انسانی ترقیات کی استعدادیں اس مشین کے پُرزے اور تاریخ اسٹیم ہے، تاریخ کی اسٹیم سے تمام پُرزوں میں تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ اس اعتبار سے اگر تاریخ کو جامع العلوم اور مخزن الفنون بھی کہا جائے تو بیجا نہیں۔ اگر تاریخ کوئی عالی مرتبہ چیز نہ ہوتی تو بائیبل اور قرآن کریم اور دیگر کتب سماویہ میں تاریخی واقعات کے بیان کرنے کی بجائے مسائل ریاضیہ مذکور ہوتے اور بنی اسرائیل، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے واقعات کی بجائے علم بیطاری و باغبانی کے قواعد کھول کھول کر سمجھائے جاتے۔

تاریخ ہم کو بزرگوں کے حالات سے واقف کرتی اور دل و دماغ میں ایک بابرکت جوش پیدا کر دیتی ہے۔ انسانی فطرت میں ایک خاص قسم کی پیاس اور خواہش ہے جو اس کو تماشا گاہوں اور تھیٹروں میں لے جاتی ہے۔ ملکوں کی سیاحی باغوں کی سیر اور کوہ و صحرا کی سیاحت پر آمادہ کر دیتی اور سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ کے حکم کی تعمیل کراتی ہے یہی پیاس ہے جو بچوں کو رات کے وقت چڑے چڑیا کی کہانی اور طوطے مینا کی داستان کے سننے اور سنانے پر آمادہ کرتی ہے۔ یہی پیاس ہے جو تاریخی مطالعہ سے کماحقہ تسکین پاتی اور فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ کے ارشاد کی تعمیل پر آمادہ کر کے انسان کو مقاصد عالیہ تک پہنچانے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ فطرت کے اس تقاضے پر نظر فرما کر فطرتوں کے خالق نے کتب سماویہ میں تاریخی چاشنی رکھی ہے۔ فرضی قصوں، جھوٹے ناولوں اور بے بنیاد کہانیوں میں بھی ایک تاثیر بمقدار کثیر موجود ہوتی ہے اور اسی لیے بعض علماء نے پند و وعظ کو کہانیوں کے لباس میں پیش کرنا مناسب سمجھا مثلاً کلیلہ دمنہ وغیرہ لیکن فطرت انسانی جو پاک و صاف اور مطہر و مصفّٰی چیزوں کی جانب مائل ہوتی ہے کذب و دروغ کی بدبو کے سبب اس جوش اور طاقت کے ساتھ فرضی کہانیوں کی طرف نہیں جھکتی جیسی سچے حالات اور واقعات صحیحہ یعنی تاریخ کی جانب اور یہی سبب ہے کہ علم تاریخ سے ان لوگوں کو جن کی فطرتیں رذیل اور مسخ شدہ

ہوتی ہیں کوئی تعلق کبھی نہیں ہوا۔ دنیا میں کوئی رذیل اور کمینہ یا کوئی دہریہ اعلیٰ درجہ کا مؤرخ نہیں ہوا۔

انسان چونکہ مِل جُل کر رہنے اور ہمجنسوں کے ساتھ محبّت و ہمدردی سے بسر کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے لہٰذا جو واقعہ جس قدر زیادہ ہم جنس سے تعلق رکھتا ہے اسی قدر اس کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔ کسی بیل یا گھوڑے کے حالات اسقدر مؤثر نہیں ہوسکتے جسقدر کسی انسان کے۔ پھر کسی دُوسرے ملک کے تاریخی حالات سے اس قدر دلچسپی نہیں ہوتی جس قدر اپنے ملک کے واقعات سے۔ پھر کسی دُوسری قوم و مذہب کی تاریخ اس قدر باعث دل بستگی نہیں ہوتی جسقدر اپنی قوم اور اپنے مذہب کی۔ اپنی دادی یا نانی سے اپنے خاندانی بزرگوں کے حالات سُن کر ہمارے دل میں جس قدر جوش، خوشی غم، غصّہ وغیرہ پیدا ہوتے ہیں محلّہ کے دُوسرے پُرانے لوگوں کے حالات سے وہ کیفیّت پیدا نہیں ہوتی۔

جس قوم میں قوم کے تاریخی حالات اور پاستانی واقعات پورے طور پر شائع ہوتے ہیں (خواہ کہانیوں، نظموں اور گیتوں ہی میں سہی) اُس قوم میں قومی امتیازات اور خصوصیات بھی محفوظ اور قائم رہتی ہیں اور یہ قومی خصوصیات قوم کے افراد کا کسی میدان اور کسی مقابلہ میں دل نہیں ٹوٹنے دیتیں اور ہمّت کی کمر چُست رکھ کر انجام کار کھوئے ہوئے کمالات تک پھر پہنچا دیتی ہیں۔ ایک وہ شخص جو اپنے باپ دادا کے حالات سے بے خبر ہے موقع پاکر خیانت کرسکتا ہے۔ لیکن جو یہ جانتا ہے کہ میرے دادا نے فلاں موقعہ پر لاکھوں روپیوں کی پروا نہ کرکے اور دیانت کو ہاتھ سے نہ دیکر عزّت و ناموری حاصل کی تھی اُس سے خیانت کا ارتکاب دُشوار ہے۔ ایک وہ شخص جو اپنے باپ داد کے حالات سے بے خبر ہے میدان جنگ سے جان بچاکر فرار کی عار گوارا کرسکتا ہے لیکن جو واقف ہے کہ میرے باپ نے فلاں فلاں میدانوں میں اپنی جان کو معرضِ ہلاکت میں ڈال کر اور میدانِ جنگ سے مُنہ نہ موڑ کر عزّت اور شہرت حاصل کی تھی وہ کبھی نہ بھاگ سکے گا، اور بھاگنے کا خیال دل میں آتے ہی اس کے باپ کے کارناموں کی یاد زنجیر پا ہوجائے گی۔ اسی طرح وفاداری و بیوفائی۔ جھُوٹ اور سچ، زنا و پاکدامنی، حیا اور بے حیائی، بُخل و سخاوت وغیرہ بہت سی باتوں کو قیاس کرلو۔ بزرگوں کے حالات کی واقفیت ہی دنیا میں بہت کچھ امن اور قوموں میں زندگی کی رُوح پیدا کرسکتی ہے۔

اسلام کے دنیا پر بے شمار احسانات ہیں اُنہیں میں ایک عظیم الشان احسان ہے کہ مُسلمانوں ہی نے دنیا میں علم تاریخ کی ترویج کی اور مُسلمانوں ہی سے سیکھ کر دُوسری قوموں نے اس فن میں ترقی کی۔ کیسے افسوس اور کس قدر ملال کا مقام ہے کہ آجکل مُسلمان ہی سب سے زیادہ اپنے بزرگوں کے حالات سے بے خبر پائے جاتے ہیں۔

بنی اسرائیل کی کیسی عظیم الشان قوم تھی کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ تک کہنے کا حوصلہ کیا لیکن جب اپنے بزرگوں کے حالات سے بے خبر ہوتے گئے قعرِ مذلّت میں اُترتے گئے۔ چنانچہ قرآن کریم میں خدائے تعالےٰ نے یٰبَنِیْٓ

اِسْرَائِیْلَ اذْکُرُوْا کے الفاظ سے بار بار اُن کو مخاطب فرمایا اور ان کے بزرگوں کے حالات کو یاد دلایا ہے پس معلوم ہوا کہ کسی قوم کو تنزّل سے ترقی کی طرف لے جانے کی ایک یہ بھی اعلیٰ درجہ کی تدبیر ہے کہ ان کے بزرگوں کے حالات بار بار یاد دلائے جائیں یعنی قومی تاریخ کی خوب اشاعت کی جائے۔

تاریخ کا وہ حصہ جس میں خاص خاص شخصوں کی زندگی کے قابلِ تذکرہ نتیجہ خیز حالات ذکر کیے جائیں عام تاریخ سے زیادہ مفید اور نتیجہ خیز ہوتا ہے کیونکہ پڑھنے والے کو واقعات سے نتائج اخذ کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل کی مجموعی تاریخ سے بڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات دل پر اثر کرتے ہیں۔

آجکل تاریخ نویسی میں اس بات پر زیادہ زور نظر آتا ہے کہ مؤرخین اصولِ درایت کو زیادہ کام میں لاکر خود ہی نتائج اخذ کر کے ناظرین کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ اس میں یہ نقص ہے کہ پڑھنے والے کو اپنے دماغ سے زیادہ کام لینے کی ضرورت نہیں رہتی اور بڑی آسانی سے انسان مؤرخ کا مقلّد بن جاتا ہے۔ اس تقلید کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تاریخ کے بہت سے مفید اور بابرکت نتائج جو مختلف مستعد دماغوں سے برآمد ہوتے تاریکی اور پوشیدگی ہی میں رہ جاتے ہیں۔

مسلمانوں کے فنِ تاریخ میں یہ خوبی ہے کہ اُنہوں نے روایت کی صحت پر بڑا زور دیا ہے جس کے لیے رواۃِ احادیث و آثار کے اخلاق پر حیرت انگیز تنقید اور فنِ اسماء الرجال کی ضخیم و جسیم کتابیں شاہد ہیں۔ اس طرح اصل واقعہ اور پوری کیفیت تو ہمارے سامنے پیش ہو جاتی ہے پھر اس سے اپنی اپنی استعداد و قابلیت کے موافق قلوب پر اثر ہوتا ہے اور یہی فطرت کا تقاضا ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھنا چاہیے کہ کسی ورکشاپ میں لوہار، نجار، معمار، سنار وغیرہ مختلف کاریگر اپنی اعلیٰ درجہ کی قابلیتوں اور کاریگریوں کو کام میں لا رہے ہیں۔ ایک لوہار جب اُس کارخانہ میں سیر کرتا ہوا جائیگا تو اس مقام پر زیادہ دیر ٹھہرے گا جہاں لوہار اپنا کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح نجار نجاروں کا تماشا زیادہ غور سے دیکھے گا اور اپنے پیشہ کے متعلق کوئی قیمتی بات بھی حاصل کر سکے گا۔ لیکن اگر اس کارخانہ میں سیر کے لیے جانے والے ہر شخص کو مہتمم کارخانہ سنار کی کاریگریوں یعنی زیوروں کا معائنہ کرانے اور ہر ایک زیور کی صنعت کاریوں کے دکھانے میں تمام وقت گذار دے تو ظاہر ہے کہ بیچارے لوہار اور نجار وغیرہ دوسرے پیشہ ور سیاح اپنے مفید مطلب واقفیت حاصل کرنے سے رہ جائیں گے۔ مناسب یہی ہے کہ مہتمم صاحب اپنے کمرہ میں بیٹھے ہوئے انتظام و اہتمام کی مشین چلاتے رہیں اور سیر کرنے والے آزادی سے جہاں چاہیں سیر کریں۔

اس موقع پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مؤرخ ایسا ہونا چاہیے جو ہر قسم کے نتائج صحیح صحیح اخذ کرے اور کوئی پہلو بلا تنقید نہ رہنے دے لیکن یہ صرف ایک دل خوش کن خیال ہی خیال ہے کیونکہ بہرحال اس کا کام محدود ضرور ہوگا اور ظاہر ہے

کہ انسان غیر محدود ذرائع علوم کا خواہشمند ہے۔

دُوسرا نقص جدید تاریخ نویسی میں یہ ہے کہ مؤرخین اپنی محدود عقل و فہم کے موافق واقعات کا تسلسل قائم کرنے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں کہ بعض زبردست اور قابلِ اعتبار روایتوں کو چھوڑ کر کمزور یا خود تراشیدہ روایتوں اور تصویروں کو ترجیح دیں۔ اس طرح اصل تاریخ کا خون ہو کر تاریخ ایک جھوٹا افسانہ اور فرضی ناول بن سکتی ہے۔ لیکن جو تاریخیں اسلامی طرز پر لکھی گئی ہیں اُن میں یہ نقص نہیں۔ ہر شخص کی نظر سے اپنی زندگی میں بہت سے ایسے نظارے گذرے ہوں گے کہ بعض باتوں کی اصلیت سمجھ میں نہ آئی ہو گی پس ایسے موقعوں پر روایت کی صحت پر زور دینے والے مؤرخ کو کوئی دِقت پیش نہیں آتی۔ وہ جو دیکھتا یا سُنتا ہے بلا کم و کاست وہی لکھ دیتا ہے لیکن دُوسری قسم کے مؤرخ کو تو مصیبت کا سامنا ہوتا ہے۔ روایت کی صحت و درستی جبکہ نہایت ضروری اور شاندار فنِ تاریخ کا سنگِ بنیاد ہے تو اب دیکھنا یہ ہے کہ روایت کی صحت کس طرح حاصل ہو۔ زیادہ قیمتی بیان اُس راوی کا سمجھا جاتا ہے جو کسی واقعہ کا چشم دید حال بیان کرے اور ظاہر ہے کہ وہ شخص جس پر خود واقعہ گذرا ہے اور بھی زیادہ قیمتی روایت اپنے متعلق بیان کر سکتا ہے۔ پس تاریخ کی وہ کتابیں جو عظیم الشان اور مسلّمہ راست گفتار انسانوں نے اپنے اوپر گذرے ہوئے حالات میں لکھی یا لکھوائی ہیں تاریخ کی بہترین کتابیں کہی جا سکتی ہیں۔ اس تمہید کے بعد اب اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

گذارشِ احوال

مُسلمانوں میں انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کی کمی نہیں۔ سینکڑوں ہزاروں بی اے ایم اے جس حصّہ ملک میں چاہو موجود ہیں۔ سر سید احمد خاں وغیرہ کی طرز پر چلنے والے لوگ اور قومی مرثیے پڑھنے والے جنٹلمین بھی بافراط پائے جاتے ہیں۔ مسجدوں میں وعظ کہنے والے پرانی وضع کے مولوی اور مزاروں پر حال قال والے صوفی بھی ضرورت سے زیادہ موجود پائے جاتے ہیں۔ دھواں دھار تقریریں کرنیوالے لیکچرار اور دلوں کو بیتاب کر دینے والے جادو نگار بھی کم و بیش دیکھے سُنے جاتے ہیں۔ تلوار و خنجر اُٹھانیوالوں نے باٹ ترازو بھی سنبھال لیے۔ ہل چلانے اور بیل کی دُم پکڑنیوالے کتابوں کے مصنف بن گئے۔ کرنی بسولی والے نقشہ کشی سیکھ کر معمار سے انجینیئر اور بعض دوا بیچنے یا سر مونڈنیوالے ڈاکٹر ہو گئے۔ اس سے بھی گذر کر بعض ریزہ اقوام نے اپنے آپ کو اعلیٰ قوموں میں شامل ٹھہرایا، وغیرہ وغیرہ چشمِ ظاہرین میں مسلمانوں کی یہ حالت رُو بترقی نظر آ سکتی ہے لیکن جو دلِ دانا اور چشمِ بینا رکھتے ہیں جانتے ہیں کہ اس کا نام اسلامی ترقی نہیں۔ سر سید کی لائف میں

خواجہ حالی نے ادعا کیا ہے کہ یہ لائف مسلمانوں کے لیے نمونہ ہونی چاہیے۔ لیکن جاننے والے جانتے اور ارباب دانش پہچانتے ہیں کہ قرآن کریم کو موم کی ناک بنانے اور موجودہ فلسفہ اور زمانۂ حال کی مادی ترقیات سے مرعوب ہوکر "چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی" کہنے والے لوگوں نے کہاں تک اسلام کی حقیقت کو سمجھا اور خدائے تعالیٰ کی کتاب کو مشعلِ راہ بنایا ہے۔ ہاں! یہ سچ ہے کہ سرسید نے شریعت کی حقیقت سے کوسوں دُور اور رسم ورواج کی کثیف دلدلوں میں پھنسے ہوئے نورِ ایمانی سے مہجور جبہ پوشوں کی مخالفتوں پر کان نہیں دھرا اور سرسری نظر میں اس طرح وہ بڑے دلیر اور جری نظر آتے ہیں لیکن ان کی یہ تمام دلیری اور جرأت فلسفہ جدیدہ اور یورپی ترقیات کی پشت گری کی بدولت ہے نہ صرف ایمان و ایقان باللہ اور کتاب اللہ کے بھروسہ پر۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ سرسید کی کوئی حقارت مدِنظر ہے یا ان کی نیت پر حملہ مقصود بلکہ میرے نزدیک وہ اپنی نیت میں بہت نیک اور اپنی کوششوں میں عنداللہ ماجور ہونیوالے ہیں انہوں نے جو کچھ کیا غالباً نیک نیتی سے اور اپنے نزدیک بہتر سمجھ کر کیا لیکن ایک انسان کجب تک تائیدات غیبی شامل حال نہ ہوں اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے اُس کی رہبری نہ ہو اپنی محدود اور ناتمام عقل سے کہاں صراطِ مستقیم پر پہنچ سکتا ہے؟ قرآن کریم کی طرف سے بے توجہی اور دعاؤں کو غیر ضروری سمجھنے نے اکثر مسلمانوں کو کچھ کا کچھ بنا دیا ہے۔ ہماری شریعت کسی قسم کی دنیوی ترقی کی مانع ہرگز نہیں بلکہ ہر قسم کی دنیوی ترقی کے اصول بھی قرآن کریم اور صرف قرآن کریم ہی میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ اس موقعہ پر ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ تفصیلی طور پر قرآن کریم کی عظمت، ہستی باری تعالیٰ اور صفات حسنہ باری تعالیٰ پر ایمان اور سچے مسلمان کی تعریف بیان کی جائے مگر چونکہ اصل مدعائے نگارش سے قریب ہونا مدِنظر اور گنجائش اوراق مختصر ہے، نیز کتاب کے مطالعہ کرنیوالے زیادہ تر وہی لوگ فرض کیے گئے ہیں جو ان باتوں کے متعلق آگاہی رکھتے اور جانتے ہیں کہ ہم دعاؤں کے بدوں کامیابی کا مُنہ نہیں دیکھ سکتے اور قرآن کریم اور سنت و حدیث کو چھوڑ کر فلاح دارین تک نہیں پہنچ سکتے، لہٰذا صرف اسی قدر اشارہ کافی ہے کہ وہ اس زمانہ کے ایک کامل انسان (امیر المومنین سیدنا نور الدین) کی لائف کو پڑھیں اور دیکھیں کہ اس باخدا مردِ کامل کی لائف اُن کے لیے بہترین نمونہ ہے یا نہیں؟ اور اس کے قدم بقدم چل کر وہ سچے پکے مسلمان بن سکتے ہیں اور فلاح دارین حاصل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

حضور امیر المومنینؓ کی سوانح عمری کا مرتب و شائع ہونا کس قدر ضروری کام تھا اس کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ مکرمی شیخ یعقوب علی صاحب نے جب کبھی الحکم میں حیات النور کا ذکر کیا ہے لوگوں میں خوشی اور بے تابی کے آثار دیکھے گئے ہیں لیکن چونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مولانا مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی سوانح عمریوں کی طرح حیات النور کی اشاعت میں بھی غیر معمولی انتظار کی زحمت برداشت کرنا ہمارے لیے

مقدر ہے۔ لہٰذا خدا نے تعالےٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے حیات النور کے خمیازہ کشوں کے لیے ایک اور سامان تسکین مہیا فرمادیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ میں نے شروع ہی سے دُعاؤں کو اپنے کام کا سنگ بنیاد بنایا اور خدائے تعالیٰ ہی نے ہر موقع پر اپنی قدرت کا ہاتھ دکھایا۔

ہاں! اس بات کا اظہار بھی ضروری ہے کہ خدائے تعالیٰ نے یہ عزت میرے حصّہ میں لکھی تھی کہ میں حضورؓ سے عرض کروں کہ اپنی سوانح عمری خود لکھوائیں اور وہ گذارش درجہ قبولیت کو پہنچے الحمد للہ رب العلمین۔ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنی اس حیرت کا ذکر کروں کہ میں پنسل کاغذ لیکر حاضر ہوتا آپ کام کرتے کرتے مجھ کو منتظر بیٹھا ہوا دیکھ فرماتے اچھا تم بھی کچھ لکھ لو۔ آپ فرماتے جاتے اور میں لکھتا جاتا۔ باوجود اس کے کہ میں محض خدائے تعالےٰ کے فضل وکرم سے اکثر لکچراروں کے لکچر بآسانی حرف بحرف لکھ سکتا ہوں بڑی مستعدی اور پوری ہمّت کو کام میں لاکر آپ کے تمام الفاظ قلمبند کر سکا ہوں۔ اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ آپ کس روانی اور طلاقت کے ساتھ تقریر فرماتے ہوں گے۔ لیکن جب اپنی جائے قیام پر آکر اس پنسل کے شکستہ لکھے ہوئے کو صاف کرتا تو مجھ کو یاد نہیں کہ عبارت کو چست اور دُرست بنانے کے لیے کہیں کسی فقرہ میں تغیر وتبدل کرنا پڑا ہو بس آپ کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک حرف اپنی اصلی حالت میں لکھ دیا ہے ناظرین خود اندازہ فرمالیں گے کہ اس طرح بے ساختہ اور پختہ تقریر کرنے والے ہندوستان میں کس قدر اشخاص موجود ہیں اور یہ سب کچھ آپ نے ایسی حالت میں لکھوایا ہے کہ گرد وپیش بہت سے مریض، مرید، مہمان، طالب علم اور مختلف ضرورتوں والے جمع ہوتے تھے۔ بیچ بیچ میں کئی دفعہ لوگوں کی طرف مخاطب ہونا کسی کا نسخہ لکھنا کسی کی عرضی پڑھنا وغیرہ یہ کام بھی ہو جاتے تھے اور اس طرح میرے داہنے ہاتھ کی انگلیوں کو کسی قدر آرام کا موقعہ بھی مل جاتا تھا۔

میں اس بات سے واقف ہوں کہ جبتک تنقید ورائے زنی نہ کی جائے اور مناسب موقعوں پر نتائج کی طرف ناظرین کو متوجہ نہ کیا جائے سوانح عمری میں لُطف پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اس لیے کہ ؎

زعشقِ ناتمامِ ما جمالِ یار مستغنی است ۔۔۔ بآب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبا را

کوئی نوٹ یا حاشیہ تک لکھنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔ اور مکرمی شیخ یعقوب علی صاحب کی حیات النور کا کام خود انجام دینا غیر ضروری خیال کیا۔ یہ کتاب متن ہے۔ حیات النور ایک شرح حامل المتن ہوگی (انشاء اللہ تعالیٰ) حیاۃ النور کی بھی ہمکو ضرورت ہے اور بہت بڑی ضرورت ہے۔ میں اپنے ناظرین سے التماس کرتا ہوں کہ وہ شیخ صاحب پر

حیات النور کے جلد شائع کرنے کے لیے ضرور تقاضا کریں۔ مَیں بھی عرض کرتا ہوں ؎

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا

اس اعتراض کا بھی مجھ کو اندیشہ نہیں رہا کہ سوانحعمری چونکہ ایک مرید و معتقد نے لکھی ہے لہٰذا خوش عقیدگی نے تنقید کے کام کو ناقص رکھا ہوگا۔ حالات اصل و صحیح واقعات ناظرین کے سامنے ہیں خود غور فرمادیں اور نتائج اخذ کریں۔

اب مَیں اخبار بدر سے حضور امیر المومنینؓ کا شجرۂ نسب نقل کرنے کے بعد وہ الفاظ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت امیر المومنین کی نسبت ارقام فرمائے ہیں اس مقدمہ میں درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

شجرۂ نسب

منقولہ از بدر ۲۸ مارچ ۱۹۱۲ء

حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ — حضرت سلطان المشائخ شیخ عبداللہ — حضرت نصیر الدین — حضرت سلطان ابراہیم

حضرت شیخ مسعود — حضرت عبداللہ — حضرت واعظ اصغر — حضرت واعظ اکبر — حضرت شیخ فتح محمد خاں — حضرت شیخ اسحٰق

حضرت شیخ عبدالسامع شیخ محمود — حضرت نصیر الدین — حضرت شیخ فرخ شاہ کابلی قدس سرہ العزیز — حضرت شیخ احمد المعروف حافظ محمود

حضرت شیخ جمال الدین — حضرت شعیب — حضرت احمد — حضرت شیخ یوسف — حضرت شیخ محمد — حضرت شیخ شہاب الدین

حضرت شیخ سلیمان — حضرت شیخ بہاء الدین مخزن اسرار — حضرت شیخ بدر الدین — حضرت شریعت پناہ قاضی عبدالرحمٰن

معارف دستگاہ حافظ یار محمد — حقائق مآب حافظ عبدالعزیز مغفور — حافظ نصر اللہ — حافظ عبدالقصیر — حافظ عبدالغنی

کمالات دستگاہ حافظ عبدالرب — فضیلت پناہ حافظ فخر الدین — حافظ معز الدین — غفران پناہ حافظ غلام محمد

حفاظت پناہ حافظ غلام رسول

امیر المومنین خلیفۃ المسیح نور الدین

عبدالحی — عبدالسلام — عبدالوہاب — عبدالمنان — امامہ — حفصہ — امۃ الحی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں

چہ خوش بودے اگر ہر یک زِ اُمت نوردین بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پر از نورِ یقیں بودے

خدائے تعالیٰ نے اپنے خاص احسان سے یہ صدق سے بھری ہوئی روحیں مجھے عطا کی ہیں۔ سب سے پہلے میں اپنے ایک رُوحانی بھائی کے ذکر کرنے کے لیے دل میں جوش پاتا ہوں جن کا نام ان کے نورِ اخلاص کی طرح نورالدین ہے۔ میں ان کی بعض دینی خدمتوں کو جو اپنے مال حلال کے خرچ سے اعلائے کلمۂ اسلام کے لیے وہ کر رہے ہیں ہمیشہ حسرت کی نظر سے دیکھتا ہوں کہ کاش وہ خدمتیں مجھ سے بھی ادا ہو سکتیں۔ ان کے دل میں جو تائید دین کے لیے جوش بھرا ہوا ہے اس کے تصوّر سے قدرتِ الٰہی کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے کہ وہ کیسے اپنے بندوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ وہ اپنے تمام مال اور تمام زور اور تمام اسباب مقدرت کے ساتھ جو ان کو میسّر ہیں ہر وقت اللہ رسول کی اطاعت کے لیے مستعد کھڑے ہیں اور تجربہ سے نہ صرف حسن ظن سے یہ علم صحیح واقعی رکھتا ہوں کہ اُنہیں میری راہ میں مال کیا بلکہ جان اور عزّت تک دریغ نہیں۔ اگر میں اجازت دیتا تو وہ سب کچھ اس راہ میں فدا کر کے اپنی روحانی رفاقت کی طرح جسمانی رفاقت اور ہر دم صحبت میں رہنے کا حق ادا کرتے۔ ان کے بعض خطوط کی چند سطریں بطور نمونہ ناظرین کو دکھلاتا ہوں تا اُنہیں معلوم ہو کہ میرے پیارے بھائی مولوی حکیم نورالدین بھیروی معالج ریاست جموّں نے محبّت اور اخلاص کے مراتب میں کہاں تک ترقی کی ہے اور وہ سطریں یہ ہیں :

"مولانا۔ مُرشدنا۔ امامنا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عالیجناب میری دُعا یہ ہے کہ ہر وقت حضور کی جناب میں حاضر رہوں اور امامِ زمان سے جس مطلب کے واسطے وہ مجدّد کیا گیا ہے وہ مطالب حاصل کروں۔ اگر اجازت ہو تو میں نوکری سے استعفیٰ دیدوں اور دن رات خدمت عالی میں پڑا رہوں یا اگر حکم ہو تو اس تعلق کو چھوڑ کر دُنیا میں پھروں اور لوگوں کو دینِ حق کی طرف بلاؤں اور اسی راہ میں جان دُوں۔ میں آپ کی راہ میں قربان ہوں میرا جو کچھ ہے میرا نہیں آپکا ہے۔ حضرت پیر و مرشد میں کمال راستی سے عرض کرتا ہوں میرا سارا مال و دولت اگر دینی اشاعت میں

خرچ ہوجائے تو میں مُراد کو پہنچ گیا۔ اگر خریدار براہین کے توقف طبع کتاب سے مضطرب ہوں تو مجھے اجازت فرمایئے کہ یہ ادنیٰ خدمت بجالاؤں کہ ان کی تمام قیمت ادا کردہ اپنے پاس سے واپس کردوں۔ حضرت پیرومُرشد! نابکار شرمسار عرض کرتا ہے۔ اگر منظور ہو تو میری سعادت ہے۔ میرا منشاء ہے کہ براہین کے طبع کا تمام خرچ مجھ پر ڈال دیا جائے پھر جو کچھ قیمت میں وصول ہو وہ روپیہ آپ کی ضروریات میں خرچ ہو۔ مجھے آپ سے نسبت فاروقی ہے اور سب کچھ اس راہ میں فدا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ دُعا فرمائیں کہ میری موت صدیقوں کی موت ہو۔"

حضرت مولوی صاحب علوم فقہ اور احادیث وتفسیر میں اعلیٰ درجہ کی معلومات رکھتے ہیں فلسفہ اور طبعی جدید پر نہایت عمدہ نظر ہے۔ فن طبابت میں ایک حاذق طبیب ہیں۔ ہر ایک فن کی کتابیں بلاد مصر و عرب و شام و یورپ سے منگوا کر ایک نادر کتب خانہ تیار کیا ہے۔ اور جیسے اور علوم میں فاضل جلیل ہیں مناظرات دینیہ میں بھی نہایت درجہ نظر وسیع رکھتے ہیں۔ بہت سی عمدہ کتابوں کے مؤلف ہیں۔ حال میں کتاب تصدیق براھین احمدیہ بھی حضرت ممدوح نے تالیف فرمائی ہے جو ہر ایک محققانہ طبیعت کے آدمی کی نگاہ میں جواہرات سے بھی زیادہ بیش قیمت ہے۔

مولوی صاحب ممدوح کا صدق اور ہمّت اور ان کی غمخواری اور جان نثاری جیسی ان کے قال سے ظاہر ہے اس سے بڑھ کر ان کے حال سے ان کی مخلصانہ خدمتوں سے ظاہر ہو رہا ہے اور وہ محبت اور اخلاص کے جذبۂ کاملہ سے چاہتے ہیں کہ سب کچھ یہانتک کہ اپنے عیال کی زندگی بسر کرنے کی ضروری چیزیں بھی اسی راہ میں فدا کردیں ان کی روح محبت کے جوش اور مستی سے ان کی طاقت سے زیادہ قدم بڑھانے کی تعلیم دے رہی ہے۔ اور ہر دم اور ہر آن خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ نہایت درجہ کی بیرحمی ہے کہ ایسے جاں نثار پر وہ سارے فوق العادت بوجھ ڈال دیئے جائیں جنکو اُٹھانا ایک گروہ کا کام ہے۔ بیشک مولوی صاحب اس خدمت کو بہم پہنچانے کے لیے تمام جائداد سے دستبردار ہوجانا اور ایوبؑ نبی کی طرح یہ کہنا کہ "مَیں اکیلا آیا اور اکیلا جاؤں گا" قبول کرلیں گے لیکن یہ فریضہ تمام قوم میں مشترک ہے اور سب پر لازم ہے کہ اس پُرخطر اور پُرفتنہ زمانہ میں کہ جو ایمان کے ایک نازک رشتہ کو جو خدا اور اس کے بندے میں ہونا چاہیے بڑے زور و شور کے ساتھ جھٹکے دیکر ہلا رہا ہے اپنے اپنے حسن خاتمہ کی فکر کریں اور وہ اعمال صالحہ جن پر نجات کا انحصار ہے اپنے پیارے مالوں کے فدا کرنے اور پیارے وقتوں کو خدمت میں لگانے سے حاصل کریں۔ اور خدائے تعالیٰ کے اس غیر متبدل اور مستحکم قانون سے ڈریں جو وہ اپنے کلام عزیز میں فرماتا ہے۔ لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ یعنی تم حقیقی نیکی کو جو نجات تک پہنچاتی ہے ہرگز

نہیں پا سکتے بجز اس کے کہ تم خدائے تعالیٰ کی راہ میں وہ مال اور وہ چیزیں خرچ کرو جو تمہاری پیاری ہیں۔
(فتح اسلام صفحہ ۶۰ سے صفحہ ۶۵ تک ایڈیشن سوم)

میرے مخلص دوست مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی جو نوتعلیم یافتہ جوان اور تربیت جدیدہ کے رنگ سے رنگین اور نازک خیال آدمی ہیں جن کے دل پر میرے محب صادق اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب کی مربیانہ اور اُستادانہ صحبت کا نہایت عمدہ بلکہ خارق عادت اثر پڑا ہوا ہے (ازالہ اوہام صفحہ ۷۹۴ مطبوعہ ریاض ہند پریس)

حبی فی اللہ مولوی حکیم نورالدین صاحب بھیروی۔ مولوی صاحب ممدوح کا حال کسی قدر رسالہ فتح اسلام میں لکھ آیا ہوں لیکن ان کی تازہ ہمدردیوں نے پھر مجھے اسوقت ذکر کرنے کا موقعہ دیا۔ ان کے مال سے جسقدر مجھے مدد پہنچی ہے مَیں کوئی ایسی نظیر نہیں دیکھتا جو اس کے مقابل پر بیان کرسکوں۔ مَیں نے ان کو طبعی طور پر اور نہایت انشراح صدر سے دینی خدمتوں میں جان نثار پایا اگرچہ ان کی روزمرہ زندگی اسی راہ میں وقف ہے کہ وہ ہر ایک پہلو سے اسلام اور مسلمانوں کے سچے خادم ہیں مگر اس سلسلہ کے ناصرین میں سے وہ اوّل درجہ کے نکلے۔ مولوی صاحب موصوف اگرچہ اپنی فیاضی کی وجہ سے اس مصرعہ کے مصداق ہیں کہ قرار در کف آزادگاں نگیرد مال۔ لیکن پھر بھی انہوں نے بارہ سو ۱۲۰۰ روپیہ نقد متفرق حاجتوں کے وقت اس سلسلہ کی تائید میں دیا اور اب بیس روپیہ ماہواری دینا اپنے نفس پر واجب کر دیا اور اس کے سوا اور بھی ان کی مالی خدمات ہیں جو طرح طرح کے رنگوں میں ان کا سلسلہ جاری ہے۔ مَیں یقیناً دیکھتا ہوں کہ جبتک وہ نسبت پیدا نہ ہو جو محب کو اپنے محبوب سے ہوتی ہے تب تک ایسا انشراح صدر کسی میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ ان کو خدائے تعالیٰ نے قوی ہاتھ سے اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ اور طاقت بالا نے خارق عادت اثر ان پر کیا ہے۔ انہوں نے ایسے وقت میں بلا تردد مجھے قبول کیا جب ہر طرف سے تکفیر کی صدائیں بلند ہونے کو تھیں اور بہتیروں نے باوجود بیعت کے عہد بیعت فسخ کر دیا تھا اور بہتیرے سُست اور متذبذب ہو گئے تھے۔ تب سب سے پہلے مولوی صاحب ممدوح کا ہی خط اس عاجز کے اس دعوے کی تصدیق میں کہ مَیں ہی مسیح موعود ہوں قادیان میں میرے پاس پہنچا جس میں یہ فقرات درج تھے: اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ۔ مولوی صاحب موصوف کے اعتقاد اور اعلیٰ درجہ کی قوتِ ایمانی کا ایک یہ بھی نمونہ ہے کہ ریاست جموں کے ایک جلسہ میں مولوی صاحب کا ایک ڈاکٹر صاحب سے جن کا نام جگناتھ ہے اس عاجز کی نسبت کچھ تذکرہ ہو کر مولوی صاحب نے بڑی قوت اور استقامت سے یہ دعویٰ پیش کیا کہ خدائے تعالیٰ ان کے یعنی اس عاجز کے ہاتھ پر کوئی آسمانی نشان دکھلانے پر قادر ہے۔ پھر ڈاکٹر صاحب کے انکار پر مولوی صاحب نے ریاست کے بڑے بڑے ارکان کی مجلس میں یہ شرط قبول کی کہ اگر وہ

یعنی یہ عاجز کسی مدت مسلمہ فریقین پر کوئی آسمانی نشان دکھلا نہ سکے تو مولوی صاحب ڈاکٹر صاحب کو پانچہزار روپیہ بطور جرمانہ دینگے اور ڈاکٹر صاحب کی طرف سے یہ شرط ہوئی کہ اگر انہوں نے کوئی نشان دیکھ لیا تو بلا توقف مسلمان ہو جائیں گے اور ان تحریری اقراروں پر مندرجہ ذیل گواہیاں ثبت ہوئیں۔

خاں بہادر جنرل ممبر کونسل ریاست جموں غلام محی الدین خان   سراج الدین احمد سپرنٹنڈنٹ و افسر ڈاکخانہ جات ریاست جموں

سرکار سنگھ سکرٹری راجہ امر سنگھ صاحب بہادر پریذیڈنٹ کونسل

مگر افسوس کہ ڈاکٹر صاحب ناقابل قبول اعجازی صورتوں کو پیش کر کے ایک حکمت عملی سے گریز کر گئے چنانچہ انہوں نے ایک آسمانی نشان یہ مانگا کہ کوئی مرا ہوا پرندہ زندہ کر دیا جائے حالانکہ وہ خوب جانتے ہوں گے کہ ہمارے اصولوں سے یہ مخالف ہے۔ ہمارا یہی اصول ہے کہ مُردوں کو زندہ کرنا خدائے تعالیٰ کی عادت نہیں اور وہ آپ فرماتا ہے حَرَامٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ یعنی ہم نے یہ واجب کر دیا ہے کہ جو مر گئے پھر وہ دنیا میں نہیں آئیں گے۔ مَیں نے ڈاکٹر صاحب کو یہ کہا تھا کہ آسمانی نشان کی طرف سے کوئی تعیین ضروری نہیں بلکہ جو امر انسانی طاقتوں سے بالاتر ثابت ہو خواہ وہ کوئی امر ہو اسی کو آسمانی نشان سمجھ لینا چاہیے اور اگر اس میں شک ہو تو بالمقابل ایسا ہی کوئی امر دکھلا کر یہ ثبوت دینا چاہیے کہ وہ امر الٰہی قدرتوں سے مخصوص نہیں لیکن ڈاکٹر صاحب اس سے کنارہ کر گئے اور مولوی صاحب نے وہ صدق قدم دکھلایا جو مولوی صاحب کی عظمت ایمان پر ایک محکم دلیل ہے۔ دل میں ازبس آرزو ہے کہ اور لوگ بھی مولوی صاحب کے نمونہ پر چلیں مولوی صاحب پہلے راستبازوں کا ایک نمونہ ہیں۔

جزاھم اللّٰہ خیر الجزاء احسن الیھم فی الدنیا والعقبیٰ۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۷۷۷ سے ۷۸۱ تک)

جب سے مَیں خدائے تعالیٰ کی درگاہ سے مامور کیا گیا ہوں اور حی قیوم کی طرف سے زندہ کیا گیا ہوں دین کے چیدہ مددگاروں کی طرف شوق کرتا رہا ہوں اور وہ شوق اُس شوق سے بڑھ کر ہے جو ایک پیاسے کو پانی کی طرف ہوتا ہے۔ اور مَیں رات دن خدائے تعالےٰ کے حضور چلاتا تھا اور کہتا تھا کہ اے میرے رب میرا کون ناصر و مددگار ہے مَیں تنہا اور ذلیل ہوں۔ پس جبکہ دُعا کا ہاتھ پے در پے اُٹھا اور آسمان کی فضا میری دُعاؤں سے بھر گئی تو اللہ تعالیٰ نے میری عاجزی اور دعا کو قبول کیا اور رب العالمین کی رحمت نے جوش مارا اور اللہ نے مجھے ایک مخلص صدیق عطا فرمایا جو میرے مددگاروں کی آنکھ ہے اور میرے ان مخلص دوستوں کا خلاصہ ہے جو دین کے بارہ میں میرے دوست ہیں۔ اس کا نام اس کے نورانی صفات کی طرح نور الدین ہے۔ وہ جائے ولادت کے لحاظ سے بھیروی اور نسب کے لحاظ سے قریشی ہاشمی ہے جو کہ اسلام کے سرداروں میں سے اور شریف والدین کی اولاد میں سے ہے پس مجھ کو اس کے ملنے سے ایسی خوشی ہوئی کہ

گویا کوئی جدا شدہ عضو مل گیا اور ایسا مسرور ہوا جس طرح کہ حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ملنے سے خوش ہوئے تھے اور میں اپنے غموں کو بھول گیا جب کہ وہ میرے پاس آیا اور مجھ سے ملا اور میں نے دین کی نصرت کی راہوں میں اس کو سابقین میں سے پایا اور مجھ کو کسی شخص کے مال نے اس قدر نفع نہیں پہنچایا جس قدر کہ اس کے مال نے جو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دیا اور کئی سال سے دیتا ہے۔ وہ علم و فضل اور نیکی و سخاوت میں اپنے ہمچشموں پر فوقیت لے گیا ہے اور باوجود اس کے اس کا علم کوہ رضوی سے زیادہ مضبوط ہے اس نے اپنا تمام چیدہ مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا ہے اور اپنی تمام خوشی خدائے تعالیٰ کے کلام میں رکھی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ سخاوت اس کی شرع ہے اور علم اس کا مطلوب ہے اور حلم اس کی سیرت ہے اور توکل اس کی غذا اور میں نے اس کی مانند جہان میں کوئی عالم نہیں دیکھا اور منعمین میں ہو کر اس کی مانند مخلوق میں فقیر نہیں اور نہ خدائے تعالیٰ کی راہ میں اس کی مانند کوئی خرچ کرنیوالا دیکھا۔ میں نے جب سے عقل و سمجھ پائی ہے اس کی مانند کوئی وسیع علم والا نہیں دیکھا۔ اور وہ جب میرے پاس آیا اور مجھ سے ملا اور میری نظر اس پر پڑی تو میں نے اُس کو دیکھا کہ وہ میرے رب کی آیات میں سے ایک آیت ہے اور مجھے یقین ہو گیا کہ میری اسی دعا کا نتیجہ ہے جس پر میں مداومت کرتا تھا اور میری فراست نے مجھ کو بتا دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں میں سے ہے اور میں لوگوں کی مدح کرنا اور ان کے شمائل کو پھیلانا اس خوف سے بُرا جانتا تھا کہ مبادا ان کے نفسوں کو ضرر دے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ تو ایسے لوگوں میں سے ہے جن کے نفسانی جذبات شکستہ ہو گئے ہیں اور جن کی طبعی شہوات فنا ہو گئی ہیں اور ان پر کوئی خوف نہیں کیا جا سکتا اور اس کے کمال کے نشانوں میں سے یہ ہے کہ جب اُس نے اسلام کو مجروح دیکھا اور اس کو ایک مسافر سرگرداں کی طرح پایا یا اس درخت کی طرح پایا جو اپنی جگہ سے ہلایا جائے تو اس نے غم کو اپنا شعار بنا لیا اور مارے غم کے اس کا عیش مکدر ہو گیا اور وہ مضطر کی طرح دین کی مدد کو کھڑا ہو گیا اور ایسی کتابیں تصنیف کیں جو دقائق اور معارف سے بھری ہوئی ہیں اور جس کی نظیر پہلے لوگوں کی کتابوں میں نہیں پائی جاتی۔ انکی عبارتیں باوجود مختصر ہونے کے فصاحت سے بھری ہوئی ہیں اور ان کے الفاظ نہایت دلربا خوبصورت اور عمدہ ہیں جو کہ دیکھنے والوں کو شراب طہور پلاتی ہیں اور اس کی کتابوں کی مثال اس ریشم کی ہے جو مشک کے ساتھ آلودہ کیا جائے پھر اس میں موتی اور یاقوت اور بہت سی کستوری ملائی جائے پھر اس میں عنبر ملا کر معجون کی طرح بنا دیا جائے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی کتابیں جامع ہیں۔ ہم ان میں فوائد کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں کر سکتے وہ تمام سے بڑھ گئی ہیں اس لیے کہ اس نے تمام کمی و زیادتی کا احاطہ کر لیا ہے اور بسبب اس کے کہ دلائل و براہین کے رستوں کے ساتھ دلوں کو کشش کرتی ہیں اپنے غیر پر فوقیت لے گئی ہیں۔ مبارک ہے وہ شخص کو جو ان کو حاصل کرے اور پہچانے اور غور سے پڑھے۔

ان کی مانند کوئی مدد گار نہیں مل سکتا جو کوئی یہ چاہے کہ قرآن شریف کے عقدوں کو حل کرے اور خدائے تعالیٰ کی کتاب کے اسرار پر واقف ہو تو اس کو چاہیے کہ ان کتابوں میں مشغول ہو کیونکہ وہ اس چیز کی متکفل ہیں جس کو ذہین طالب تلاش کرتا ہے۔ ان کے ریحان کی خوشبو دلوں کو فریفتہ کرتی ہے۔ ان کی شاخوں میں کثرت سے میوے ہیں اور کوئی شک نہیں کہ وہ اس باغ کی طرح ہیں جس کے خوشے جھکے ہوئے ہیں اور اس میں کوئی لغویات نہیں سنائی دیتی اور پاکوں کے لیے مہانی ہے۔ ان میں سے ایک کا نام فصل الخطاب اور ایک کا نام تصدیق براہین احمدیہ ہے۔ باوجود متانتِ الفاظ اور لطافتِ مبانی کے قیمتی معانی پرو دئے گئے ہیں۔ یہانتک کہ وہ مؤلفین کے لیے اسوۂ حسنہ ہو گئی ہیں۔ اور متکلمین آرزو کرتے ہیں کہ وہ انہیں کتابوں کی طرز پر لکھیں۔ اور بڑے بڑے عالموں کی زبانوں نے ان کتابوں کی مدح سرائی کی ہے۔ ان کے جواہرات جواہر البحور پر فوقیت لے گئے اور ان کے موتی دریاؤں کے موتیوں پر فائق ہو گئے ہیں اور وہ اس کے کمالات پر ایک دلیل قاطع ہیں۔ ان کی خبر کو ایک وقت کے بعد جان لوگے۔ اور مؤلف فاضل نے ان کتابوں میں قرآن شریف کے نکات کی تفسیر کرنے کے لیے کمر باندھی ہے۔ اور اپنی تحقیق میں روایت اور درایت کے متفق کرنے کی مشقت اٹھائی ہے۔ پس آفرین ہے اس کی عالی ہمت کے لیے اور اس کے افکار وقادہ کے لیے پس وہ مسلمانوں کا فخر ہے اور اس کو قرآن کریم کے دقائق کے استخراج میں اور فرقان مجید کے حقائق کے خزانوں کو پھیلانے میں عجیب ملکہ ہے۔ بلاشک وہ مشکوٰۃ نبوت کے انوار سے منور ہے اور اپنی پاک طینتی اور شان مردی کے مناسب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور سے نور لیتا ہے۔ وہ ایک عجیب و غریب مرد ہے۔ اس کے ایک ایک لمحہ کے ساتھ انوار کی نہریں بہتی ہیں اس کے ایک ایک رشحہ کے ساتھ فکر دل کے مشرب پھوٹتے ہیں اور یہ خدائے تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا کرتا ہے اور خدا تعالیٰ خیر الواہبین ہے۔

وہ نخبۃ المتکلمین ہے اور زبدۃ المؤلفین لوگ اس کے زلال سے پیتے ہیں اور اس کی گفتگو کی شیشیاں شرابِ طہور کی طرح خریدتے ہیں وہ ابرار اور اخیار اور مومنین کا فخر ہے اس کے دل میں لطائف اور دقائق اور معارف اور حقائق کے انوار ساطعہ ہیں۔ جب وہ اپنے پاک وصاف کلمات اور اچھوتے فی البدیہہ عجیب و غریب ملفوظات کے ساتھ کلام کرتا ہے تو گویا دلوں اور روحوں کو لطیف راگوں اور داؤدی مزامیر کے ساتھ فریفتہ کرتا ہے اور کھلے کھلے معجزوں کے ساتھ لوگوں کو گھٹنوں کے بل بٹھا لیتا ہے۔ جب کلام کرتا ہے تو ایسی حکمتیں مُنہ سے نکالتا ہے کہ گویا وہ پانی ہے جو پے درپے ٹپک رہا ہے اور سامعین کے مُونہوں کی طرف جارہا ہے۔ اور میں نے اپنے فکر کے گھوڑے کو اس کے کمال کی طرف چلایا تو میں نے اس کو اس کے علوم اور اعمال اور نیکی اور صدقات میں یکتائے زمانہ پایا۔ وہ نہایت ذکی الذہن حدید الفواد، فصیح اللسان، نخبۃ الابرار اور زبدۃ الاخیار ہے۔ اس کو سخاوت اور مال عطا کیا گیا ہے۔ امیدیں اس کے ساتھ وابستہ

کی گئی ہیں پس وہ خدام دین کا سردار ہے اور مَیں اُس پر رشک کرنیوالوں میں سے ہوں۔ امیدوں والے اس کے صحن میں اُترتے ہیں اور اس کی ہتھیلی سے ابرِ سخاوت طلب کرتے ہیں۔ جو اس کے گھر کا قصد کرتا ہے اور اس کی ملاقات کرتا ہے تو وہ اُس سے مُنہ نہیں پھیرتا۔ اور فقرا میں سے جو اس کے پاس آتا ہے وہ اس کی خوشبو سے معطر ہو جاتا ہے اور وہ میری ملاقات کے لیے نہایت میلان دل کے ساتھ ایسا مضطرب رہتا ہے جیسے دولتمند سونے کے ساتھ محبت و یقین کے پاؤں سے چل کر دور دراز ملکوں سے میرے پاس آتا ہے وہ ایک دلرُبا جوان ہے جو مجھ سے محبت کرتا ہے اور مَیں اس سے محبت کرتا ہوں۔ اپنی تمام طاقت سے میری طرف سعی کرتا ہے اگرچہ اس کو اتنی ہی فرصت مل جائے جو اُونٹنی کے دو دفعہ دودھ دُوہنے کے درمیان ہوتی ہے۔ اور خدائے تعالےٰ نے اس پر قسم قسم کے انعام کئے ہیں اور اُس کی بقا کے ساتھ اسلام اور مُسلمانوں کی مدد کی ہے اس کو میرے دل سے عجیب تعلّقات ہیں میری محبت میں قسم قسم کی ملامتیں اور بدزبانیاں اور وطن مالوف اور دوستوں کی مفارقت اختیار کرتا ہے میرے کلام کے سُننے کے لیے اس پر وطن کی جدائی آسان ہے اور میرے مقام کی محبت کے لیے وہ اپنے اصلی وطن کی یاد کو چھوڑ دیتا ہے اور میرے ہر یک امر میں میری اس طرح پیروی کرتا ہے جیسے نبض کی حرکت تنفس کی حرکت کی پیروی کرتی ہے اور مَیں اس کو اپنی رضا میں فانیوں کی طرح دیکھتا ہوں۔ جب اس سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ بلا توقف پورا کرتا ہے اور جب کسی کام کی طرف مدعو کیا جاتا ہے تو وہ سب سے پہلے لَبَّیْكَ کہنے والوں میں سے ہوتا ہے۔ اس کا دل سلیم ہے اور خلق عظیم اور کرم ابرِ کثیر کی طرح ہے۔ اس کی صحبت بدحالوں کے دلوں کو سنوارتی ہے۔ اور اس کا حملہ دین کے دشمنوں پر شیر بَبر کے حملہ کی طرح ہے۔ کفّار پر اس نے پتھّر برسائے ہیں۔ آریوں کے مسائل کو اُس نے کھودا اور نقب لگا کر ان بیوقوفوں کی زمین میں اُترا اور اُنکا تعاقب کیا اور ان کی زمین کو تہ و بالا کر دیا اور اپنی کتابوں کو مکذبین کے رسوا کرنے کے لیے نیزوں کی طرح سیدھا کیا۔ پس خدائے تعالیٰ نے اس کے ہاتھ پر ویدوں کو شرمندہ کیا پس اُن کے منہ پر راکھ بھی گئی اور سیاہ کر دیا گیا اور مُردوں کی طرح ہو گئے۔ پھر اُنہوں نے دوبارہ حملہ کرنا چاہا لیکن مُردے موت کے بعد کس طرح زندہ ہو سکتے ہیں لرزتے ہوئے واپس چلے گئے۔ اگر ان کے لیے حیا میں سے کچھ بھی حصّہ ہوتا تو وہ دوبارہ حملہ نہ کرتے۔ لیکن بے حیائی اس قوم کا حلیہ اس طرح ہو گئی ہے جس طرح مجحل گھوڑوں میں تحجیل پس وہ ذبح کیے ہوؤں کی طرح حملہ کرتے ہیں اور فاضل نبیل موصوف میرے سب سے زیادہ محبت کرنیوالے دوستوں میں سے ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے میری بیعت کی ہے اور عقد نیت کو میرے ساتھ خالص کر دیا ہے۔ اور جنہوں نے عہد کا سودا مجھے اس بات پر دیا کہ وہ خدائے تعالیٰ پر کسی کو مقدم نہ کریں گے پس مَیں نے اس کو ان لوگوں میں سے پایا ہے جو اپنے عہدوں کی محافظت کرتے

اور ربّ العٰلمین سے ڈرتے ہیں۔ اور وہ اس پُرشر زمانہ میں اس ماء المعین کی طرح ہے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ جس طرح اس کے دل میں قرآن کی محبّت کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ ایسی محبت مَیں اور کسی کے دل میں نہیں دیکھتا۔ وہ قرآن کا عاشق ہے اور اس کی آیات مبین کی محبت چمکتی ہے۔ اس کے دل میں خدائے تعالےٰ کی طرف سے نور ڈالے جاتے ہیں پس وہ ان نوروں کے ساتھ قرآن شریف کے وہ دقائق دکھاتا ہے جو نہایت بعید اور پوشیدہ ہوتے ہیں اور اس کی اکثر خوبیوں پر مجھے رشک آتا ہے اور یہ خدائے تعالیٰ کی عطا ہے وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور وہ خیر الرازقین ہے۔ اور خدائے تعالیٰ نے اس کو ان لوگوں میں سے بنایا ہے جو قوت و بصارت والے ہیں اور اس کے کلام میں وہ حلاوت و طلاقت ودلیعت کی گئی ہے جو دُوسری کتابوں میں نہیں پائی جاتی۔ اور اس کی فطرت کو خدائے تعالیٰ کے کلام سے پوری پوری مناسبت ہے۔ خدائے تعالیٰ کے کلام میں بے شمار خزانے ہیں جو اس بزرگ جوان کے لیے ودلیعت رکھے گئے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اس کے لیے کوئی اس کے رزقوں میں جھگڑنے والا نہیں۔ کیونکہ اس کے بندوں میں سے بعض وہ مرد ہیں جنکو تھوڑی سی نمی دی گئی ہے اور دوسرے کئی آدمی ہیں جنکو بہت سا پانی دیا گیا ہے اور وہ اس کے ساتھ حجت بازی کرنیوالے ہیں۔ مجھے میری زلیست کی قسم ہے کہ وہ بڑے بڑے میدانوں کا مرد ہے اس کے لیے کسی کا یہ قول صادق ہے۔ لِکُلِّ عِلْمٍ رِجَالٌ وَلِکُلِّ مَیْدَانٍ اَبْطَالٌ اور نیز یہ بھی صادق آتا ہے اِنَّ فِی الزَّوَایَا خَبَایَا وَفِی الرِّجَالِ بَقَایَا خدائے تعالیٰ اس کو عافیت دے اور اس کو محفوظ رکھے اور اس کی عمر کو اپنی رضامندی اور اطاعت میں لمبا کرے اور اس کو مقبولین میں سے بنائے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ اس کے لبوں پر حکمت بہتی ہے اور آسمان کے نور اس کے پاس نازل ہوتے ہیں اور مَیں دیکھتا ہوں کہ مہمانوں کی طرح اس پر نزولِ انوار متواتر ہو رہا ہے۔ جب کبھی وہ کتاب اللہ کی تاویل کی طرف توجہ کرتا ہے تو اسرار کے منبع کھولتا ہے اور لطائف کے چشمے بہاتا ہے اور عجیب و غریب معارف ظاہر کرتا ہے جو پردوں کے نیچے ہوتے ہیں۔ دقائق کے ذرات کی تدقیق کرتا ہے اور حقائق کی جڑوں تک پہنچکر کھلا کھلا نور لاتا ہے۔ عقلمند اس کی تقریر کے وقت اس کے کلام کے اعجاز اور عجیب تاثیر کی وجہ سے تسلیم کے ساتھ اس کی طرف اپنی گردنوں کو لمبا کرتے ہیں حق کو سونے کے ڈلے کی طرح دکھاتا ہے اور مخالفین کے اعتراضات کو جڑھ سے اکھیڑ دیتا ہے۔ اضطراب میں ڈال دیا ہر ایک جوان کو اُس چیز نے جو واقع ہوئی اور علماء علوم روحانیہ کی دولت اور اسرار رحمانیہ کے جواہرات سے بے گوشت ہڈی کی طرح خالی ہاتھ رہ گئے۔ پس یہ جوان کھڑا ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں پر اس طرح ٹوٹ پڑا جیسے شیاطین پر شہاب گرتے ہیں سو وہ علماء میں آنکھ کی پتلی کی طرح ہے اور حکمت کے آسمان میں روشن سورج کی طرح ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے

نہیں ڈرتا اور وہ ان سطحی رایوں سے خوش نہیں ہوتا جن کا منبت اونچی زمین ہے نہ نیچی زمین۔ بلکہ اسکا فہم ان دقیق الماخذ مخفی اسرار کی طرف پہنچتا ہے جو گہری زمین میں ہوتے ہیں فَلِلّٰہِ دَرُّہٗ وَعَلَی اللّٰہِ اَجْرُہٗ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف کھوئی ہوئی دولت کو واپس کر دیا ہے اور وہ ان لوگوں میں سے ہے جو توفیق دیئے جاتے ہیں۔ اور سب حمد اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے مجھ کو یہ دوست ایسے وقت میں بخشا جبکہ اس کی سخت ضرورت تھی۔ سو میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ اس کی عمر و صحت و ثروت میں برکت دے اور مجھ کو ایسے اوقات عطا کرے جن میں وہ دعائیں قبول ہوں جو اس کے اور اس کے قبیلہ کے لیے کروں اور میری فراست گواہی دیتی ہے کہ یہ استجابت ایک محقق امر ہے نہ ظنی اور میں ہر روز امیدواروں میں سے ہوں۔ خدائے تعالیٰ کی قسم ہیں اس کے کلام میں ایک نئی شان دیکھتا ہوں اور قرآن شریف کے اسرار کھولنے میں اور اس کے کلام اور مفہوم کے سمجھنے میں اس کو سابقین میں سے پاتا ہوں۔ اور میں اس کے علم و حلم کو ان دو پہاڑوں کی طرح دیکھتا ہوں جو ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کونسا دوسرے پر فوقیت لے گیا۔ وہ دینِ متین کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اے رب تو اس پر آسمان سے برکتیں نازل کر اور دشمنوں کے شر سے اس کو محفوظ رکھ اور جہاں کہیں وہ ہو تو اس کے ساتھ ہو اور دنیا و آخرت میں اس پر رحم کر اے ارحم الراحمین آمین ثم آمین۔ تمام تعریف اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً اللہ تعالےٰ کیلئے ہے وہی دنیا و آخرت میں میرا والی ہے۔ اسی کے کلام نے مجھے بُلوایا اور اُسی کے ہاتھ نے مجھے ہلایا۔ سو میں نے یہ مسودہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اشارے اور القاء سے لکھا ہے وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ وہ ہی قادر ہے آسمان و زمین میں۔ اے ربّ جو میں نے لکھا ہے محض تیری قوت و طاقت اور تیرے الہام کے اشارے سے لکھا ہے۔ پس تمام تعریف تیرے ہی لیے ہے اے رب العالمین۔

(مترجمہ عزیزم مولوی عبدالرحمٰن از حصہ عربی آئینہ کمالات اسلام)

(از صفحہ ۵۸۱ تا صفحہ ۵۸۹)

مولوی حکیم نوردین صاحب اپنے اخلاص اور محبت اور صفت ایثار اور شجاعت اور سخاوت اور ہمدردی اسلام میں عجیب شان رکھتے ہیں۔ کثرت مال کے ساتھ کچھ قدر قلیل خدا تعالیٰ کی راہ میں دیتے ہوئے تو بہتوں کو دیکھا مگر خود بھوکے پیاسے رہ کر اپنا عزیز مال رضائے مولا میں اٹھا دینا اور اپنے لیے دنیا میں سے کچھ نہ بنانا یہ صفت کامل طور پر مولوی صاحب موصوف میں ہی دیکھی یا ان میں جن کے دلوں پر ان کی صحبت کا اثر ہے۔ مولوی صاحب موصوف ابتک تین ہزار روپیہ کے قریب للہ اس عاجز کو دے چکے ہیں۔ اور جس قدر ان کے مال سے مجھ کو مدد پہنچی ہے اس کی نظیر اب تک کوئی میرے پاس نہیں۔ اگرچہ یہ طریق دنیا اور معاشرت کے اصول کے مخالف ہے مگر جو شخص خدا تعالیٰ

کی ہستی پر ایمان لا کر اور دین اسلام کو ایک سچا اور منجانب اللہ دین سمجھ کر اور بایں ہمہ اپنے زمانہ کے امام کو بھی شناخت کر کے اللہ جل شانہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کریم کی محبت اور عشق میں فانی ہو کر محض اعلاء کلمۂ اسلام کے لیے اپنے مال حلال اور طیب کو اس راہ میں فدا کرتا ہے اس کی جو عند اللہ قدر ہے وہ ظاہر ہے اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؎

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار — جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار

اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب — کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب

اسے دے چکے مال و جاں بار بار — ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار

لگاتے ہیں دل اپنا اس پاک سے — وہی پاک جاتے ہیں اس خاک سے

خدائے تعالیٰ اس خصلت اور ہمت کے آدمی اس اُمت میں زیادہ سے زیادہ کرے۔ آمین ثم آمین ؎

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز اُمت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نور یقیں بودے

(نشان آسمانی صفحہ ۴۶)

میرے سب دوست متقی ہیں لیکن اُن سب سے قوی بصیرت اور کثیر العلم اور زیادہ تر نرم اور حلیم اور اکمل الایمان والاسلام اور سخت محبت اور معرفت اور خشیت اور یقین اور ثبات والا ایک مبارک شخص بزرگ متقی۔ عالم۔ صالح۔ فقیہ اور جلیل القدر محدث اور عظیم الشان حاذق حکیم۔ حاجی الحرمین حافظ القرآن قوم کا قریشی نسب کا فاروقی ہے جس کا نام نامی مع لقب گرامی مولوی حکیم نور الدین بھیروی ہے اللہ تعالیٰ اس کو دین و دنیا میں بڑا اجر دے۔ صدق و صفا اور اخلاص اور محبت اور وفاداری میں میرے سب مُریدوں سے وہ اوّل نمبر پر ہے۔ اور غیر اللہ سے انقطاع میں اور ایثار اور خدمات دین میں وہ عجیب شخص ہے۔ اس نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے مختلف وجوہات سے بہت مال خرچ کیا ہے اور میں نے اُس کو ان مخلصین سے پایا ہے جو ہر ایک رضا پر اور اولاد و ازواج پر اللہ تعالےٰ کی رضا کو مقدم رکھتے ہیں اور ہمیشہ اس کی رضا چاہتے ہیں۔ اور اس کی رضا کے حاصل کرنے کے لیے مال اور جانیں صرف کرتے ہیں اور ہر حال میں شکرگذاری سے زندگی بسر کرتے ہیں اور وہ شخص رقیق القلب صاف طبع حلیم کریم اور جامع الخیرات۔ بدن کے تعہد اور اس کی لذات سے بہت دُور ہے۔ بھلائی اور نیکی کا موقع اس کے ہاتھ سے کبھی فوت نہیں ہوتا اور وہ چاہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے اعلاء اور تائید میں پانی کی طرح اپنا خون بہا دے اور اپنی جان کو

بھی خاتم النبیینؐ کی راہ میں صرف کرے۔ وہ ہر ایک بھلائی کے پیچھے چلتا ہے اور مفسدوں کی بیخ کنی کے واسطے ہر ایک سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے ایسا اعلیٰ درجہ کا صدیق دیا جو راستباز اور جلیل القدر فاضل ہے اور باریک بین اور نکتہ رس۔ اللہ تعالیٰ کے لیے مجاہدہ کرنیوالا اور کمال اخلاص سے اس کے لیے ایسی اعلیٰ درجہ کی محبت رکھنے والا ہے کہ کوئی محب اُس سے سبقت نہیں لے گیا۔

(حمامۃ البشریٰ ترجمہ عربی از صفحہ ۵ تا صفحہ ۱۶)

مذہب و عقائد

(حضرت امیر المومنینؓ کے اپنے الفاظ میں)

{ایڈیٹر رسالہ البیان کے نام ماہ ستمبر ۱۹۰۸ء میں آپ نے ایک خط لکھا جس میں ظاہر فرمایا ہے کہ ہمارا مذہب کیا ہے وہ عبارت اخبار الحکم سے یہاں نقل کیجاتی ہے۔}

جناب من! ہمارا مذہب کیا ہے؟ مختصراً عرض ہے۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و اشھد ان محمدًا عبدہٗ و رسولہ۔

۱۔ اللہ تعالیٰ تمام صفات کاملہ سے موصوف اور ہر قسم کے عیب و نقص سے منزہ ہے۔ اپنی ذات میں یکتا اور صفات میں بے ہمتا۔ اپنے افعال میں لیس کمثلہٖ اور اپنے تمام عبادات میں وحدہٗ لا شریک۔

۲۔ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور ان پر ایمان لابد ہے۔

۳۔ تمام کتب آلٰہیہ۔

۴۔ تمام رسولوں اور نبیوں۔

۵۔ حضرت محمد رسول اللہ علیہ و آلہٖ وسلم المکی والمدنی محمد بن عبداللہ ابن آمنہ۔ خاتم النبیین رسول رب العٰلمین ہیں۔ اور آپ پر جو کتاب نازل ہوئی۔ کیا معنی اس پر اور ان تمام چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ قرآن کریم بلا تحریف و تبدل و کمی و زیادتی کے اسی ترتیب موجودہ پر ہم کو حضرت نبی کریمؐ سے پہنچا۔

۶۔ تقدیر کا مسئلہ حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام اشیاء جو ہیں اور جو ہوں گی اور جو ہو چکیں سب کا اتم و اکمل طور پر علم ہے جزئیات کا بھی وہ عالم ہے۔ نیکی کا ثمرہ نیک اور بدی کا نتیجہ بد ہوتا ہے۔ جیسا کوئی کرتا ہے ویسا ہی پاتا

ہے۔ یعفو عن کثیر۔

۷۔ بعد الموت نفس کو بقا ہے۔ قبر سے لے کر حشر۔ نشر۔ صراط جہنم۔ بہشت کے واقعات جو کچھ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں سب صحیح ہیں۔

۸۔ صحابہ کرامؓ کو ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معاویہ و مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک کسی کو برا نہیں کہتے اور نہ دل میں ان کی نسبت بد اعتقاد ہیں۔ اہل بیت کو بدل اپنا محبوب و پیارا یقین کرتے ہیں۔ تمام بیبیاں حضرت نبی کریمؐ کی حضرت عائشہؓ و خدیجہؓ سے لیکر اور تمام خاندان نبوت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام حسن سبط اکبر اور امام حسین سبط اصغر شہید کربلا اور ان کی والدہ بتول زہرا سیدۃ النساء اہل الجنۃ سب کو اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ گروہ بدل یقین کرتے ہیں۔ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔ اولاد امجاد مولیٰ مرتضیٰ علیہ السلام کو علی بن حسین زین العابدین اور محمد باقر العلوم اور جعفر صادق سے لیکر زید بن علی اور اولاد صادق علیہ السلام میں حسن بن عسکری تک سب کو علماء باعمل اور آئمہ دین مانتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ۔ مالک۔ شافعی اور احمدؒ کو آئمہ فقہا سے۔ بخاری و مسلم۔ ابوداؤد اور نسائی کو آئمہ محدثین سے۔ خواجہ معین الدین چشتی اور الشیخ عبدالقادر جیلانی۔ خواجہ نقشبند۔ شیخ احمد سرہندی۔ شیخ شہاب الدین سہروردی ابوالحسن الشاذلی کو آئمہ تصوف۔ اس لیے ان کو مکرم معظم واجب التعظیم اعتقاد کرتے ہیں۔ کتاب وسنت پر ہمارا عمل ہے۔ اگر بتصریح وہاں مسئلہ نہ ملے تو فقہ حنفیہ پر اس ملک میں عمل کر لیتے ہیں اور اس لیے ہی سفر میں گیارہ رکعت فرض اور حضر میں سترہ رکعت فرض اور تین رکعت وتر ہے نوافل وہ بیس رکعت تراویح اور بعض چالیس رکعت تک پڑھتے ہیں۔ ہر رکعت میں الحمد اور کچھ حصہ قرآن کریم کا اور رکوع و سجود میں تسبیح و تحمید اور تشہد میں التحیات وصلوٰۃ وسلام و دعا پڑھتے ہیں۔ تمام رمضان شریف کے روزے رکھتے ہیں۔ چاندی میں ۵۲ تولہ چاندی پر چالیسواں حصہ۔ ۷ تولہ سونے پر سوا دو ماشہ زکوٰۃ اور بارانی زمین پر عشر اور نہری و چاہی زمین پر بیسواں حصہ زکوٰۃ دیتے ہیں اور حج بیت اللہ کرتے ہیں۔ فضائل میں ترقی اور رذائل سے بچنے میں لگے رہتے ہیں۔

مرزا

دریں رہ گر کشندم ور بسوزند
نتابم روز ایوان محمد

پر ہر ایک کا عمل ہے۔ باایں ہمہ لوگ اور آپ ہم سے کیوں خفا ہیں ؟

۱۔ اس لیے کہ مرزا نے دعویٰ مکالمہ الٰہیہ کا کیا۔ مگر اس دعویٰ کی بنا اس پر تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے صفات میں الآن کما

کان ہے پس اگر وہ پہلے کسی سے بولتا اور کلام کرتا تھا تو اب وہ کیوں نہیں بولتا ۔ اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ میں دُعا ہے کہ الٰہی انبیاء ۔ صدیقوں ، شہداء اور صلحاء کی راہ عطا فرما اور ان راہوں میں ایک راہ مکالمہ کی بھی ہے پس اگر ہم مکالمہ کے مدّعی ہیں تو کیا کفر کیا ؟ بنی اسرائیل کو اس لیے عبادت عجل پر ملامت ہوئی ۔ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّہٗ لَا یُکَلِّمُھُمْ وَلَا یَھْدِیْھِمْ سَبِیْلًا کہ ان کا معبود ان سے بات نہیں کرتا اور ان کو ہدایت نہیں فرماتا پس اس وقت کیوں مُسلمان مکالماتِ الٰہیہ سے انکار کرتے ہیں ۔

۲ - دعویٰ امامت و تجدید دین ۔ اس کی بنا مکالمات اور حدیث علٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا اور سورہ نور کی آیت استخلاف پر تھی اور ہمیشہ مجدد گذرتے رہے پس اس صدی کو کیوں خالی چھوڑتے ہیں ۔

۳ - دعویٰ مہدویت جس کا مدار یہی مکالمات تھے اور حدیث لَا مَھْدِیَ اِلَّا عِیْسٰی ۔ یہ صحیح حدیث اسفار حدیث میں موجود ہے ۔ منجملہ ان کے ابن ماجہ میں بھی ہے مگر جناب نے بہت حقارت اور بُری نگاہ سے اس کا نام روایت اور مرزا صاحب کی توہین کے لیے فرمایا کہ حدیث کر کے مرزا نے اس روایت کو پیش کیا ہے حالانکہ یہ حدیث ہے ۔ اور پھر کیا مجدد مہدی نہیں ہوتا ؟ انصاف ! انصاف !!

۴ - دعویٰ عیسٰی ابن مریم ہونے کا ۔ اس کا مدار بھی مکالمہ الٰہیہ تھا اور قرآن کریم کی آیت وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِیْ اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا فَنَفَخْنَا فِیْہِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِکَلِمٰتِ رَبِّھَا وَکُتُبِہٖ وَکَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ (سورہ تحریم) پر تھا ۔ اس آیت کریمہ سے پہلے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ۔ مومن جس سے خطا ہو جائے وہ امرأۃ فرعون کی مثل ہے کہ شیطان کے ماتحت ہے ۔ وہ تو دعائیں کریں نَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ ۔ اور اس آیت میں ذکر ہے دوسری قسم کے مومن کا ۔ دوسرا مومن وہ ہے جو محصن ہے ۔ وہ مریم ہوتا ہے اور جب اس پر کلام الٰہی کا نفخ ہوتا ہے تو مریم سے ابن مریم ہو جاتا ہے ۔ اور تیسری وجہ یہ کہ ؎

چوں مرا نورے پئے قومے مسیحی دادہ اند
مصلحت را ابن مریم نام من بنہادہ اند

چوتھی وجہ حدیث صحیح یَنْزِلُ فِیْکُمْ ابْنُ مَرْیَمَ ۔

۵ - مرزا صاحب کا دعویٰ کہ ابن مریم مر گئے اس کے ثبوت کے لیے اُنھوں نے اسّی رسالے لکھے ۔

۶ - جو طبعی موت سے مر گئے وہ دنیا میں باایں جسم عنصری واپس نہیں آتے وَمِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۔

۷۔ آپ نے ہزاروں پیشگوئیاں کیں جو صحیح ہوئیں۔ جو بظاہر کسی کو نظر آتا ہے کہ صحیح نہیں ان پر مرزا صاحب نے بہت کچھ لکھا ہے۔ باایں کہ محمد رسول اللہ صلعم کو خاتم النبیین مانا اور ان کے عشق و محبت میں ہزاروں صفحہ نکلا ہے بے ریب لکھا ہے کہ میں نبی بمعنی پیشگوئی کرنے والا ہوں۔ مجھے احادیث اور کلام الٰہی میں نبی کہا گیا مگر نہ نبی تشریعی اور یہی مذہب تمام صوفیا کرام رضؓ کا ہے۔ فتوحات مکیہ پر آپ غور کریں۔ آپ کی سُرخی اور آپ کا مضمون کم سے کم چار لاکھ مسلمان احمدیوں کو دُکھ دینے والا ہے۔ اگرچہ آپ کے ساتھ بھی بہت سے اخبار اور رسائل ہیں۔ مولوی صاحب! آپ کا زمانہ نبوّت کا زمانہ نہیں۔ اس پر دریافت طلب امر ہے کہ آپ کو اس بارے میں وحی نبوت ہوئی ہے کہ آپ کا زمانہ نبوت کا زمانہ نہیں۔ یا آپ کی دہریت کا فتویٰ ہے۔

نورالدین

{فروری ۱۹۰۹ئہ میں حسن نظامی دہلوی نے آپ کی خدمت میں ایک خط لکھا۔ اس کے جواب میں ان کو جو ایک خط آپؓ نے لکھا درج ذیل ہے :}

مکرم معظم جناب مولانا۔ مکرمت نامہ پہنچا۔ اس پر عرض ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری کو میں اور ہماری جماعت اصح الکتب یقین کرتے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ ایک بار سرور عالم فخر بنی آدم خاتم المرسلین سید الاولین والآخرین کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرام رضؓ شرف اندوز تھے اور ایک جنازہ گذرا اور اس مطہر و مزکی جماعت نے اس کی تعریف کی عربی عبارت میں ہے۔ اَثْنُوْا عَلَیْہِ خَیْرًا فَقَالَ وَجَبَتْ۔ پھر ایک جنازہ گذرا تو اس کی مذمت ہوئی۔ پھر ارشاد ہوا۔ وَجَبَتْ۔ وَجَبَتْ کے معنی ہیں کہ اس کے لیے واجب ہو چکی۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ مَا وَجَبَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔ کیا واجب ہوا۔ فرمایا اَلَّذِیْ اَثْنَیْتُمْ عَلَیْہِ خَیْرًا فَوَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ وَاَمَّا الَّذِیْ اَثْنَیْتُمْ عَلَیْہِ شَرًّا فَوَجَبَتْ لَہُ النَّارُ۔ اَنْتُمْ شُھَدَآءُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ۔ جس کی تم نے تعریف کی اس کے لیے جنت واجب ہوئی اور جس کی تم نے مذمت کی اس کے لیے دوزخ واجب ہوئی۔ اب جو میں قرآن کریم کو پڑھتا ہوں تو اس میں ارشاد ہے۔ وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حقیقت ہر زمانہ کے اخیار میں طاری وساری ہے۔ اور ہمیشہ اس کے مطابق ہم مشاہدہ کرتے ہیں اور اس معیار پر میں نے حضرت نظام الحق والدین سلطان الدنیا والعقبیٰ کو دیکھا تو سات سو برس کے قریب قریب ہوتا ہے کہ ہزاروں ہزار اخیار آپ کی مدح میں رطب اللسان ہیں۔ اگر یہ مشت خاک ان ابرار و اخیار کے ساتھ ہم آواز نہ ہو تو حسب الارشاد مَنْ یَّتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا مجھ سے زیادہ

کون بدقسمت ہوسکتا ہے۔ پس میرا دلی یقین یہ ہے کہ وہ محبوب الٰہی حسب تزکیہ شہداء اللہ واقعی محبوب الٰہی تھے یہی میرا دلی اعتقاد ہے عام لوگوں کی اجنبیت انشاء اللہ تعالیٰ میرے نزدیک جوئے نمی ارزد کا رنگ رکھتی ہے ؎

کاش آنانکہ عیب من گیرند
روئے آں دستاں بدیدندے

اب دُوسرے ارشاد اور اس کی اہمیت پر گذارش کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔ اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا اور فرماتا ہے۔ وَلِلّٰہِ الۡعِزَّۃُ وَلِرَسُوۡلِہٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَلٰکِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَا یَفۡقَھُوۡنَ۔ پس مولانا اگر ہم فی الواقع جناب الٰہی کی نظر میں مومن ہیں تو ہم یقیناً یقیناً معزز و منصور ہیں۔ ہمیں کفار کے جلسہ کا قطعاً جوش و رنج نہیں اور نہ ہم ان کے نظاروں کو اہم یقین کر سکتے ہیں۔ جناب کو معلوم ہوگا حضرت فرید الحق والدین جب قطب الحق کے جانشین ہوئے تو ہفتہ کے اندر اندر قرب دہلی سے دُوری اختیار فرمائی تو کیا ان کے لیے اجودھن کا جنگل مضر ہوا لا واللہ۔

اپنی کتاب رسالہ نور الدین میں آپؓ نے اپنا مذہب بیان فرمایا ہے جو یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

۱۔ ہم اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں کہ ہے اور وہ موصوف بصفات کاملہ اور ہر ایک نقص سے منزہ لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ ہے۔ اسی کے ارادہ اور اسی کی خلق سے یہ تمام مخلوق ہے۔ وہ وراء الوراء محیط کائنات لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ وَھُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ۔ وَھُوَ الۡاَوَّلُ وَاِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الۡمُنۡتَھٰی وَھُوَ الۡاٰخِرُ ہے۔ جبکہ ہمارا یہ عقیدہ اور یہ ایمان ہے تو سوفسطائی۔ دہریہ۔ مسیحی۔ اور وہ یونانی منطقی اور سناتن جو اللہ تعالیٰ کو علت۔ لابشرط بشرط لا نرگن مانتا ہے اور وجودی۔ نیچری۔ آریہ سماجی جس کے نزدیک اللہ خالق ارواح خالق مادہ۔ خالق زمانہ۔ خالق قضا اور ان کے گن۔ کرم سبھاؤ۔ خواص افعال۔ عادت کا خالق نہیں ہماری کتاب کو کیوں پسند کرے گا۔

۲۔ ہم اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں کہ وہ متکلم ہے۔ اپنے پیاروں سے کلام کرتا ہے۔ ارادہ و مشیت سے اس کے کام ہوتے ہیں۔ وہ کلام کرتا رہا، کرتا رہتا ہے اور کلام کریگا۔ اس کے کلام و تکلیم پر کبھی مہر نہیں لگی۔ پس جو لوگ اس کو گم صم مانتے ہیں، مثلاً برہمو اور نیچری اور جو لوگ کہتے ہیں دو ارب برس سے وہ خاموش ہے اور صرف چار ہی آدمیوں سے سرشٹی کے ابتداء میں بولا تھا یا جو کہتے ہیں کہ مسیح یا نبی کریم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بات کر کے اب خاموش ہے اور جن کا وہم ہے کہ نیچ کی طرح بے اختیار ہے وہ کیوں پسند کرنے لگے۔

۳۔ ہم مانتے ہیں کہ ملائکہ ہیں ان پر اور اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں، رسولوں اور نبیوں پر ہمارا ایمان ہے۔ ہم نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین رسول رب العلمین مانتے ہیں۔ پھر ان باتوں کے مخالف کیوں پسند کرنے لگے۔

۴۔ ہمارے نزدیک ہر ایک شخص اپنے اعمال کا ذمہ وار اور جوابدہ ہے۔ اور ہم عفو مغفرت۔ شفاعت بالاذن کے معتقد ہیں پس ہماری باتوں سے کفارہ کا قائل کب راضی ہوا۔ اور جو اللہ تعالیٰ کو دکھا) عفو والا نہ مانے وہ کیونکر راضی ہو۔

۵۔ ہم صحابہ کرام رضہ تابعین عظام کو رضوان اللہ علیہم اجمعین ابوبکرؓ و عمرؓ سے لیکر معاویۂ و مغیرۃؓ تک۔ اویس قرنی و حسن بصری سے لیکر ابراہیم نخعی و نافع و عکرمہ تک اور اہل بیت میں خدیجہؓ و عائشہؓ سے لیکر علی المرتضیٰ اور تمام آئمہ اہل بیت علیہم السلام ان سب کو بحمداللہ اپنا محبوب اور دل سے پیارا اعتقاد کرتے ہیں۔ قال الامام اما منا علیہ السلام ؎

جان و دلم فدائے جمالِ محمد است
خاکم نثارِ کوچۂ آلِ محمد است

پس رافضی۔ شیعہ۔ خارجی۔ ناصبی۔ جبریہ۔ قدریہ۔ مرجیہ۔ جہمیہ۔ معتزلہ۔ تعامل اسلام کا منکر۔ احادیث صحیحہ کا منکر اور ان کو تو وہ طوفان کہنے والے کب پسند کر سکتے ہیں۔ حالانکہ وہ معمولی کتب تواریخ بلکہ امور تاریخیہ۔ لغت و کتب بیان کو اپنا مقتدا بنائے ہوئے ہیں۔ ہم ائمہ تصوف۔ ائمہ فقہ۔ ائمہ حدیث۔ ائمہ کلام کی تعظیم و تکریم کو ضروری یقین کرتے ہیں۔ اور ان کی مشترکہ سبیل کو سبیل المومنین مانتے ہیں ہاں! ان لوگوں کے آثار باقیہ فتوح الغیب و فتح الربانی للسید الشیخ عبدالقادر جیلانی۔ عوارف للشیخ شہاب الدین السہروردی جس کو میرے ابن عم حضرت فریدالدین گنج شکر چشتی ہمیشہ اپنے درس میں رکھتے تھے اور وہ نسخہ جس پر حضرت سلطان نظام الدین نے پڑھا اب تک جمالیوں میں موجود ہے۔ منازل السائرین شرح مدارج السالکین۔ طریق الہجرتین۔ مجمع الفوائد و زاد المعاد شیخ الاسلام الشیخ ابن قیم۔ فصل الخطاب لخواجہ محمد پارسا۔ مکتوبات شیخ مشائخنا المجدد احمد السرہندی۔ فتوحات مکیہ ابن عربی۔ الکتاب الصحیح للامام البخاری۔ الموطا۔ لامام دارالہجرۃ۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے آثار باقیہ۔ تصانیف ابویوسف۔ امام ائمہ فقہ و حدیث و تصانیف امام محمد الشیبانی و طحاوی۔ الام للشافعی۔ محلی و فصل لابن حزم۔ السنن الکبریٰ للبیہقی۔ درء تعارض العقل والنقل والرد علی المنطقین۔ و منہاج السنۃ للشیخ الاجل رئیس المتکلمین و الفقہاء و المحدثین و المفسرین شیخ الاسلام شیخ ابن تیمیہ الحرانی و المطالب العالیہ للامام الرازی۔ فتح الباری لابن حجر۔ فتح القدیر و تحریر لابن ہمام اور تمام تصانیف حافظ ذہبی۔ جیسے دول الاسلام میزان و تذکرہ وغیرہ۔ حجۃ اللہ البالغہ شیخ مشائخنا شاہ ولی اللہ دہلوی نیل الاوطار للشوکانی الیمنی موجود ہیں منصف خداپرست دیکھ لے۔ انہیں کے ساتھ ہیں ابن المنذر ابن قدامۃ ابویعلی۔ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ کرتا ہوں اور سچے دل سے علی وجہ البصیرت کامل یقین کرتا ہوں کہ بے ریب یہ لوگ مصداق تھے۔ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا

یُوْقِنُوْنَ کے (پ۲۱ سجدہ) اور ان کی دُعا ئیں وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا (پ۱۹ فرقان) ضرور ہی قبول ہوئیں۔ پس بڑے ہی بے نصیب ہیں وہ لوگ جو انسانی امامت کے منکر ہیں۔ اور اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا کے بھید سے ناواقف ہیں۔ ان کی عملی حالتیں ان پر خود ملامت کرتی ہوں گی اگر فطرتِ سلیمہ باقی ہے۔ بحمداللہ ہم نے ان سب کے اسفارِ طیبہ کو خوب غور سے پڑھا اور ہم علیٰ البصیرۃ اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ یہ سب لوگ خدائے تعالیٰ کے برگزیدوں میں اور ہادیوں میں سے تھے۔ ہم نے لغت میں بخاری۔ اصمعی۔ ابوعلیدہ۔ ابوعبید، مفردات راغب۔ نہایہ۔ مجمع البحار۔ لسان العرب اور صرف و نحو میں سیبویہ۔ ابن مالک۔ ابن ہشام اور سیوطی اور قرأت میں شاطبی اور ابوعمر ودانی اور معانی و بیان میں عبدالقاہر جرجانی مصنف دلائل الاعجاز اور اسرار البلاغۃ اور سکاکی مصنف مفتاح العلوم اور ادب میں اصمعی اور تفاسیر میں روایتہً ابن جریر۔ ابن کثیر۔ شوکانی کی فتح القدیر اور درایتہً و روایتہً۔ دونوں میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور فقط درایتہ میں تفسیر کبیر کو ائمہ سلف کے بعد انتخاب کیا ہے۔ قریب زمانہ کے ہندوستانیوں میں جو اصحابِ تصنیف گذرے ہیں ان میں صاحب حجۃ اللہ البالغہ اور ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ کو میں ممتاز انسان اور صافی الذہن جانتا ہوں۔ میں حضرت مسیحؑ کی وفات کا قائل ہوں اور میرا کامل یقین ہے کہ وہ قتل اور پھانسی سے بچکر اپنی موت سے مرچکے۔ اس اُمّت میں انعمت علیہم۔ مغضوب۔ ضال تینوں قسم کے لوگ موجود ہیں۔ پس وہ مسیح موعود علیہ السلام بھی موجود ہے جس کو ہم میں نازل ہونا تھا۔ وہ مہدی معہود اور اس وقت کا امام بھی ہے وہ اختلافوں میں حَکَم ہے۔ ہم نے اُس کی آیات بینات کو دیکھا اور ہم گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر جزا و سزا حشر اجساد جنّت و نار اپنی بے ثبات زندگی کو نصب العین رکھ کر اس کو امام بنالیا ہے۔ ہم نے اپنے مقتداؤں میں ابن حزم اور ابن تیمیہ کو بھی شمار کیا ہے۔ اس کی تائید میں صرف دو قول یہاں لکھتے ہیں:

اوّل۔ ایک شخص اہل اللہ میں سے ہے۔ راستباز۔ صالح اور ثقہ امین ان کا نام عبداللہ الغزنوی کر کے ہمارے ملک پنجاب میں مشہور ہے۔ ہمارے امام علیہ السلام نے ان کو خاتم النبیین رسُول رب العالمین نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شکل پر رؤیا میں دیکھا ہے اور یہ بسبب ان کی کمال اتباعِ سنت کے تھا۔ وہ بہت خوبیوں کے جامع اور علمی و عملی حصّہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو خصوصیت سے ممتاز فرمایا تھا انہوں نے ابن حزم کے بارے میں توجہ کی کہ یہ بہت سخت الفاظ استعمال میں لاتے ہیں۔ اس پر عبداللہ المرحوم کو الہام ہوا (ہاں! میں اس وقت تک عبداللہ مرحوم کو صادق راستباز یقین کرتا ہوں اور اسی یقین پر اس الہام کو شائع کرتا ہوں) ؎

گفتگوئے عاشقاں در بابِ ربّ　　جوششِ عشق است نے ترکِ ادب

ہر کہ کرد از جام حق یک جرعہ نوش — نے ادب ماند درو ئے عقل و ہوش

ہاں دہان ترک حسد کن باشہاں — ورنہ ابلیسے شوی اندر جہاں

با دم شیرے تو بازی مے کنی — با ملائک ترک و تازی مے کنی

اس کہانی کی شہادت ایک شخص ساکن لاہور کوچہ کندی گراں کے پاس بھی ہے اور اس کا نام عبدالحق ہے وہ بھی حسن ظن کے قابل ہیں ولا ازکی علی اللہ احدا۔ دوم حضرت امام سیوطیؒ نے اپنی بے نظیر کتاب الاشباہ والنظائر کی جلد سوم صفحہ ۲۳۰ میں لکھا ہے۔ قال فیہ جواب سائل سال عن حرف لوشیخنا وسیدنا الامام العالم العلامۃ الاوحد الحافظ المجتہد الزاھد العابد القدوۃ امام الائمۃ قدوۃ الامۃ علامۃ العلماء وارث الانبیاء اخر المجتہدین اوحد علماء الدین برکۃ الاسلام حجۃ الاعلام برھان المتکلمین قامع المبتدعین ذی العلوم الرفیعۃ والفنون البدیعۃ محی السنۃ ومن عظمت بہ علینا المنۃ وقامت بہ علی الاعداء الحجۃ۔ واستبانت ببرکتہ وھدیہ المحجۃ۔ تقی الدین ابی العباس احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیۃ الحرانی منارہ وشید من الدین ارکانہ۔

(۲۳۔ اگست ۱۹۰۷ء بروز جمعہ خطبہ ارشاد فرمایا)

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہ۔

اما بعد۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔۔۔۔۔۔ الخ الی عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔

تم نے سنا ہو گا کہ جب کبھی میں کوئی خطبہ پڑھتا ہوں۔ وہ خطبہ جمعہ کا ہو یا عیدین کا۔ کوئی لیکچر ہو یا اور کوئی نصیحت ہو تو میری عادت ہے کہ اس کے شروع میں اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ پڑھ لیتا ہوں۔ اگرچہ میری یہ عادت نہیں کہ اپنی ہر ایک حرکت اور بات کو بلند آواز سے ظاہر کروں مگر جب کوئی لمبی بات یا دردمند دل کی بات کرنی ہو تو میں اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اس کے اول ضرور پڑھتا ہوں۔ اور میری غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگ جو میری نصیحت سنتے ہیں اس بات کے گواہ رہیں کہ میں خدائے تعالیٰ کو واحد لاشریک اس کی ذات و صفات میں مانتا ہوں۔

اور میں حضورِ قلب سے یقین سے استقلال سے یہ بات کہتا ہوں کہ میں اس کی قدرتوں کو بیان کرتے ہوئے کبھی شرمندگی نہیں اُٹھاتا۔ میں اسے اپنا محبوب مانتا ہوں اور محمد رسول اللہ صلعم کو سب انبیاء کا سردار اور فخر رسل سمجھتا ہوں۔ اور میں اللہ کریم کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے محض اپنے فضل سے اس کی اُمت میں مجھے بنایا اُس کے محبوں میں سے بنایا اور اسکے دین کے محبوں میں سے بنایا۔ اس کے بعد میں یہ کہتا ہوں کہ تم نے دیکھا ہوگا کہ میں سخت بیمار ہوگیا تھا اور میں نے کئی دفعہ یقین کیا تھا کہ میں اب مرجاؤں گا۔ ایسی حالت میں بعض لوگوں نے میری بڑی بیمار پرسی کی۔ تمام رات جاگتے تھے۔ ان میں سے خاص کر ڈاکٹر ستار شاہ صاحب ہیں۔ بعضوں نے ساری ساری رات دبایا اور یہ سب خدائے تعالیٰ کی غفور رحیمیاں ہیں ستاریاں ہیں جو ان لوگوں نے بہت محبت اور اخلاص سے ہمدردی کی۔ اور یاد رکھو کہ اگر میں مرجاتا تو اسی ایمان پر مرتا کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ اپنی ذات وصفات میں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے سچے رسول اور خاتم الانبیاء اور فخر رسل ہیں۔ اور یہ بھی میرا یقین ہے کہ حضرت مرزا صاحب مہدی ہیں مسیح ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے غلام ہیں بڑے راستباز اور سچے ہیں۔ گو مجھ سے ایسی خدمت ادا نہیں ہوئی جیسی کہ چاہیے تھی اور ذرہ بھی ادا نہیں ہوئی میں آج اپنی زندگی کا ایک نیا دن سمجھتا ہوں گو تم یہ بات نہیں سمجھ سکتے مگر اب میں ایک نیا انسان ہوں اور ایک نئی مخلوق ہوں۔ میرے قویٰ پر میرے عادات پر میرے دماغ پر میرے وجود پر میرے اخلاق پر جو اس بیماری نے اثر کیا ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ میں ایک نیا انسان ہوں۔ مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ میں ذرا کسی کی خوشامد نہیں کر سکتا۔ میں بالکل الگ تھلگ ہوں۔ میں صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود سمجھتا ہوں۔ وہی میرا رب ہے۔ کیونکہ اس بات کا بھروسہ نہیں کہ آئندہ ہفتہ تک میری زندگی ہے کہ نہیں۔ لہذا میں تم کو بتانا چاہتا ہوں کہ خدائے تعالےٰ فرماتا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو اور اپنے باطن کو ایسا پاک صاف کرلو جیسا کہ چاہیے۔ خدائے تعالیٰ بڑا پاک، قدوس اور سب سے بڑھ کر مطہر ہے۔ اس کی جناب میں مقرب بھی وہی ہو سکتا ہے جو خود پاک ہے۔ گندہ آدمی قبولیت حاصل نہیں کر سکتا۔ دیکھو ایک پاک صاف اور عمدہ لباس والا آدمی ایک پیشاب والی گندی جگہ پر نہیں بیٹھتا۔ اسی طرح ایک پاک اور قدوس خدا ایک گندے کو اپنا مقرب کس طرح بنا سکتا ہے۔ اسی واسطے اُس نے سعیدوں کے واسطے بہشت اور شقیوں کے واسطے دوزخ بنایا ہے۔ ایک ناپاک انسان تو بہشت کے قابل بھی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کے لائق کب ہو سکتا ہے۔.........الخ

(۱۹۱۰ء کے ایام جلسہ سالانہ میں جو خطبہ جمعہ آپ نے فرمایا درج ذیل ہے)

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اما بعد اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔

تمام مسنون خطبے جو دنیا میں پڑھے جاتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر آجتک ان کا ابتدا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ سے ہوتا ہے۔

اس کلمہ کا پہلا حصّہ ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اس کے تین فائدے ہیں۔ پہلا فائدہ یہ ہے کہ جو شخص اسے بآواز بلند پڑھ لیتا ہے ہم اسے مسلمان اور شرک سے بیزار سمجھ لیتے ہیں۔ دوسرا فائدہ اس کا یہ ہے کہ جب اس معنوں پر حقیقی طور پر ایمان ہوتا ہے تو ایسا مومن دنیا کے تمام اسباب اور ذرائع کو تب ذریعہ مانتا ہے جب دیکھ لیتا ہے کہ میرا مولیٰ انکو اسباب بناتا ہے اور اسی نے ان میں تاثیر رکھ دی تیسرا فائدہ جس کی شہادت تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام اولیاء کرام یک زبان ہو کر دیتے آئے ہیں یہ ہے کہ جب اس کلمہ کی کثرت کی جاوے اور اسے بار بار سمجھ کر دوہرایا جاوے تو اللہ تعالےٰ تک پہنچنے کے لیے اور اس کے قرب کی راہ میں جو حجاب اور پردے ہوتے ہیں وہ آسانی سے بتدریج اُٹھ جاتے ہیں۔ **فقرہ اوّل** کے دو حصّے ہیں ایک میں لَا اِلٰہ دوسرے میں اِلَّا اللہ ہے۔ پہلا حصّہ گناہوں کے دور کرنے اور ان سے بچانے کا سامان ہے۔ اور دوسرا نیکیوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ لَا اِلٰہ میں دنیا کے تمام معبودوں محبوبوں اور مطلوبوں کی نفی ہے۔ جو کوئی چیز انسان کی نظر اور ایمان میں محبوب اور مطلوب ہی نہ رہے تو وہ ان اُمور پر جو گناہ ہیں جُھک کیونکر سکتا ہے۔ اصل اشیاء جو اس کے لیے حلال ہیں وہ بھی جب اس کا مقصود بالذات نہ ہوں گی تو جو اس پر حرام ہیں ان کی طرف تو وہ توجہ بھی نہیں کر سکتا۔ اس طرح پر یہ پہلا حصّہ لَا اِلٰہ گناہوں سے بچانیکا ذریعہ ٹھہرتا ہے۔ کس کس طرح پر ہر ایک گناہ سے انسان اس حصّہ پر ایمان لاکر بچ سکتا ہے یہ لمبی بحث ہے دانشمند اس اصل پر جو میں نے بیان کر دیا ہے غور کریں۔ اِلَّا اللہ سے نیکیوں کی طرف توجہ کیونکر پیدا ہوتی ہے؟ اس طرح پر کہ جب انسان دنیا کے تمام مطلوبات و محبوبات کو فانی اور ادنیٰ یقین کر کے کامل الصفات خدا کے ساتھ پیوند کرتا ہے تو پھر اس کی تجلّی اس کے تمام جذبات کو اپنی رضا کے نیچے کر لیتی ہے اور اس کا اصل مطلوب ہر امر میں خدا ہوتا ہے پس وہ کسی کام کو کرتا ہی نہیں جبتک وہ اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ لے یعنی جہاں ایک طرف اسے نگران حال پاتا ہے وہاں دوسری طرف اس کی رضا اور اجازت کو دیکھتا ہے۔ اس طرح پر وہ نیکیوں کو حاصل کرتا ہے۔

پھر اس کلمہ کے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کا جملہ اس لیے لگایا کہ آپؐ نے دیکھ لیا تھا کہ زمانہ گذشتہ میں جو ہادی دنیا کی ہدایت کے لیے وقتاً فوقتاً آئے ایک زمانہ گذرنے کے بعد ان کو معبود بنا لیا گیا اور خدائے تعالیٰ کی معبودیت میں ان کو شریک کر لیا گیا۔ اس گند سے دنیا کو بچانے کے لیے آپ نے اس حصّہ کو رکھا تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگ ایک عبد سمجھیں اور آئندہ چونکہ اس اُمّت میں ولی ہوں گے اس لیے انہیں بھی کوئی معبود قرار نہ دے لے۔ پس مَیں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کو کلمہ کا متمم یقین کرتا ہوں۔ اور مَیں ایمان رکھتا ہوں کہ اس جزو پر ایمان لانے کے بدوں کوئی مومن بن ہی نہیں سکتا۔ جب انسان اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے جو لا الٰہ الا اللہ کا منشاء ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی حسنات کاملہ پر غور کرتا اور اس کے اسماء اور افعال پر سوچتا ہے تو یقیناً اسے اللہ تعالیٰ کے فرشتوں[۱] اللہ تعالیٰ کی کتابوں[۲] اللہ تعالیٰ کے نبیوں[۳] اور تقدیر[۴] اور حشر نشر[۵] پل صراط[۶] اور جنّت و نار[۷] پر ایمان لانا لابدی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے صفات کے ہی ثمرات ہیں اور ایمان باللہ کے لیے لابد ہے کہ وہ اس کو صفات کاملہ سے موصوف یقین کرے چونکہ اسی نے تقدیر کو بنایا۔ ملائکہ کو پیدا کیا۔ جنّت و نار کو پیدا کیا۔ انبیاء علیہم السلام کو بھیجا۔ ان کو صحائف دیئے اس لیے ملائکہ پر ایمان لانا۔ خدا کی کتابوں اس کے رسولوں۔ تقدیر۔ حشر و نشر۔ پُل صراط جنت و نار پر ایمان لانا ضروری ہو جاتا ہے۔

پس میرے ایمان میں ایمان باللہ ہو ہی نہیں سکتا۔ جبتک وہ ان باتوں پر بھی ایمان نہ لاوے پھر ایمان کے بعد اسکا اثر انسان کے جوارح پر ہوتا ہے۔ جوارح سے جو امور سرزد ہوتے ہیں ان کا نام اعمال ہے۔ ان میں نماز ہے۔ روزہ ہے حج ہے اخلاق فاضلہ ہیں رذائل سے بچنا ہے۔ ایمان باللہ اور ایمان کامل کے ساتھ اعمال بھی لابد ہیں قرآن کریم سے یہ ظاہر ہوتا ہے جیساکہ فرمایا وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان اللہ تعالےٰ پر ایمان لاتا ہے تو وہ آخرت پر بھی ایمان لاتا ہے۔ یعنی اللہ پر ایمان لانا آخرت پر ایمان لانے کے لیے ضروری ہے۔ پھر اس ایمان کا اثر اعمال پر یوں پڑتا ہے کہ ایسے مومن اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں انہیں ضائع نہیں ہونے دیتے۔ پس یاد رکھو کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کا دعوےٰ کرے اور بایں نماز کا تارک ہو اور قرآن کریم کی اتباع میں سستی کرے وہ اپنے اس لا الٰہ الا اللہ کے دعویٰ میں سچا نہیں۔ جیساکہ یہ آیت ظاہر کرتی ہے۔

اس کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اقرار کے ساتھ ہمیں ضرورت پڑتی ہے کہ ہم قرآن شریف میں دیکھیں کہ آپ کس درجہ کے انسان تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بلند معلوم کرنے کے لیے مومنوں کو دو آیتیں جو ادنیٰ تعداد شہادت کی ہے سامنے رکھنی پڑتی ہیں ایک جگہ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ اور دوسری جگہ فرمایا کَانَ فَضْلُ اللّٰهِ

عَلیٰکَ عَظِیْمًا اب غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو عظمتوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک تو عظیم اخلاق پر ہونا ہی بڑا ہوتا ہے پھر جس کو اللہ بڑا بنائے اس کا خیال کرو کہ وہ بڑائی کس شان کی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ جو کامل الصفات ہستی ہے اس کی طرف سے جس کو بڑائی عطا ہو وہ بڑائی ایسی نہیں ہوسکتی جس کا وہم یا اندازہ ہوسکے۔ اور یہ بڑائی ایک تو اخلاق میں عطا کی اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے مثل اخلاق کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ پھر عظیم فضل آپ پر کیا۔ اب غور کرو کہ جس کو یہ دو عظمتیں حاصل ہوں اور فضلِ عظیم اور خلقِ عظیم والا جن کا مقتدا ہو انہیں کسی اور کی پرچھ ہی کیا ہوسکتی ہے ؟ وہ ہو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم۔

پھر جو کتاب اللہ جلشانہٗ نے اس کامل انسان صاحبِ خلقِ عظیم و فضلِ عظیم پر نازل کی اس کے لیے دو گواہیاں میں پیش کرتا ہوں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ اور پھر فرماتا ہے لَا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلَا مِنْ خَلْفِہٖ۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا آپ وعدہ فرمایا اور دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ باطل اس پر اپنا اثر نہیں کرسکتا۔ اب جس کتاب کا محافظ حق سبحانہٗ ہو اور وہ آئندہ کے لیے پیشگوئی کرتا ہے کہ اس کو باطل کرنیوالی چیز نہیں بھیجیں گے تو ہمیں سائنس کا کیا ڈر اور کسی اندرونی یا بیرونی حملے کا کیا خوف ؟

میں نے ہمیشہ یہ ظاہر کیا ہے کہ جس قدر سائنس اور دیگر علوم ترقی کریں گے اسی قدر قرآن مجید کے کمالات کا اظہار ہو گا۔ اس کتاب کو لیکر ہمیں کسی حملے سے دنیا میں رہ کر گھبرانے کی حاجت نہیں کیونکہ ہمیں یقین ہے اور تجربہ نے بتا دیا ہے کہ نہ اس میں تحریف ہوگی اور نہ یہ دنیا سے اُٹھے گی پس یہ کتاب کامل کتاب ہے۔ اور یہی خالقِ فطرت نے بتا دیا ہے تو اس پر کسی حملہ کا ڈر نہیں اور نہ گھبرانے کی حاجت ہے۔ ہاں اگر ڈر ہے تو اس بات کا کہ بعض گھروں سے نکل کر دوسرے گھروں میں چلی جائے گی۔ تو پچھلے بزرگوں کی روح کو کیسا ملال ہوگا پس خوف ہے تو یہ ہے کہ کوئی اس کی اتباع سے نہ نکل جائے۔

موجودہ حالت میں میں دیکھتا ہوں کہ کچھ امراء ہیں کچھ علماء اور سجادہ نشین ہیں اور کچھ وہ نوجوان ہیں جو قوم کے لیے کالجوں میں تعلیم پانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ جب عملی رنگ میں یہی لوگ مذہبی اُمور میں سست ہوں تو عوام مخلوق کا کیا حال ہو سکتا ہے۔ اس لیے سورۃ العصر میں نے پڑھی ہے۔ اور میرا مطلب اس میں یہ ہے کہ زمانہ جس طرح پر تیزی سے گذر رہا ہے اسی طرح ہماری عمریں تیزی سے گزر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ شریف میں جہاں انسانی عمر کے اس طرح تیزی سے گزرنے کی طرف متوجہ کیا ہے ساتھ ہی اس سورۃ میں اس کا علاج بتایا ہے کہ تمہیں زمانہ کی پروا نہیں۔ اگر ہمارا حکم مان لو اس حکم کی تعمیل سے تم زندہ جاوید ہو جاؤ گے۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ مومن بنو اور اعمال صالحہ کرو۔ دوسرے کو مومن بناؤ اور حق کی وصیت کرو۔ حق کے پہنچانے میں تکالیف سے نہ ڈرو۔ اور صبر و استقلال سے کام لو۔

اس علاج پر اگر مومن عمل کرے اور اس کو اپنا دستور العمل بنالے تو یقیناً یقیناً وہ ہمیشہ کی زندگی پالے گا۔ بہر حال یہ سورۃ العصر وہ سورۃ کریمہ ہے کہ جب صحابہ کرامؓ آپس میں ملتے تھے تو اس کو پڑھ لیا کرتے تھے۔ آج تم اور ہم بھی ملے ہیں اور نہیں معلوم آئندہ ہمیں ملنے کا موقعہ ہوگا یا نہیں اس لیے میں نے اس سنت پر عمل کرنے کی نیت سے اس سورۃ کو پڑھا ہے اور میں نے چاہا ہے کہ وصیت الحق کے طور پر تمہیں سنادوں۔ سنو! میں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہوں کہ وہ اپنی ذات میں یکتا اپنی صفات میں بے ہمتا اپنے اسماء اور افعال میں لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے ملائکہ پر ایمان رکھتا ہوں جو تمام نیک تحریکوں کے محرک ہیں اور ان پر ایمان لانے کی یہی غرض ہے کہ ہر نیک تحریک پر انسان عمل کرے۔ میں اللہ تعالیٰ کے تمام نبیوں پر ایمان رکھتا ہوں خواہ ان کا ذکر قرآن مجید میں ہے یا نہیں وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے راستباز بندے تھے۔ اور انہوں نے مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا کلام اپنے اپنے وقت پر پہنچایا۔ میں اس بات پر بھی ایمان رکھتا ہوں کہ تمام نبوتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئیں بلکہ میں اس بات پر ایمان رکھتا ہوں اور بصیرۃ اور شرح صدر کے ساتھ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نہ صرف تمام نبوتوں کے جامع اور خاتم تھے بلکہ آپ خاتم النبیین خاتم الرسل اور خاتم کمالات انسانی تھے یہ میرا یقین ہے کہ تمام انبیاء اور تمام اولیاء اور تمام انسانی کمالات کے آپ جامع اور خاتم ہیں اور اب آپ کے بعد میرا واہمہ بھی تجویز نہیں کرتا کہ کسی شخص میں ایسے کمالات ہوں۔ میں اس کے متعلق حضرت صاحب کا ایک شعر سناتا ہوں ؎

اے درانکار وشکے از شاہِ دیں
خادمان دچاکرانش را بہ بیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کے لیے جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ صحابہ کرام کیسے پاک گروہ تھے تو یہ قصہ معلوم ہوتا ہے۔ تمہارا وجود اس گاؤں میں خود گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ احمد کا غلام بننے سے کیا فضل کرتا ہے۔ اسی طرح پر میں خدا کی تقدیر حشر ونشر پُل صراط جنت و نار پر ایمان رکھتا ہوں۔ میں اب تم کو اس بات کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ میں نے لمبا خطبہ نہیں سنایا میری غرض یہ بھی ہے کہ میرے پھر تقریر کرنے تک اگر کوئی اور تمہیں تقریریں سنائیں یا باتیں بتائیں گے تو ہمارے مذہب اور معتقدات کا یہ معیار ہوگا۔ اگر اس کے موافق کوئی بات ہو تو ہماری طرف سے سمجھو اور اگر اس کے خلاف ہو تو وہ ہمارے عقائد کے مطابق نہیں۔

اسلام چونکہ حق کے اظہار کے لیے آیا ہے جیسا کہ اس سورۃ سے ظاہر ہے اس لیے میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جہاں تمہیں دین کی بہت سی باتیں پہنچائی ہیں وہاں ہم تم کو دنیا کی ایک بات سناتے ہیں۔ مگر دنیا کی نہیں ہم اسے دین ہی سمجھتے ہیں اور دین ہی سمجھ کر کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہمارے سارے دنیا کے کام بلکہ دین کے بھی سب کام امن پر

موقوف ہیں۔ اگر امن قائم نہ رہے گا تو کوئی کام نہیں ہو سکے گا۔ جس قدر امن بڑھ کر ہو گا اسی قدر حق کا ابلاغ عمدہ طور سے ہو گا۔ اس واسطے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس کے حامی رہے۔ آپ نے طوائف الملوکی میں جو مکہ معظمہ میں تھی خود دہ کر اور عیسائیوں کی سلطنت میں جو حبشہ میں تھی صحابہ کرامؓ کو رکھ کر ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہمیں کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ اس زندگی کے فرائض میں سے امن ہے اگر امن نہ ہو تو کسی طرح کا کوئی کام دین یا دنیا کا عمدگی سے نہیں کر سکتے۔ میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ امن کی کوشش کرو۔ امن کے لیے ایک تو طاقت کی ضرورت ہے جو گورنمنٹ کے پاس ہے۔ دوسرے نیک چلنی اور گورنمنٹ کی اطاعت اور وفاداری کی جو تمہارا فرض ہے میں اس امر کو کسی کی خوشامد کی غرض سے نہیں بلکہ حق پہنچانے کی غرض سے کہتا ہوں کہ امن پسند جماعت بنو تاکہ ہر قسم کی ترقیوں کا تمہیں موقع ملے۔ اور چین سے زندگی بسر کرو۔ اس کا بدلہ مخلوق سے مت مانگو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم کرو۔ اور اسی سے مانگو۔ یہ خوب یاد رکھو کہ بلا امن کے کوئی مذہب نہیں پھیلتا اور نہ پھول سکتا ہے پس تم امن کے قائم رکھنے میں ہمیشہ گورنمنٹ کا وفاداری سے ساتھ دو۔ میں اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہوں کہ حضرت صاحب کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کے اس احسان کا بدلہ اگر امن کے قائم کرنے کے لیے کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ اس کا نتیجہ ضرور دیگا۔ اور اگر خلاف ورزی کریں گے تو اس کے بد نتیجہ کا ضرور منتظر رہنا پڑے گا۔

پھر اس کے بعد ایک اور بات کہتا ہوں کہ باہم محبت کو بڑھاؤ اور بغضوں کو دُور کرو۔ اور محبت بڑھ نہیں سکتی جب تک کسی قدر تم صبر سے کام نہ لو۔ اور صبر کرنیوالے کے ساتھ آپ خدا تعالیٰ ہوتا ہے۔ اس واسطے صبر کرنیوالے کو کوئی ذلت اور تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔

{ ایک مرتبہ آپؓ بیمار ہوئے اس حالت کرب و اضطراب میں آپ نے ایک وصیت عربی زبان میں لکھی اسکا ترجمہ درج ذیل ہے۔ }

میری شہادت امانت ہے اس شخص کے لیے جو سُنے یا دیکھے اور سمجھے بعد اس کے کہ گواہ کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کو اور اس کے فرشتوں کو اور پر اُس کے۔ میں محتاج رب العٰلمین نورالدین ہوں خدا مجھ کو میرے نام کی مانند دین کا نور بنادے۔ آمین۔ تحقیق اللہ تعالیٰ امیرا رب عالم کا رب ہے۔ الرحمٰن ہے۔ الرحیم ہے۔ مالک یوم الدین ہے اور تحقیق وہ اللہ الاحد الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہٗ کفواً احد ہے۔ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد۔ الحی القیوم۔ وانہ کل شئ علیم۔ یدبر الامر من السماء الی الارض۔ القادر۔ الفعال لما یرید۔ السمیع البصیر۔ کلم اللہ موسیٰ تکلیما۔ ولہ الاسماء الحسنیٰ وھو الغنی من العالمین مستوی ہوا اوپر عرش کے ولیس کمثلہ شئ۔

احاط بکل شئی علما وخلقا ووسع کل شئی علما واحصی کل شئی عددا۔ یعلم السر واخفی۔ الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر۔ عالم الغیب والشھادۃ فتعالی عما یشرکون ہ وہ ایسا اول ہے کہ اس سے پہلے کوئی شے نہیں اور وہ ایسا آخر ہے کہ اس کے بعد کوئی شے نہیں۔ کوئی اس کی قضا کو لوٹانے والا نہیں ہے اور نہ کوئی اس کے حکم کو پیچھے ڈالنے والا ہے۔ بیدہ الخیر وھو علے کل شئی قدیر وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا۔ لا مبدل لکلماتہ ولیس بظلام للعبید۔ ولا یظلم ربک احدا وللہ الحجۃ البالغۃ ولو شاء لھدی الناس جمیعا غضب میں آتا ہے شرک وعصیاں سے رضامند اور فرحمند ہوتا ہے بندہ کی توبہ سے ولا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر اور باوجود ان باتوں کے وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ۔ اور قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ نازل ہوا بذریعہ روح الامین کے۔ ہمارے مولا اور ہمارے رسول پر جو خاتم النبیین ہیں اور اولاد آدم کے سردار اور جہان کے واسطے رحمت ہیں۔ آدمیوں کی طرف بھیجے گئے اور عام کئے گئے طرف تمام آدمیوں کی قال تعالیٰ قل یٰایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا اور نازل کیا اچھا کلام اور وعدہ کیا کہ تحقیق خدائے تعالیٰ حافظ ہے اس کے لیے جیسا کہ فرمایا انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون اور وہ ہدایت ہے اور رحمت ہے۔ شفا ہے اور روح ہے۔ فضل ہے۔ کفایت ہے اور تحقیق کافی ہوا۔

اور ملائکہ حق ہیں اور رسول حق ہیں اور کتابیں اللہ تعالیٰ کی اور وہ چیز جو پہلے نازل کی گئی حق ہیں۔ اور ہمیشہ سے ہے اللہ تعالیٰ رب۔ رحیم۔ متکلم۔ اور ہمیشہ رہے گا وخلق کل شئی فقدرہ تقدیرا۔ اور قبر اور سوال اس قبر میں اور نشر اور حشر اجساد اور حساب اور ایک فریق جنت میں اور ایک نار میں اور صراط اور شفاعت اہل کبائر کے لیے چہ جائیکہ اہل صغائر۔ اور شفاعت واسطے رفع درجات کے حق ہے جنت کی نعمتیں بھی حق ہیں اور وہ عطا غیر مجذوذ ہے۔ اور آلام نار کے حق ہیں۔ وان علیھا تسعۃ عشر۔ وان ربک فعال لما یرید۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت مسبوق بالغضب ہے تحقیق وہ ارحم الراحمین احکم الحاکمین اکرم الاکرمین ہے۔ پھر اسلام مبنی ہے اوپر پانچ چیزوں کے تشہد۔ صلوۃ۔ زکوۃ۔ صوم۔ حج اور تحقیق نماز اور سوا اس کے جیسا کہ ثابت ہوا ہے تعامل اور سنت سے اور جیسا کہ ثابت ہوا مشرحا موطا اور بخاری سے اور دیکھا ہے ان کو ہم نے مومنین میں اور یقین کیا ہے ہم نے کہ وہ طریقہ مومنین کا ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے یتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا اور تحقیق اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جیسا کہ حکم کیا ہم کو اس چیز کی اتباع کرنے کا جو کہ نازل کی ہماری طرف۔ حکم کیا ہم کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کا جیسا کہ فرمایا قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اور جیسا کہ حکم کیا خدائے تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا حکم کیا اپنے رسول کی اطاعت کا۔ اور اطاعت

اولی الامر کا پس فرمایا۔ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ اور بلکہ فرمایا اطاعت والدین کی بابت وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا۔ اور ضرور چاہیے مقدم رکھنا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اور اطاعت کتاب اللہ کا اوپر اطاعت خلق کے اور اس کے رسول کی اطاعت خاص اللہ تعالیٰ عز سلطانہ کی اطاعت ہے جیسا کہ فرمایا۔ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ اور دوست رکھتا ہوں میں اتباع کرنا گروہ سابقین اولین کا مہاجرین و انصار سے جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ پس تحقیق وہ لوگ اوّل ان شخصوں میں سے ہیں کہ مزکی ہوئے ہمارے حبیب اور ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تزکیہ کرنے سے اور خلفائے راشدون ان میں سے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ تھے یہ اور نہ کوئی ان میں کا منافق کبھی پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے توصیف بیان کی منافقین کی کہ بِاَنَّهُمْ هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا اور یہ لوگ ہیں نَالُوْا مَا هَمُّوْا۔ اور یہ لوگ مصداق ہیں خدائے تعالیٰ کے اس ارشاد کے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ۔ وَهُمُ الْغَالِبُوْنَ جیسا کہ ذکر کیا سورۂ مائدہ میں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہٗ ان میں سے ہیں اور ان کے نکاح میں آئیں بیٹی رسولؐ کی حضرت فاطمہ بتول اور دوستی ان کی ایمان ہے اور بغض انکا نفاق ہے اور وہ بھائی ہیں ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اور بمنزلہ ہارونؑ کے ہیں موسیٰ علیہ السلام سے اور انہیں صحابہ میں سے سردار ہیں حسنؓ مجتبیٰ زیادہ کر میرے قلب میں اے خدا محبت ان کی رضی اللہ عنہ پس تحقیق وہ مصداق ہیں اس حدیث شریف کے کہ صلح کرائے گا اللہ تعالیٰ بہ سبب اس کے مسلمانوں کے دو گروہوں میں۔ اور دوست رکھتا ہوں میں اُس کے بھائی حسینؓ کو جو سردار ہیں جوانانِ اھل جنت کے مقتول ہوئے بحالت غربت مظلوم۔ شہید۔ اور بغض رکھتا ہوں میں ان کے مقابلہ میں عبید ذات الخبیثہ سے پس تحقیق حال یہ ہے کہ نہیں تعریف کی اس کی کسی نے بھلائی کے ساتھ بلکہ شاکی اس کی شرارت کے اور دوست رکھتا ہوں میں عشرہ مبشرہ کو۔ اور دوست رکھتا ہوں میں اصحابِ بدر کو۔ اور دوست رکھتا ہوں میں اصحاب بیعت الرضوان کو اور جو شخص کہ مقتول ہوا جنگِ اُحد میں اور تمام ان شخصوں کو کہ جن کی بشارت دی ہمارے سردار صلعم نے اور پڑھا ہے ہم نے ان کو صحاح میں بلکہ دوست رکھتا ہوں میں اس شخص کو بھی کہ جو اسلام لایا آپؐ کے ہاتھ پر کہ جو کریم ہے اور مر گیا اوپر اسلام کے مثلاً معاویہؓ۔ مغیرہؓ ابنِ شعبہؓ۔ نہیں جھوٹ بولا ان میں سے کسی نے امر دین میں رسولِ اکرمؐ سے اور نہیں تھا اُن میں سے کوئی بہرا۔ اور چھوڑ دیا میں نے جب سے ہوش سنبھالا روافض شیعہ۔ خوارج۔ معتزلہ کو۔ اور ایسے مقلد جامد کو جو چھوڑنے والے ہیں نصوص قرآن و سنّت کو اور احادیث صحیحہ ثابتہ کو واسطے ایک شخص کے قول کے۔ والحمد للہ رب العٰلمین اور باوجود ان باتوں کے دوست رکھتا ہوں میں ابو حنیفہؒ۔ مالکؒ۔ شافعیؒ۔ احمدؒ۔

محمد اسمٰعیل بخاری اور اصحاب سنن فقہا اور محدثین کو رحم کرے اللہ تعالیٰ اُن پر اور تعظیم کرتا ہوں میں اس چیز کی جو انکے اوپر ہے۔ اور ان کی اتباع کرنے کو دوست رکھتا ہوں پس تحقیق وہی لوگ سردار ہیں اور ثنا کرتا ہوں میں اُوپر ان کے بہتری کی اور محتاج ہوں میں اُن کی تحقیقات کی طرف اور باوجود اس کے مقدم کرتا ہوں میں جس شخص کو مقدم کیا اللہ تعالےٰ نے اس کے رسول نے اور اعتقاد رکھتا ہوں میں یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کے اپنی طرف رفع کرنے سے پہلے وفات دی جیساکہ وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ اور نہیں قتل ہوئے اور نہیں صلیب دیئے گئے اور ثابت ہوا رفع ان کا بہ سبب دلیل قول اللہ تعالیٰ کے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ اور مقدم کیا اس پاک ذات اللہ جل شانہٗ نے اپنے وعدہ میں ان کی وفات کو جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مقدم کیا ہے ہم بھی مقدم کرتے ہیں جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مؤخر کیا ہم بھی مؤخر کرتے ہیں۔ پھر اللہ جلشانہٗ نے جَعَلَ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ پس گذر گئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی جس طرح کہ گذر گئے رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اور یہ بات کہ حضرت عیسیٰ بن مریم جو کہ اترنیوالے ہیں اُترے صلوٰۃ اللہ کی اوپر ان کے اور سلام۔ پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہمارے لیے قرآن شریف کی سورۂ نور میں کہ اللہ تعالےٰ خلیفہ کریگا اس شخص کو جو خلیفہ ہوگا ہم سے اور تصریح فرمائی ہے ہمارے رسولؐ نے جو کہ سردار ہیں اوّلین اور آخرین کے اور سردار ہیں اولاد آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہ تحقیق امام ہوگا تمہارا تم میں سے نازل ہونیوالا۔ اور شہادت دی اللہ جل شانہٗ اور اس کے ملائکہ نے اور صاحب علم نے کہ تحقیق وہ وہی ہے۔ اور شہادت دی شمس و قمر نے کہ تحقیق وہ مہدی ہے اور طاعون اور جدب اور قتال نے کہ تحقیق وہ مرسل ہیں جیساکہ فرمایا وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ اور فائز ہونا اس کا اور فلاح پانا اس کا مقابلہ میں مخالفوں کے آریہ۔ براہمہ۔ نصاریٰ۔ سکھ۔ علما اور متصوفین اور حکام اور اقارب اس کے اور بنی عم اس کے بیکبارگی ہیم اس طرح کہ وہ وہی مطاع ہے اور پائیگا تو اس کو اور نصرت اس کی کو کہ تحقیق وہ اوپر حق کے ہے تم کلامہ

اس مقدمہ میں میں نے جو جو کچھ لکھنا چاہا تھا نیز سلسلہ ترتیب جس تفصیل

کا مقتضی ہے گنجائش اوراق اس کیلئے قلیل اور لکھنے کی قابل

باتیں بہت طویل ہیں۔ لہٰذا یہاں تک پہنچ کر

مقدمہ گویا بیچ ہی میں چھوڑتا ہوں

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار ؎ گلچین بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

(مؤلف)

الٰہی غنچہ ذکرِ خفی گرداں دہانم را
مکن گویا بحرفے جز ثنائے خود زبانم را

نہالِ معرفت در جویبارِ خاطرم بنشاں
معطر کن چو نخل از بوئے وحدت مغزِ جانم را

مکن دستِ ادب را کوتہ از من گاہِ نزدیکی
چو نے ہنگامِ دوریہا رسائی دہ زبانم را

دریں غفلت سرا از شہرتِ بسیار گم نامم
بلند آوازہ گرداں چوں قیامت داستانم را

بمژگانِ سیہ چشماں گرہ از کارِ من بکشا
بہ بند از تارِ زلفِ عنبریں مویاں میانم را

نمیخواہم کہ در عالم دلے از من غمیں باشد
زفیضِ دوستی آگاہ گرداں دشمنانم را

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

نور دین اعظم سنہ ۱۳۳۱ھ

طفلی و عنفوان شباب

سنہ ۱۲۵۸ھ یا سنہ ۱۸۴۱ء یا سمت ۹۸ کے قریب میرا تولّد کا زمانہ ہے۔ ابتدا میں مَیں نے اپنی ماں کی گود میں قرآن کریم پڑھا ہے اور انہیں سے پنجابی زبان میں فقہ کی کتابیں پڑھیں اور سُنیں۔ کچھ حصّہ قرآن شریف کا والد صاحب سے بھی پڑھا۔ مگر وہ عدیم الفرصت تھے پھر مجھے بہ سبب ان تعلّقات کے۔ جو لاہور میں تھے (اور وہ یہ تھے کہ ہمارا ایک مطبع قادری نام کابلی مل کی حویلی میں تھا) سنہ ۷ھ کے قریب لاہور میں آنا پڑا۔ یہاں آکر مجھے خناق کا مرض ہوا اور حکیم غلام دستگیر لاہوری ساکن سید مٹھہ (جن کا تعلق میرے بھائیوں سے بہت تھا اور میرے بھائی طب میں ان کے شاگرد بھی تھے) میرا علاج کرتے تھے۔ اُس وقت اگرچہ طبی تعلیم کی تحریک میرے دل میں پیدا ہوئی مگر میرے بھائی صاحب نے مجھے منشی محمد قاسم کشمیری کے پاس فارسی کی تکمیل کے لیے سپرد کیا۔ اُنہوں نے مجھ پر بہت محنت کی۔ بڑی مہربانی سے رزم اور بزم اور بہاریہ مضامین لکھ دیتے اور مجھ سے لکھواتے۔ مرزا امام ویری کے سپرد اس لیے کیا کہ مَیں خوشخطی سیکھوں۔ مگر مجھ کو فارسی زبان سے کوئی دلچسپی پیدا نہ ہوئی اور مَیں افسوس کرتا ہوں کہ مجھے ایک بڑا وقت ایسی زبان کے سیکھنے میں خرچ کرنا پڑا جس کے ساتھ بلحاظ دین اور ضرورت سلطنت مجھ کو کچھ بھی دلچسپی نہ تھی۔ مگر اس میں میرے بھائیوں کا بھی قصور نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اُس وقت کی موجودہ حالت کسی جدید تحریک کا باعث بن ہی نہیں سکتی تھی۔ خوشخطی کے لیے ا۔ب۔ ج۔ د کا لکھنا مہینوں کا سفر تھا۔ اور چونکہ میرے دماغ کو ہاتھ سے کسب کرنیکی بناوٹ نہیں بخشی گئی تھی مَیں اس فن سے بھی کورا کا کورا رہا۔ رسائل طغرا کے عجیب در عجیب نکات

اور امام ویروی صاحب کے بے نظیر قطعات اُس عمر میں میری دلچسپی کا باعث نہ تھے۔ مرزا امام ویروی صاحب مُہر کنی کے کسب میں بھی کمال رکھتے تھے مگر مجھے اس سے بھی محروم رہنا پڑا۔ یہ میرے دونوں اُستاد شیعہ مذہب کے پابند تھے مگر مباحثات سے ان دونوں بزرگوں کا تعلق کم تھا۔ مجھے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ شیعہ مذہب سے میں آگاہ ہو گیا۔ پس اس محنت کا اگر کوئی نتیجہ سمجھا جائے تو صرف یہ تھا کہ میرے معلومات میں شیعہ مذہب کے جاننے کی ترقی ہوئی۔ اُسی زمانہ میں حکیم الٰہ دین لاہوری سے نیاز حاصل ہوا مگر فارسی اور خوشخطی کے شغل نے موقع نہ دیا کہ کوئی استفادہ حاصل کرتا۔ ۱۲۷۰ھ میں مجھ کو وطن آنا پڑا اور میاں حاجی شرف الدین فارسی کے اُستاد مقرر کیے گئے مگر دلچسپی کے نہ ہونے نے یہ فائدہ پہنچایا کہ مجھے سبق یاد کرنے کی محنت سے بچا لیا اور میرے قویٰ خوب مضبوط رہے۔ غالباً اس وقت اگر کوئی محنت کا علم پڑھتا تو میرے دماغ کو تکلیف ہوتی اس لیے اس کا بھی شکر ہی ادا کرتا ہوں۔ تھوڑے عرصہ کے بعد میرے بھائی سلطان احمد صاحب بھیرہ میں تشریف لائے اور اُنہوں نے باضابطہ عربی کی تعلیم دینی شروع کی۔ خدائے تعالیٰ ان کا بھلا کرے کہ اُنہوں نے صرف میں بناؤں اور تعلیلات کا گورکھ دھندا میرے سامنے نہ رکھا۔ بہت سادہ طور پر تعلیم شروع کی جو میرے لیے مفید اور دلچسپ ثابت ہوئی۔ مَیں نے بہت ہی جلد یہ رسائل پڑھ لیے۔ جناب الٰہی کے انعامات میں سے یہ بات تھی کہ ایک شخص غدر میں کلکتہ کے تاجر کتب جو مجاہدین کے پاس اس زمانہ میں روپیہ لیجایا کرتے تھے ہمارے مکان میں اُترے اُنہوں نے ترجمہ قرآن کی طرف یا یہ کہنا چاہیے کہ اس گراں بہا جواہرات کی کان کی طرف مجھے متوجہ کیا جس کے باعث مَیں اس بڑھاپے میں نہایت شادمانہ زندگی بسر کرتا ہوں۔ وذٰلک فضل اللہ علینا وعلی الناس واکثر الناس لا یعلمون۔ یہ تو کلکتہ کے تاجر سے فائدہ ہوا پھر ایک بمبئی سے تاجر آیا جس نے تقویۃ الایمان اور مشارق الانوار کی سپارش کی کہ مَیں ان دونوں کتابوں کو پڑھوں اُردو زبان مجھے نہایت پسند تھی اور میری دل لگی کا موجب۔ اس لیے مَیں نے ان دونوں کو خوب پڑھا اور تھوڑے دنوں کے بعد لاہور آ گیا۔ عربی تو پڑھتا ہی تھا حکیم الٰہ دین صاحب لاہوری مقیم گمٹی بازار میرے اُستاد مقرر ہوئے اور وہ مجھے موجز پڑھاتے تھے۔ عربی عبارات نہایت صحیح پڑھانا اور تلفظ میں بڑی احتیاط کرنا یہ ان کو ہمیشہ مدِّنظر تھا۔ چند روز کے بعد مجھ کو بھیرہ آنا پڑا اور اس دلچسپ علم کے درس سے محروم ہوا۔ یہاں سے ایک خاص تقریب کے باعث مجھے راولپنڈی جانا پڑا اور نارمل سکول کی تعلیم میرے ذمہ لگائی گئی غالباً یہ ۱۲۸۰ھ کا ذکر ہے میری عمر اس وقت اٹھارہ برس کے قریب قریب ہو چکی تھی۔ منشی محمد قاسم کی تعلیم کی قدر اس وقت معلوم ہوئی کیونکہ نارمل سکول میں سہ نثر ظہوری اور ابوالفضل کے پڑھنے میں مَیں مدرسہ میں طلباء کا سرتاج تھا۔ مولوی سکندر علی نام ہیڈ ماسٹر اتنے خوش ہوئے کہ میری حاضری کو بھی معاف کر دیا۔ اس غیر حاضری میں

مجھے یہ فائدہ ہوا کہ حساب اور جغرافیہ پڑھنے کے لیے میں نے ایک آدمی کو نوکر رکھ لیا۔ اور بجائے اس ذہاب و ایاب کے جو مدرسہ کے جانے میں ہوتا تھا میرا وقت اقلیدس اور حساب اور جغرافیہ کے لیے بچ جاتا تھا کیونکہ نارمل سکول ہمارے مکان سے دو تین میل پر تھا۔ تقسیم کسور مرکب کے لیے میں نے شیخ غلام نبی صاحب نام ہیڈ ماسٹر لون میانی کو ٹھیکہ دار بنایا اور وہی میں نے سب سے پہلے سیکھنی چاہی۔ اس کا سیکھنا تھا کہ سارے مبادی الحساب ہر چہار حصص کے پڑھانے میں آخر کو ہم شیخ صاحب کے اُستاد بھی ہو گئے۔ اقلیدس کے لیے منشی نہال چند ساکن ضلع شاہپور کو منتخب کیا انہوں نے مجھے نہایت محبت سے پہلے مقالہ کی چند شکلیں پڑھائیں پھر مجھ میں محض خدائے تعالیٰ کے فضل سے سارے تعلیمی حصّہ کو خود بخود پڑھنے کا فہم پیدا ہو گیا اور میں ایک امتحان میں جس کو تحصیلی امتحان کہتے تھے ایسا کامیاب ہوا کہ پنڈ دادنخاں کا ہیڈ ماسٹر ہو گیا۔ منشی محمد قاسم صاحب کی تعلیم اسوقت میرے لیے بڑی مفید ہوئی کیونکہ پنڈ دادنخاں میں فارسی مدرس میری مخالفت کے لیے اپنے شاگردوں کو امتحاناً بھیجا کرتے تھے اور فارسی کی معمولی باتوں کو نہایت عظمت کی نگاہ سے دیکھ کر مجھ سے پوچھتے تھے اور میں خوش ہوتا تھا۔ عربی کی تعلیم میرے بھائی صاحب نے میری ہیڈ ماسٹری کے وقت پھر شروع کرادی اور میں الفیہ اور منطق کے رسائل اور شرح عقائد وہاں پڑھ چکا تھا لیکن آخر چار برس کے بعد وہ نوکری کا تعلق خدائے تعالیٰ کے محض فضل سے ٹوٹا اور میرے والد صاحب نے مجھ کو تعلیم عربی کی تکمیل کے لیے تاکید فرمائی۔ مولوی احمد الدین صاحب جو بگے والے قاضی صاحب کے نام سے مشہور تھے میرے اُستاد ہوئے وہ میرے بھائیوں کے بھی اُستاد تھے مگر ان کو جامع مسجد کے بنانے کی ایسی فکر لگی ہوئی تھی کہ ایک جگہ ٹھہرنا ان کے لیے محال تھا۔ میں ایک سال ان کے ہمراہ سفر اور حضر میں رہا اور عربی زبان کی معمولی درسی کتابیں نہایت تکلیف سے پڑھیں اور تنگ آ کر اپنے بھائی مولوی سلطان احمد صاحب سے کہا۔ وہ مجھے لاہور میں لائے اور حکیم محمد بخش اور چند اور اساتذہ کے سپرد کر کے بھیرہ تشریف لے گئے یہاں اب ہمارا مطبع کا تعلق کوئی نہ تھا۔ بھائی صاحب کے جاتے ہی ایک طالب علم کی ترغیب سے ہندوستان کو چلا گیا اور بمقام رامپور رہیلکھنڈ پڑھنا اختیار کیا۔

رامپور اور لکھنؤ

ہم تین آدمی تھے ایک کا نام مولوی محمد مصطفیٰ تھا۔ ایک مولوی علاؤ الدین اور ایک میں خود تھا۔ ہم نے سفر میں پہلے یہ تجویز سوچی کہ ایک کو امیر بنانا چاہیے اور سفر کے اصل مقصد کو مدّنظر رکھ کر باقیوں کو اُس کی رائے کی پابندی اور فرمانبرداری چاہیے۔ یہ قرار پایا کہ ایک شہر میں تین برس تک رہیں (کیونکہ عربی علوم پڑھنے کے لیے یہ مدت کافی سے بھی زیادہ تھی) اور ایسے شہر میں رہیں جس میں صرف دو تین عالم نہیں بلکہ بہت زیادہ عالم ہوں تاکہ مختلف علوم میں کافی اور بآسانی آگاہی ہو سکے [illegible] رستہ میں پڑا جب وہاں پہنچے تو مولوی

نورالحسن ایک پاک صورت معمورالاوقات مجھے ملے۔ اُنہوں نے مجھ کو رہنے کے واسطے کہا مگر میں نے اس خیال سے کہ ہمارا اصل ارادہ اب رامپور کا ہو چکا ہے وہاں ٹھہرنا پسند نہ کیا۔ میں مولوی نورالحسن کے لیے دعا کرتا ہوں کیونکہ انہوں نے بہت ہی محبت و اخلاص سے فرمایا جو فرمایا۔ سفر بلا رئیس کے بہتر نہیں۔ خدا جانے مسلمانوں نے کیوں اس کی پروا کم کر دی ہے۔ ہم رامپور کی ایک ایسی ویران مسجد میں جو کچھ بڑی نہ تھی تینوں جا ٹھہرے۔ جب کھانے کا وقت آیا تو ایک لڑکی ہم تین آدمیوں کی روٹیاں لائی۔ اُس لڑکی کی عمر غالباً سات آٹھ سال کے درمیان تھی۔ کھانا کھا کر ہم شہر میں علماء کی جستجو میں پھرتے رہے شام کا وقت آیا تو اسی لڑکی نے پھر کھانا لا کر دیا۔ دُوسرے دن دوپہر کو بھی بدستور لائی اور شام کو بھی۔ پھر تیسرے دن اِدھر روٹی دی اُدھر یہ کہا کہ میری اماں کہتی ہیں کہ آپ دُعا کریں کہ میرا خاوند میری طرف توجّہ کرے۔ میں اس کے خاوند کا نام جانتا ہوں۔ میں اس کے خاوند کے پاس پہنچا اور بقدر اپنی اس طاقت کے جو مجھ کو حاصل تھی اس کو خوب وعظ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس شخص نے اپنی بیوی کو رعایت سے بلایا اور مجھ کو جنابِ الٰہی کے حضور شکر کا موقع ملا۔ اُسی دن شام کے قریب میں اکیلا پنجابیوں کے محلہ کی ایک گلی میں ہو کر گزرا وہاں ایک شخص حافظ عبدالحق راستہ میں مجھ کو ملے۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ میری مسجد میں آ کر رہیں۔ میں نے کہا میں اکیلا نہیں ہوں ہم تین آدمی ہیں۔ انہوں نے تینوں کی ذمہ داری اُٹھائی۔ تب میں نے کہا کہ ہم پڑھنے کے لیے آئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم لوگوں کے گھر روٹیاں مانگتے پھریں اُنہوں نے کہا ایسا نہ ہوگا۔ پھر میں نے کہا کہ ایسا نہ ہو کہ آپ محلّہ کے لڑکے ہمارے سپرد کر دیں۔ انہوں نے کہا یہ بھی نہ ہوگا۔ پھر میں نے کہا ہم کو کتابوں اور اُستادوں کی فکر ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ میں مدد دوں گا فجزاہ اللہ خیرا۔ انہوں نے ایک سال اپنے اس معاہدہ پر بڑی عمدگی سے گذارا رحمہ اللہ تعالیٰ بلکہ جن دنوں میں دوبارہ ایک سال حکیم علی حسین صاحب کی خدمت میں رہا تو اُن دنوں بھی حافظ عبدالحق صاحب اور اس محلہ کے لوگ میرے ساتھ بدستور مروّت کرتے رہے۔ میں اُن کے اور ان کی اولاد کے لیے دُعا کرتا ہوں۔ ابتدائے ورود رامپور میں مجھے یہ فکر تھی کہ میرا پچھلا پڑھا ہوا یہاں آ کر مفید ہوگا یا نہ ہوگا اور اب مجھے کہاں سے شروع کرنا چاہیے اس لیے میں فکرمند ہی رہتا تھا جو صاحب ہمیں ترغیب دیکر لائے تھے وہ تو اس بیکاری سے تنگ آ کر رامپور چھوڑ کر خلاف وعدہ چلے گئے اور تعجب ہے کہ ہم سے اُنہوں نے پوچھا بھی نہیں۔ اس لیے ہم دو ہی رہ گئے۔ ان دنوں میں طالبعلموں میں پھرا کرتا تھا۔ اتفاقاً ایک دن دیکھتا ہوں کہ بہت سے طالب علم ایک جگہ آپس میں مباحثہ کر رہے ہیں۔ جس سوال پر جھگڑا تھا میں نے اس پر بہت غور کیا تو ایک ایسا جواب میرے خیال میں آیا جس کو میں یقیناً کافی جواب سمجھتا تھا۔ وہ سوال اور جواب دل میں رکھ کر میں نے سوچا کہ اگر آج ہم اس سوال اور جواب میں جیت گئے تو اس وقت تک کا پڑھا بابرکت ثابت ہو گیا نہیں تو ہمیں اب

کیا ڈر ہے انہیں میں سے جو لائق طالبعلم ہے اُس کو اُستادی کے لیے پسند کر لیں گے۔ مَیں نے بلند آواز سے کہا کہ مَیں اس سوال کا جواب دیتا ہوں اس پر بہت سے طالبعلموں نے ہنسی اُڑائی۔ مگر پنجابی طالب علم میرے طرفدار ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ پہلے امتحان لیا جائے کہ اس نے سوال کو سمجھا ہے یا نہیں اگر سوال سمجھا ہے تو اس کے جواب کو بھی توجہ اور قدر سے سُنا جائے کیونکہ مباحثہ تو ہو ہی رہا ہے۔ اس پر وہ مباحثہ کسی قدر ٹھنڈا ہوا۔ مَیں نے کہا کہ کوئی بڑا نحوی حکم مقرر کرو۔ ایک بزرگ مولوی غلام نبی صاحب کو سب نے تسلیم کیا کہ وہ نحو کے پورے ماہر ہیں۔ ہم سب اُٹھے ہوئے ان کی خدمت میں چلے گئے۔ مَیں نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر وہی بڑے عالم ہیں تو انہیں کو اُستاد بنا لیں گے۔ مولوی غلام نبی صاحب نہایت خوبصورت سفید ریش باوقار آدمی تھے۔ مَیں نے دیکھا کہ انہوں نے کچھ حقارت کے لہجے میں فرمایا کہ تم لوگ کس طرح آئے۔ مَیں نے بڑھ کر کہا کہ ایک سوال ہے اور اس کا جواب ہے آپ کو حکم بنانا چاہتے ہیں۔ اُنہوں نے بیٹھنے کی اجازت دی وہ سوال اور اس کا جواب مجھ سے سُن کر کہا کہ مولوی جی! (مجھ کو اُس وقت اپنے متعلق "مولوی جی" سُننے سے بھی بہت خوشی ہوئی کہ میرا پچھلا پڑھا ہوا ضائع نہیں ہوا۔ حالانکہ مَیں نے شرح جامی نہیں پڑھی تھی الفیہ اس کے بدلہ میں پڑھا تھا) یہ سوال عبدالرحمٰن میں جو جامی کا حاشیہ ہے لکھا ہے اور اس میں اس سوال کے دو جواب بھی دیئے ہیں۔ پھر وہ دونوں جواب بھی سنائے۔ مگر وہ جواب بہت ہی کمزور تھے جنکے متعلق مولوی صاحب نے خود فرمایا کہ یہ بہت کمزور ہیں اور آپ کا جواب بہت صحیح ہے اور یہ لوگ تو آپ سے کبھی نہ مانتے جبتک یہی جواب نہ سنتے جو کتاب میں لکھے ہوئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سوچکر جواب دیا ہے۔ مجھ کو مولوی صاحب کی تقریر سے خوشی ہوئی اور مَیں نے فیصلہ کر لیا کہ اب شرح جامی تک کی کتابیں میں نہیں پڑھوں گا۔ اس واسطے ملاحسن۔ مشکوٰۃ۔ اصول شاشی۔ شرح وقایہ اور میبذی مختلف اُستادوں سے شروع کیں۔ میبذی پڑھنے میں مجھ کو بہت ہی تعجب ہوا کرتا تھا کیونکہ جس چیز کو مَیں نہیں سمجھتا تھا اُس کو ہمارے اُستاد بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اس واسطے جتنی کراہت ممکن تھی میرے دل میں اس کتاب کی نسبت پیدا ہو گئی۔ یہاں آکر مجھے اتنا افسوس ہوا کرتا ہے کہ اگر ہندوستان کے مسلمان تعلیمی درسی کتابیں سوچ سمجھ کر مقرر کیا کریں اور پھر ان کے امتحان بھی ہوا کریں اور اس بات کو ملحوظ رکھا جائے کہ طالب علم دین و دنیا دونوں میں ترقی کر سکیں تو قوم پر کتنا بڑا احسان ہو۔ الگ الگ درسگاہیں بڑی دقت میں ڈالتی ہیں۔ سب سے بڑی دقت جو مجھ کو محسوس ہوئی یہ ہے کہ نہ تو اُستاد صلاح دیتے ہیں کہ کیا پڑھنا چاہیے اور نہ طالب علم اپنے حسب منشاء آزادی کے ساتھ اپنے اُن قویٰ کے متعلق جو خدائے تعالیٰ نے عطا کیے ہیں کسی کتاب کے انتخاب کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ نیز اخلاق فاضلہ کی تعلیم و تاکید نہیں ہوتی۔ مَیں اپنی تحقیق سے کہتا ہوں کہ اُس زمانہ میں کسی اُستاد میں یہ بات نہ دیکھی۔ ان باتوں کا رنج

مجھے اب تک بھی ہے۔ کس قدر رنج ہوتا ہے جبکہ میں غور کرتا ہوں کہ اسوقت ہمارے افعال۔ اقوال۔ عادات۔ اخلاق پر کبھی ہمارے معلّموں میں سے کسی نے نوٹس نہ لیا۔ بلکہ عقائد کے متعلق بھی کبھی کچھ نہ کہا۔ مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ مشکوٰۃ میں ہی ہمارے اخلاق پر توجہ دلائی گئی ہو۔

رامپور میں تین باتیں بڑی قابلِ غور ہیں ایک یہ کہ شاہ جی عبدالرزاق صاحب ایک بزرگ تھے میں ان کی خدمت میں اکثر جایا کرتا تھا۔ ایک زمانہ میں مجھ سے سُستی ہوئی اور کچھ دنوں کے بعد ان کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے فرمایا کہ نورالدین تم بہت دنوں میں آئے ابتک کہاں تھے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت ہم طالبعلموں کو اپنے درس تدریس کے اشغال سے فرصت بھی کم ہی ملتی ہے۔ کچھ مجھ سے سُستی بھی ہوئی۔ فرمانے لگے کبھی تم نے قصاب کی دوکان بھی دیکھی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں اکثر اتفاق ہوا ہے۔ فرمایا تم نے دیکھا ہوگا کہ گوشت کاٹتے کاٹتے جب اس کی چھریاں کند ہو جاتی ہیں تو وہ دونوں چھریاں لیکر ایک دُوسرے سے رگڑتا ہے چھریوں کی دھار پر جو چربی جم جاتی ہے اس طرح رگڑنے سے وہ دور ہو کر چھریاں پھر تیز ہو جاتی ہیں اور قصاب پھر گوشت کاٹنے لگتا ہے اور اسی طرح تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد چھریوں کو آپس میں رگڑ کر تیز کرتا رہتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں حضرت یہ سب کچھ دیکھا ہے مگر آپ کا اس سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا کچھ ہم پر غفلت کی چربی چھا جاتی ہے کچھ تم پر۔ جب تم آجاتے ہو تو کچھ تمہاری غفلت دُور ہو جاتی ہے کچھ ہماری۔ اور اس طرح دونوں تیز ہو جاتے ہیں۔ پس ہم سے ملتے رہا کرو اور زیادہ عرصہ جُدائی اور دُوری میں نہ گزارا کرو۔ ان کی اس بات نے مجھے بہت ہی بڑے بڑے فائدے پہنچائے اور ہمیشہ مجھ کو یہ خواہش رہی کہ نیک لوگوں کے پاس آدمی کو جا کر ضرور بیٹھنا چاہیے۔ اس سے بڑی بڑی سُستیاں دُور ہو جاتی ہیں۔

دُوسری بات جو رامپور میں بڑی عجیب نظر آئی یہ تھی کہ ایک طالب علم میرے دوست تھے۔ وہ پڑھنے میں کچھ سُست ہو گئے۔ میں نے ان سے وجہ دریافت کی تو کہا کہ میں ایک حسین لڑکے پر عاشق ہو گیا ہوں۔ بدوں اس کے دیکھے دل بیتاب رہتا ہے اور اس کی ملاقات کسی طرح میسّر نہیں ہو سکتی اس لیے پڑھا نہیں جاتا۔ میں یہ سُن کر بہت دلیری کر کے اُٹھا ہوا اس لڑکے کے پاس چلا گیا اپنے دوست کو بھی ہمراہ لے گیا۔ اور اس لڑکے سے کہا کہ یہ ہمارے دوست ہیں آپ پر عاشق ہو گئے ہیں اس لیے ان سے پڑھنے میں محنت نہیں ہوتی اور میری یہ خواہش ہے کہ ان کے پڑھنے کا حرج نہ ہو لہٰذا میں ان کی سفارش کرتا ہوں کہ یہ عصر کے بعد آپ کے پاس آجایا کریں گے اور شام تک آپ کی دوکان پر بیٹھ کر مغرب کے وقت اُٹھ کر چلے جایا کریں گے آپ میری سفارش سے اس بات کو منظور کر لیں۔ میری اس جرأت پر اس شریف لڑکے کو بڑا ہی تعجب ہوا اور پھر کہا کہ بہت اچھا آجایا کریں اس سے معلوم ہوا کہ جو

شخص لِلّٰہ فی اللہ کوئی کام کرتا ہے خدائے تعالیٰ اُس میں ضرور برکت دیتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ مجھے کتابوں کا بہت شوق تھا ایک بزرگ شاہ صاحب میری کتابیں لکھا کرتے تھے اور وہ شاہ صاحب کتابت میں بہت کچھ کماتے تھے مگر سب کیمیا میں لگا دیتے تھے۔ ایک مرتبہ اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ دس روپیہ مجھ کو دیدیں اور میں آئندہ کتاب نہ لکھوں گا۔ بلکہ نقد روپیہ آپ کو ادا کر دوں گا۔ میں نے کہا کیوں؟ کہا کہ میں اٹھارہ برس کا تھا تب سے مجھ کو کیمیا کے نسخوں کا شوق ہے۔ میں کیمیا کے معاملات میں خوب تجربہ کار ہوں۔ اب مجھ کو کیمیا کا اصل نسخہ مل گیا ہے چاندی بناؤں گا اور آپ کے روپے ادا کر دوں گا۔ میں نے ان کو دس روپے دیدیئے مگر بہت دنوں تک شاہ صاحب ملے نہیں۔ ایک روز میں اس مسجد میں چلا گیا جہاں وہ امامت کرتے تھے مگر وہ مسجد میں نظر نہ آئے جس حجرہ میں وہ رہتے تھے اس کو دیکھا تو دروازہ بند ہے۔ اندر سے زنجیر لگی ہوئی ہے آواز دی مگر اندر سے جواب نہ آیا دروازہ کو کھٹکھٹایا یا دھکا دیا۔ کواڑ کچھ کمزور سے تھے۔ دروازہ کھُل گیا۔ شاہ صاحب چارپائی پر بیٹھے تھے مجھ کو دیکھ کر چونک پڑے۔ مجھ سے کہنے لگے دیکھئے ہم نے کیمیا تو بنائی تھی یہ کہہ کر ایک مٹی کا برتن اُٹھا لائے اس میں جلی ہوئی کوئی چیز تھی کچھ ذرات سے بھی چمکتے تھے کہا چاندی تو بننے ہی لگی تھی مگر ہم نے کچھ سُستی کی اچھی طرح برتن کو بند نہیں کیا تھا۔ خیر اب تو کتاب لکھے دیتا ہوں مگر آئندہ نہ لکھوں گا۔ مجھ کو کیمیا گری سے بڑی ہی نفرت ہوگئی۔ اُس سے پہلے میں راولپنڈی سے بھیرہ کو آتا تھا۔ ایک مسجد میں میں نے نماز پڑھی۔ وہاں دو آدمی سکندر نامہ کے کسی شعر پر اُلجھے ہوئے تھے میں نے نماز پڑھ کر اُن کا فیصلہ کیا اور شعر کے کچھ معنے بتائے جس کو وہ دونوں مان گئے۔ ان میں ایک نوجوان ہمارے گھر چلا آیا اور پڑھنا شروع کیا۔ وہ ہمارے گھر رہتا تھا اور پڑھتا تھا۔ عربی میں بھی اس کی اچھی استعداد ہوگئی تھی۔ بہت دنوں کے بعد اس کے دادا آئے ہم نے ان کی مناسب مدارت کی۔ اُنہوں نے بڑا شکریہ ادا کیا اور کہا "کہ آپ نے ہمارے ساتھ بڑا سلوک کیا اور میرے پوتے کو عالم بنا دیا۔ میں اس کے عوض میں آپ کو کیمیا سکھاتا ہوں۔" مجھ کو چونکہ اپنے والد صاحب سے بہت ہی محبت تھی اور کوئی بات بھی ان سے نہیں چھپاتا تھا۔ میں نے جاکر والد صاحب سے عرض کیا کہ اس لڑکے پر واقعی ہم نے بڑا احسان کیا ہے۔ اب اس کے دادا صاحب آئے ہیں وہ مجھ سے کہتے ہیں کہ میں کیمیا بتائے دیتا ہوں آپ کا اس میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس لڑکے کے دادا سے کہو کہ بہتر یہ ہے کہ آپ ہم کو دس ہزار روپیہ بنا کر دے دیں کیمیا کے سیکھنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے ایسے ہی اُن سے کہہ دیا۔ وہ تو چلے گئے بعد میں ان کے پوتے نے کہا کہ "یہ تو ٹھگ آدمی ہے" خدائے تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے کیمیا کی خواہش سے مجھ کو بچایا۔ میرے قلب کے کسی گوشہ میں کبھی کیمیا کی کوئی خواہش نہیں ہوئی۔

شاید یہ بات بھی کسی کو مفید ہو کہ اس زمانہ میں رامپور میں میاں سبحان شاہ رہتے تھے۔ میرا ایک بہت پیارا دوست ان کے پاس گیا اور ان کی خدمت میں کچھ عرض کیا۔ میاں سبحان شاہ نے اس کی بات کو ہنسی میں ٹلا دیا۔ میرا دوست کسی قدر شوخ تھا کھڑا ہو گیا۔ میاں صاحب نے کہا آپ جاتے تو ہیں مگر آپ تو پھر بھی ہمارے یہاں آ ہی جائیں گے۔ اُس نے غلیظ قسم کھائی کہ میں آپ کے یہاں ہرگز نہ آؤنگا۔ لیکن جب وہ مکان پر آیا تو اس کو معلوم ہوا کہ اس کے گلے میں کوئی رسّہ ڈالا گیا ہے اور زور سے کوئی کھینچتا ہے۔ چنانچہ وہ مجبوراً اٹھ کر کھچا چلا جاتا تھا۔ راستہ میں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتا تھا مگر سبحان شاہ کے مکان کی طرف چلا جاتا تھا۔ پھر اس نے بڑے الحاح سے دُعا مانگی۔ یہانتک کہ وہ رسّہ ٹوٹ گیا اور وہ راستہ ہی سے اپنے مکان کو واپس چلا آیا۔ بہت دنوں کے بعد اپنی مرضی سے بلا کسی جبر کے وہ سبحان شاہ کے مکان پر گیا۔ انہوں نے دیکھتے ہی کہا چلے جاؤ اور یہ چلا آیا مگر یہ کہتا ہوا آیا کہ آپ کا رسّہ تو ہم نے توڑ ہی دیا۔ یہ وہاں کے عجائبات میں سے ایک بات ہے۔

رامپور میں مشکوٰۃ میں نے حسن شاہ صاحب سے پڑھی۔ شرح وقایہ مولوی عزیز اللہ صاحب افغان سے اور اصول شاشی اور میبذی مولوی ارشاد حسین صاحب سے متنبی مفتی سعد اللہ صاحب سے۔ صدرا وغیرہ مولوی عبد العلی صاحب سے ملا حسن حافظ سعد اللہ رڑیاں ملک پنجاب سے پڑھی۔

ایک عجیب معرکتہ الآرا بات جو مجھ کو اس وقت پیش آئی یہ تھی۔ مجھ سے میرے بعض احباب نے کہا کہ تم زواہد ثلاثہ پڑھو۔ میں نے اُن سے پوچھا یہ کس علم کی کتابیں ہیں۔ اس میرے سوال نے وہاں ایک شور برپا کر دیا۔ بڑی بڑی مخالفتیں میرے اس سوال پر ہوئیں۔ مجھ کو یہ فائدہ ہوا کہ ان تینوں کتابوں کے پڑھنے میں مجھے تامل ہو گیا۔ اگرچہ طوعاً و کرہاً میر زاہد رسالہ اور میر زاہد ملا جلال کو میں نے پڑھا مگر بڑی بدمذاقی سے۔ ایک دفعہ میں ایک گلی میں جاتا تھا اور بہت سے طالب علم میرے ساتھ تھے۔ راستہ میں ایک خوش وضع اور عمدہ لباس والے آدمی سے جن کے ساتھ بہت سے طالب علم تھے ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے مجھ کو دیکھ کر کہا کہ تمہارا ہی نام نورالدین ہے۔ اور تم نے ہی زواہد ثلاثہ کے متعلق لوگوں سے کچھ گفتگو کی ہے۔ میں نے کہا کہ "حضرت ایسا ہوا ہے۔" اُنہوں نے میری پیٹھ تھپکی اور کہا کہ "خوب! میں بھی تمہارا ہم خیال ہوں۔ اب اگر کوئی تم سے زواہد ثلاثہ کے متعلق گفتگو کرے اور تم ہار جاؤ تو اس کو میرے پاس لاؤ۔" انہوں نے بڑی محبت سے گفتگو کی۔ اور کہا کہ زواہد میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے یہ کوئی علم نہیں۔ بعد میں میں نے لوگوں سے ان کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ مولوی حکیم عبد الکریم صاحب۔ ان کی زبان میں کسی قدر لکنت بھی تھی۔ رامپور میں چونکہ میں دو تین برس رہا اس لیے بڑی بڑی باتیں ہیں مگر اس وقت اللہ جلشانہٗ کے احسانوں میں سے ایک احسان کا ذکر کر دینا مجھے پسند

آتا ہے۔

مولوی ارشاد حسین صاحب میرے ہمقوم بزرگ تھے اور میں سلسلۂ نقشبندیہ میں مُرید بھی تھا مگر پھر بھی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کی شان میں وہاں اکثر جھگڑا ہو جاتا تھا۔ میں ہر چند کوشش کرتا تھا کہ وہاں یہ جھگڑے نہ ہوں کیونکہ ہمارے پڑھنے میں حرج ہوتا تھا مگر وہاں میرا کوئی سکوت کارگر نہ ہوا۔ ایک دن مولوی صاحب نے مجھ سے کہا کہ تم جو مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کی اس قدر تعریف کرتے اور اتنی عقیدت رکھتے ہو کیا تم نے ان کو دیکھا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ کہا ہم تو ان سے علم میں زیادہ ہیں۔ میں نے کہا ہاں آپ ان سے علم میں زیادہ بھی سہی لیکن یہی تو ان کا جذب ہے کہ میں ان کے مقابلہ میں آپ کو یا کسی کو نہیں سمجھتا۔ یہ سُن کر مولوی صاحب بہت ہی خفا ہو گئے۔ میں ان سے صرف اصول شاشی کا سبق پڑھنے جایا کرتا تھا میں تو اپنی کتاب کھول کر پڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد مولوی صاحب ٹھنڈے ہو گئے۔ طلباء میں ایک عبدالقادر خان تھے وہ آسودہ حال بھی معلوم ہوتے تھے۔ جہاں میں نماز پڑھاتا اس محلہ میں ایک شخص کلن خاں رہتے تھے جو بیچارے سیدھے سادے کچھ اَن پڑھ سے تھے۔ ایک روز عبدالقادر خان نے کلن خان کو علیحدہ لے جا کر سمجھایا کہ یہ طالبعلم جو نماز پڑھاتا ہے اس قابل نہیں کہ اس کی عزت کی جائے۔ کیونکہ اس کا مولوی ارشاد حسین سے کئی مسائل میں تنازع ہے۔ کلن خان نے کہا کہ ہماری مسجد میں کوئی طالبعلم جماعت نہیں کراتا۔ عبدالقادر خان نے میرا پتہ بتایا اور نام لیا۔ کلن خان نے اپنی تلوار نکال کر عبدالقادر خان کو دکھائی اور کہا کہ وہ مسئلے تو یہاں تلوار کی دھار پر لکھے ہوئے ہیں۔ آپ پڑھنا چاہیں تو ہم ابھی پڑھانے کو موجود ہیں پڑھ لیں۔ عبدالقادر خان بیچارا ایک شریف انسان تھا وہ بھاگ گیا اور پھر مکتب میں خود ہی مجھ سے یہ سب واقعہ بیان کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ کلن خان صاحب بھی مجھ سے ذکر کریں گے لیکن انہوں نے قطعاً مجھ سے ذکر نہیں کیا حالانکہ روزانہ ملاقات ہوتی تھی۔ جب بہت دن گذر گئے تو میں نے ہی کلن خان سے کہا کہ میرے متعلق عبدالقادر خان سے کچھ آپ کی باتیں ہوتی تھیں؟ کلن خان نے ہنسکر کہا کہ ہاں وہ آپ کے متعلق کچھ کہنے لگا تھا مگر رہ گیا۔ اگر ذرا زیادہ زبان ہلاتا تو میں فوراً اس کا سر اڑا دیتا۔ میں نے کہا کہ آپ کو ایسا نہیں چاہیئے تھا۔ اگر خدانخواستہ یہ بات نواب صاحب تک پہنچتی تو آپ کو مشکل پیش آتی۔ کہا کہ نہیں جناب ہمارا سارا محلہ ذبح ہو جائے گا تب کوئی آپ کو ہاتھ لگا سکے گا۔ نواب صاحب ہوں یا کوئی ہوں۔ میں اب تک کلن خان کا ثناخواں ہوں اور میں اس کو عنایت ایزدی سمجھتا ہوں۔

اب مصیبت یہ پڑی کہ میرا سبق رات کو یا دوپہر کو بہت دُور ایک مقام پر ہوتا تھا۔ ان شب بیداریوں نے مجھے بیمار کر دیا۔ اور مجھے سہر کا مرض لاحق حال ہو گیا جس سے میں بہت تنگ ہوا۔ میں نے وہاں تحقیقات کی کہ آجکل ہندوستان

میں بڑا عالم طبیب کون ہے۔ اس محدود جماعت میں سوائے حکیم علی حسین صاحب لکھنوی کے کسی کا نام نہ سنا۔ مگر سب نے یہ بھی کہا کہ ان کے ہاتھ میں شفا نہیں۔ اور مجھے بہت جلد معلوم ہوگیا کہ ان کے ہاں مسلول اور مدقوق یا مجذوم یا ذیابیطس کے گرفتار ہی اکثر پہنچتے ہیں۔ سو ایسے بیماروں میں کامیابی کی کمی ان کے نقص کے سبب نہیں

بیماری نے تو لاچار کر ہی رکھا تھا۔ میں رامپور سے مراد آباد چلا گیا اور وہاں ایک خدائے تعالیٰ کا بندہ عبدالرشید نام ساکن بنارس مجھے اسمٰعیل نام ایک پنجابی نوجوان تاجر کے ذریعہ ملا جس نے میری خدمت والدین کے برابر کیا بڑھ کر کی اور میں مہینہ ڈیڑھ مہینہ میں اچھا ہوگیا۔ عمدہ صحت کے بعد میں نے لکھنؤ کا قصد کیا۔ میرے مکرم دوست عبدالرحمٰن خان مالک مطبع نظامی میرے بھائی کے دوست تھے ان کے پاس کانپور میں ٹھہرا۔ انہوں نے حکیم صاحب (حکیم علی حسین صاحب لکھنوی) کی بہت تعریف کی اور دوسرے دن گاڑی میں سوار کرا کر لکھنؤ روانہ کیا۔ کچی سڑک اور گرمی کا موسم۔ گرد و غبار نے مجھے خاک آلودہ کر دیا تھا کہ میں لکھنؤ پہنچا۔ جہاں وہ گاڑی ٹھہری تھی اس کے سامنے ہی حکیم صاحب کا مکان تھا۔ یہاں ایک پنجابی مثل یاد کرنے کے قابل ہے۔ "لل کرے اولیاں ربّ کرے سولیاں" میں اسی وحشیانہ حالت میں مکان میں جا گھسا۔ ایک بڑا ہال نظر آیا۔ ایک فرشتہ خصلت دلربا حسین۔ سفید ریش نہایت سفید کپڑے پہنے ہوئے ایک گدیلے پر چار زانو بیٹھا ہوا۔ پیچھے اس کے ایک نہایت نفیس تکیہ اور دونوں طرف چھوٹے چھوٹے تکیے۔ سامنے پاندان۔ اگالدان۔ خاصدان۔ قلم دوات۔ کاغذ دھرے ہوئے۔ ہال کے کنارے کنارے جیسا کوئی التحیات میں بیٹھتا ہے بڑے خوشنما چہرے قرینے سے بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ نہایت براق چاندنی کا فرش اس ہال میں تھا۔ وہ قہقہہ دیوار دیکھ کر میں حیران سا رہ گیا۔ کیونکہ پنجاب میں کبھی ایسا نظارہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ بہرحال اس کے مشرقی دروازہ سے اپنا بستہ اس دروازہ ہی میں رکھ کر حضرت حکیم صاحب کی طرف جانے کا قصد کیا۔ گرد آلودہ پاؤں جب اس چاندنی پر پڑے تو اس نقش و نگار سے میں خود ہی محجوب ہوگیا۔ حکیم صاحب تک بے تکلف جا پہنچا۔ اور وہاں اپنی عادت کے مطابق زور سے السلام علیکم کہا جو لکھنؤ میں ایک نرالی آواز تھی۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ حکیم صاحب نے وعلیکم السلام زور سے یا دبی آواز سے کہا ہو مگر میرے ہاتھ بڑھانے سے انہوں نے ضرور ہی ہاتھ بڑھایا اور خاکسار کے خاک آلود ہاتھوں سے اپنے ہاتھ آلودہ کیے اور میں دوزانو بیٹھ گیا۔ یہ میرا دوزانو بیٹھنا بھی اس چاندنی کے لیے جس عجیب نظارہ کا موجب ہوا وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے جو اراکین لکھنؤ سے تھا اس وقت مجھے مخاطب کر کے کہا کہ آپ کس مہذب ملک سے تشریف لائے ہیں۔ میں تو اپنے قصور کا پہلے ہی قائل ہو چکا تھا مگر خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد۔ میں نے تمام نگاہی کے ساتھ اپنی جوانی کی ترنگ میں اس کو یہ جواب دیا کہ یہ بے تکلفیاں اور السلام علیکم کی بے تکلف آواز وادیٔ غیر

ذی زرع کے اُمّی اور بکریوں کے چرواہے کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم۔ فداہ ابی و اُمّی۔ اس میرے کہنے کی آواز نے بجلی کا کام دیا اور حکیم صاحب پر وجد طاری ہوا۔ اور وجد کی حالت میں اُس امیر کو کہا کہ آپ تو بادشاہ کی مجلس میں رہے ہیں کبھی ایسی زک آپ نے اُٹھائی ہے؟ اور تھوڑے وقفہ کے بعد مجھ سے کہا کہ آپ کا کیا کام ہے؟ مَیں نے عرض کیا کہ مَیں پڑھنے کے لیے آیا ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ مَیں اب بہت بوڑھا ہوگیا ہوں اور پڑھانے سے مجھے ایک انقباض ہے۔ مَیں خود تو نہیں پڑھا سکتا مَیں نے قسم کھالی ہے کہ اب نہیں پڑھاؤں گا۔ میری طبیعت ان دنوں بہت جوشیلی تھی اور شاید سھر کا بقیہ بھی ہو۔ اور حق تو یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ ہی کے کام ہوتے ہیں۔ منشی محمد قاسم صاحب کی فارسی تعلیم نے یہ تحریک کی کہ مَیں نے جوش بھری اور دردمند آواز سے کہا کہ شیرازی حکیم نے بہت ہی غلط کہا۔ رنجانیدن دل جہل است و کفارۂ یمین سہل۔ اس پر ان کو دوبارہ وجد ہوا اور چشم پُرآب ہو گئے۔ تھوڑے وقفہ کے بعد فرمایا مولوی نورکریم حکیم ہیں اور بہت لائق ہیں آپ کو ان کے سُپرد کر دونگا اور وہ آپ کو اچھی طرح پڑھائینگے۔ جس پر مَیں نے عرض کیا کہ ملکِ خدا تنگ نیست و پائے مرا لنگ نیست۔ تب آپ پر تیسری دفعہ وجد کی حالت طاری ہوئی اور فرمایا ہم نے قسم توڑ دی۔ اس کے بعد حکیم صاحب تو گھر کو تشریف لے گئے۔ مَیں نے بھی تنہائی کو غنیمت سمجھ کر اپنا بوریا باندھنا سنبھالا اور اس مکان سے باہر نکلا۔ میرے بھائی صاحب کے دوست علی بخش خان مرحوم مطبع علوی کے مالک تھے۔ مَیں ان کے مکان پر پہنچا۔ وہاں مَیں نے بڑا آرام پایا۔ غسل کیا۔ کپڑے بدلے۔ خان صاحب نے انار کا ایک خوبصورت پودا دکھایا جو ان کے مطبع والے مکان میں تھا اور فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی کی یادگار ہے۔ وہاں آرام پاکر میں مختلف علماء سے جو لکھنؤ میں تھے ملا۔ اور عجیب عجیب باتیں سُننے میں آئیں۔

آخر علی بخش خان نے مجھے ایک مکان دیا اور وہاں کھانیکا انتظام مجھے خود کرنا پڑا۔ جیسے کہ مَیں کہہ چکا ہوں حرفہ کے لیے میرے دماغ میں کوئی بناوٹ نہیں۔ اپنی روٹی پکانے کے لیے ایک منطق سے کام لینے لگا۔ چولھے میں آگ جلائی توا رکھا۔ اور روٹی گول بنانے کی یہ ترکیب سُوجھی کہ آٹے کو بہت پتلا گھول لیا اور ایک برتن کے ذریعہ اس گرم توے پر بلا گھی اور خشکی کے خوبصورت دائرہ کی طرح آٹا ڈال دیا۔ جب اس کا نصف حصّہ پک گیا تو پلٹنے کے لیے روٹی کو اٹھانے کی فضول کوششیں کیں۔ ان کوششوں میں روٹی اوپر تک پک چکی تھی خیالی فلسفہ نے توے کو اُتار کر آگ کے سامنے رکھوایا جب عمدہ طور پر اُوپر کا حصّہ پختہ نظر آیا تو چاقو سے اُتارنے کی ٹھہری مگر چاقو کے ذریعہ اُترنے سے بھی اس نے انکار کیا اور مجھے دُعا کی توفیق ملی۔ اس مکان سے باہر نکل کر آسمان کی طرف مُنہ اُٹھا کر یُوں دُعا مانگنے لگا۔ اے کریم مولا ایک نادان کے کام سُپرد کرنا اپنے بناتے ہوئے رزق کو ضائع کرنا ہے۔ یہ کس لائق ہے جس کے سپرد روٹی پکانا کیا گیا۔

اس روٹی کے انتظام اور دُعا کے بعد حکیم صاحب کے حضور پُر تکلف لباس میں جا پہنچا۔ جاتے ہی اپنی دُعا کی قبولیت کا یہ اثر دیکھا کہ حکیم صاحب نے فرمایا آپ اُس وقت آئے اور بے اجازت چلے گئے یہ شاگردوں کا کام ہے؟ آیندہ تم روٹی ہمارے ساتھ کھایا کرو اور یہیں رہو یا جہاں ٹھہرے ہو وہاں مگر روٹی یہاں کھایا کرو۔ میں نے کچھ عذر معذرت کی پھر آپ نے فرمایا کیا پڑھنا چاہتے ہو میں نے عرض کیا طبّ پڑھنا چاہتا ہوں۔ مجھے اس وقت یہ بھی اطلاع نہ تھی کہ دُنیا میں بڑا طبیب کون ہے۔ حکیم صاحب نے فرمایا طب کہاں تک پڑھنا چاہتے ہو۔ میں نے عرض کیا افلاطون کے برابر۔ مجھ کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ افلاطون کوئی حکیم ہے یا طبیب۔ آپ نے ہنس کر فرمایا کچھ تو ضرور ہی پڑھ لو گے۔ اگر کسی چھوٹے کا نام لیتے میرے دل کو بہت صدمہ پہنچتا کیونکہ ہر ایک انسان اپنی غایت مطلوب تک نہیں پہنچتا۔ حکیم الہ دین لاہوری مرحوم اور حکیم محمد بخش لاہوری مرحوم سے کسی قدر موجز تو میں پڑھ ہی چکا تھا اور علمی مباحثات کے لیے میری پہلی تعلیم کافی سے بھی زیادہ تھی میں نے عرض کیا قانون شروع کرا دو۔ اس پر حکیم صاحب نے تبسم کیا۔ پھر میں نے جلد جواب دیا کہ میں تو خدائے تعالےٰ کی کتاب بھی سمجھ سکتا ہوں اور سمجھتا ہوں۔ بو علی سینا یا اس کا قانون اس سے بڑے ہیں۔ حکیم صاحب نے نفیسی کی طرف اور اس کے علمی حصّہ کے لیے مجبور کیا۔ میں نے کتاب شروع کر دی۔ ایک ہی سبق تمام دن میں میرے لیے ہرگز قابل برداشت نہ تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کہیں کوئی اور سبق پڑھوں مگر وہابیت کا خدائے تعالےٰ بھلا کرے اُس نے کوئی جگہ پسند نہ کرنے دی۔ پھر بھی مولوی فضل اللہ نام فرنگی محلی سے میری سفارش ہوئی اور انہوں نے ملا حسن یا حمد اللہ پڑھانے کا وعدہ کیا اور شروع کرا دی۔ میں نے چند ہی سبق پڑھے ہوں گے کہ تنہائی میں اپنی گذشتہ عمر کا مطالعہ شروع کیا اور اس بات تک پہنچ گیا کہ اگر تو اسی طرح پڑھے گا تو ان علوم سے متمتع ہونے کے دن تجھ کو کب ملیں گے اور میرے دل نے فیصلہ کر لیا کہ اگر چھ سات سبق ہر روز نہ ہوں تو پڑھنا گویا عمر کو ضائع کرنا ہے۔ غرض اس فیصلہ کے بعد حکیم صاحب کے حضور صرف اس لیے گیا کہ آج میں اُن سے رُخصت ہو کر واپس رامپور جاؤنگا۔ لیکن قدرت خداوندی کے کیا تماشے ہیں کہ میری اس اُدھیڑ بُن کے وقت حکیم صاحب کے نام نواب کلب علیخان نواب رامپور کا تار آیا تھا کہ آپ ملازمت اختیار کر لیں۔ علی بخش نام اُن کے ایک چہیتے خدمتگار علیل ہیں ان کا آکر علاج کریں۔ دوپہر کے بعد ظہر کی نماز پڑھ کر میں وہاں حاضر ہوا۔ اپنے منشاء کا اظہار کر کے عرض کیا کہ اب میں رامپور جانا چاہتا ہوں۔ حکیم صاحب نے فرمایا تم یہ بتاؤ مجھ جیسے آدمی کو ملازمت اچھی ہے یا آزادی سے علاج کرنا۔ چار سو روپیہ کے قریب میاں شہر میں آمدنی ہوتی ہے کیا اس آمدنی کو چھوڑ کر ملازمت اختیار کریں؟ تمہارے خیال میں یہ بھلی بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ نوکری آپ کے لیے بہت ضروری ہے۔ کیونکہ موجودہ حالت میں اگر آپ کے

حضور کوئی شخص اپنے پہلو یا سرین کو کھجلانے لگے تو آپ کو یہی خیال ہوگا کہ یہ کچھ دینے لگا ہے۔ اس پر وہ بہت قہقہہ مار کر ہنسے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ ڈال دیا کہ یہ بھی اس شخص کے تصرفات کی کوئی بات ہے غرض ہماری ولایت کا وہاں سکہ بیٹھ گیا۔ پھر وہ تار نکالا اور کہا گیا یہ آپ کے رامپور جانے کی ترکیب نہیں؟ اچھا ہم منظور کرتے ہیں۔ اور آپ ساتھ چلیں۔ غرض معاً رامپور واپس آنے کی تیاری ہوگئی۔ رام پور پہنچ کر حکیم صاحب نے کہا کہ اس شخص کی صحت کے لیے تم دُعا کرو۔ مَیں نے کہا یہ بچتا نظر نہیں آتا۔ اور مجھے اس کے لیے دُعا کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور بدوں توجہ دُعا نہیں ہو سکتی۔ اب یہ جیئے یا مرے ہم تو رامپور پہنچ ہی گئے۔ آخر علی بخش کا انتقال ہو گیا۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ اس (علی بخش) کے مرنے پر ہمارے شہر کے ایک حکیم ابراہیم صاحب ہیں ان کو دربار میں ہم پر ہنسی کا موقع ملا ہے۔ مَیں خدائے تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کرتا ہوں۔ میرے مُنہ سے بیساختہ نکلا کہ اس مریض جیسا کوئی ان کے ہاتھ سے بھی مر رہے گا۔ آپ کیوں گھبراتے ہیں۔ قدرتِ الٰہی دیکھو نہ گمان نہ خیال علی بخش کے بالمقابل ایک دوسرا خدمتگار نواب کا اُسی بیماری میں گرفتار ہوا۔ اور حکیم ابراہیم صاحب لکھنوی اس کے معالج تجویز ہوئے مریض کو ورم کبد بھی تھا۔ ایک دن اس کے مُنہ سے خون آیا معالج حکیم صاحب نے فرمایا کہ یہ بحرانی خون ہے اور ہم کو اس کی صحت کی بہت اُمید ہے۔ ہمارے حکیم صاحب نے آکر یہی بات ظاہر کی۔ مَیں نے عرض کیا کہ اب یہ مر گیا ہے۔ خدائے تعالیٰ کے عجائبات ہیں۔ انسان کی کیا مقدرت ہے۔ وہ مریض مر گیا۔ عوض معاوضہ گلہ ندارد۔ حکیم ابراہیم صاحب آئندہ تمسخر سے باز آگئے۔

طب کے پڑھنے میں جو امر بہت نافع نظر آیا اور مَیں نے خود عمل کیا اور جس میں مَیں نے بہت فائدہ اُٹھایا اس کو بیان کرنا شاید مفید ہو۔ سو اس میں پہلی بات یہ ہے کہ مَیں نے مفرد اور مرکب ادویہ کے متعلق بہت دنوں تک حضرت حکیم صاحب سے کبھی بھی سوال نہ کیا کہ یہ مرکب کس طرح بنتا ہے۔ یا اس مفرد کا کیا نام ہے۔ بات یہ تھی کہ اگر وہ نام بتاتے تو صرف لکھنؤ کا مروج نام فرماتے اور وہ میرے لیے اپنے وطن میں کچھ بھی مفید نہ ہوتا۔ مرکبات کے واسطے مَیں یقین کرتا تھا کہ قرابادینوں کا مطالعہ کافی ہوگا۔ اس پر آخر حکیم صاحب نے مجھ سے سنکھیا (سم الفار) اور سرخ مرچ کے متعلق سوال فرمایا کہ تم اس کو مفردات سے کس طرح نکالو گے (یہ سوال ممکن تھا کہ میرے راستہ میں پہاڑ بنتا کہ مَیں آئندہ دواؤں کے نام پوچھ لیا کرتا مگر مَیں نے خیال کیا کہ ایک ایک دوا کے بیس بیس نام ہوتے ہیں خود حکیم صاحب بھی مجھے کب بتا سکتے ہیں) مَیں نے اپنے مطالعہ کی عادت کے باعث جلد اس کا جواب حاصل کر لیا۔ جس پر وہ خود مطمئن ہو گئے۔ دُوسری بات نسخہ نویسی کے متعلق تھی وہ چاہتے تھے کہ مَیں ان کے نسخے

لکھا کروں اور مجھے مطلوب تھا کہ مَیں علم پڑھوں جس وقت میں بیماروں کی گھسان دیکھتا تو اپنے دوسرے اساتذہ کے پاس علوم کے واسطے چلا جاتا کیونکہ حکیم صاحب کے پاس صبح سے عشا تک اپنا حضر ورمی آتی تھی مشکل ختم ہو سکتا تھا۔ ایک دن مزمن ماشرہ کا مبتلا ایک بیمار آیا۔ اس کا سر اس قدر موٹا ہو گیا تھا جیسے ہاتھی اس کے ہونٹوں اور آنکھوں کی شکل بھی بڑی بھیانک تھی۔ مَیں اس سے دو تین روز پہلے یہ مرض پڑھ چکا تھا مگر مریض کو دیکھ کر سمجھ میں نہ آیا کہ یہ ماشرہ ہے۔ اُدھر حکیم صاحب نے فرمایا کہ اس کا نسخہ لکھو۔ مَیں سخت گھبرایا آخر میرے پاس تو دُعا ہی کا ہتھیار تھا معًا حکیم صاحب نے بیساختہ فرمایا کہ ایسے ماشرہ دنیا میں کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ تب مَیں نے عرض کیا کہ اس مریض کو دیکھنے میں بہت جمگھٹا ہو گیا ہے۔ یہ اس کو مکان پہ لے جائیں اور پھر آ کر نسخہ لے جائیں۔ اس طرح وقت کو ٹلا دیا اور خود اپنے کمرہ میں جا کر حکیم صاحب کی زیرِ نظر کتابیں۔ شرح گیلانی قانون پر۔ ترویح الارواح طبری اور مجموعہ لقائی کو دیکھنا شروع کیا اور ان تمام کتابوں سے ایک مشترکہ نسخہ ضماد اور طلاء اور کھانے کا لکھ لیا اور کتابیں اپنی اپنی جگہ پہ رکھوا دیں اور نسخے قریبًا یاد کر لیے۔ تیمار دار دیر کے بعد آیا اور حکیم صاحب نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ آپ نے نسخہ لکھا ہے؟ مَیں نے کہا کہ ابھی لکھ دیتا ہوں قلم اُٹھا کر نسخے لکھ دیئے اور حکیم صاحب کے حضور پیش کیے۔ حکیم صاحب نے ان کو دیکھ کر مجھے اشارہ کیا کہ شرح گیلانی ترویح اور مجموعہ لقائی لاؤ میں لایا۔ میرے نسخوں کو سامنے رکھ کر سرسری نظر ان کتابوں پر ڈال لی اور نسخے تیمار دار کو دیدیئے۔ جب فراغت ہوئی تو اپنا بیاض بڑی محبت سے مجھ کو عطا کیا اور فرمایا تم اس کے اہل ہو۔ دیگر آپ حرم سرا میں تشریف لے گئے۔ مَیں نے دیکھا اُس میں کچھ نسخے تھے۔ اس بیاض کو مَیں نے مطب ہی میں چھوڑ دیا اور اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ کسی دُوسرے وقت حکیم صاحب آئے اور بیاض کو اس طرح کھلا پڑا ہوا دیکھ کر اُٹھایا اور مجھے دیا۔ مَیں نے عرض کیا کہ اس کو کیا کروں۔ نسخہ لکھنا تو تشخیص پر منحصر ہے اور اس میں کوئی تشخیص نہیں اس پر متبسّم ہو کر کہا کہ بات تو ٹھیک ہے۔ تیسری بات جو قابلِ ذکر ہے وہ یہ ہے کہ درسی کتب میں قانونچہ۔ موجز۔ اقصرائی۔ نفیسی۔ سدیدی۔ شرح اسباب کا لمبا سلسلہ مجھے حیرت زدہ کرتا تھا اور مجھ کو یقین تھا کہ جیسے اور علوم میں ملکہ پیدا ہونے کے بغیر کوئی علم نہیں آسکتا۔ اسی طرح طب بھی ایک ملکہ کے بغیر کیونکر مفید ہو سکتا ہے۔ جیسے درسی کتابوں میں علی العموم یہ غلط راہ اختیار کی گئی ہے کہ مختصرات اور حواشی در حواشی میں وقت ضائع کیا جاتا ہے۔ دودھ کا جلا چھاچھ کو بھی پھونکنے لگا۔ مجھ کو اپنی گذشتہ عمر کے ضائع ہونے کا سخت ہی افسوس تھا اس لیے مَیں نے صرف قانون ہی کا پڑھ لینا اور وہ بھی صرف عملی حصّہ کا پڑھنا پسند کیا تھا۔ حکیم صاحب نے ایک دن مجھے فرمایا کہ تم شرح اسباب کسی کو ہمارے سامنے پڑھاؤ۔ جس کو مَیں نے بطیب خاطر پسند کیا۔ اور ایک شخص مولوی محمد اسحٰق ساکن نگینہ کو شرح اسباب

حکیم صاحب کے سامنے پڑھائی شروع کی اور اس میں مجھے کامیابی ہوئی۔ یہ باتیں اس لیے ذکر کردی ہیں کہ کسی کو فائدہ ہو۔

میں جس زمانہ میں طب پڑھتا تھا ان دنوں مجھ کو متنبی پڑھنے کا بھی خیال پیدا ہوا۔ لہٰذا میں مفتی سعداللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بہت الحاح سے میں نے اُن کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ کو آپ ایک سبق پڑھا دیا کریں انہوں نے بہت روکھے الفاظ میں یہ فرمایا کہ ہم کو فرصت نہیں۔ میں نے کہا اچھا اب ہم اُسی وقت پڑھیں گے جب آپ ہماری منت کریں گے۔ میں مکان پر آیا اور میں نے حکیم صاحب سے عرض کیا کہ میں علم پڑھنا پسند نہیں کرتا۔ انہوں نے فرمایا کیوں؟ میں نے کہا علم سے فائدہ کوئی نہیں۔ آپ مجھے غایتِ علم بتائیں کہ علم سے نتیجہ کیا ملے گا؟ اُنہوں نے فرمایا کہ علم سے اخلاق فاضلہ پیدا ہوتے ہیں۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ بات کیا ہے ذرا ہم سے بیان تو کرو۔ میں نے کہا مفتی سعداللہ کے پاس گیا تھا ان سے کچھ پڑھنا چاہتا تھا اُنہوں نے بڑے رُوکھے پن سے کہا کہ ہم کو فرصت نہیں۔ حکیم صاحب نے مطب میں سے ایک پرچہ اُٹھا کر مفتی سعداللہ صاحب کے نام رقعہ لکھا کہ جب آپ کچہری سے فارغ ہوں تو اسی راستہ سے تشریف لائیں اور مجھ سے ملتے ہوئے جائیں اور رقعہ آدمی کے ہاتھ بھجوا دیا۔۔۔ مفتی صاحب کچہری سے اُٹھ کر سیدھے حکیم صاحب کے پاس آئے۔ مجھ کو حکیم صاحب نے پہلے سے کہہ دیا کہ تم اپنی کوٹھڑی میں چلے جاؤ۔ جب مفتی صاحب تشریف لائے تو حکیم صاحب نے فرمایا کہ اگر میں پڑھنا چاہوں تو آپ کو میرے پڑھانے کے لیے کچھ وقت مل سکے گا۔ مفتی صاحب نے بڑے زور شور سے کہا کہ ہاں وقت بہت مل سکتا ہے اور ہم جس وقت کے لیے آپ کہیں فرصت نکال سکتے ہیں۔ حکیم صاحب نے کہا اگر کوئی ہمارے پیرومرشد پڑھنے لگیں؟ مفتی صاحب نے کہا ان کو تو جہاں وہ چاہیں ہم خود جا کر پڑھا دیا کریں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد حکیم صاحب نے مجھ کو بلوایا۔ میں جب آیا تو مجھ کو آتے ہوئے دیکھ کر مفتی صاحب ہنس پڑے اور کہا کہ آؤ صاحب ہم اب آپ کی منت کرتے ہیں کہ آپ پڑھیں۔ معلوم ہوا کہ حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ طالب علم کے لیے فرشتے پَر بچھاتے ہیں۔ یہ بہت صحیح ہے۔ بارے خدائے تعالیٰ کے فضل سے اُنہوں نے سبق مجھ کو شروع کرایا۔ ہم کچھ نخرہ بھی کرتے رہے۔ مگر یہ شکایت میں اب تک بھی کرتا ہوں کہ باوجود اس کے کہ میں بڑے بڑے علماء کی خدمت میں جاتا تھا کسی نے نہ تو اخلاقی تعلیم دی اور نہ کسی کتاب کا مشورہ دیا نہ آئندہ کی ضرورتوں سے آگاہ کیا۔

ایک مرتبہ طالب علموں میں مباحثہ ہوا کہ اہل کمال اپنا کمال کسی کو بتاتے ہیں یا نہیں؟ میرا دعویٰ تھا کہ اہل کمال تو اپنا کمال سکھانے اور بتانے کے لیے تڑپتے ہیں مگر کوئی سیکھنے والا نہیں ملتا۔ باقی تمام طالب علم کہتے تھے کہ سیکھنے والے بہت ہیں مگر وہ سکھاتے ہی نہیں۔ میں نے کہا تم یوں تو مانتے نہیں اور نہ تم ہارنا جانتے ہو۔ کوئی صاحب کمال

بتاؤ اس کے پاس چل کر اُسی سے فیصلہ کرائیں۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ یہاں امیر شاہ صاحب عامل ایک باکمال ہیں۔ اُن کا ایک باغیچہ شہر کے اندر تھا۔ سب طالب علم ان کے مکان پر چلے گئے۔ وہ ایک لکڑی کے تخت پر تکیہ لگائے لیٹے ہوئے تھے اور پاس ہی زمین پر ایک چھوٹی سی چٹائی بچھی ہوئی تھی جو ہمارے بڑے بڑے طالب علم اور زیادہ مستحق تھے وہ فوراً سب سے پہلے چٹائی پر بیٹھ گئے باقی بہت سے طالب علم زمین پر ہی بیٹھ گئے۔ چونکہ مجھ کو زمین پر بیٹھنے کی قطعاً عادت نہ تھی اور اب بھی مجھے بڑی نفرت ہوتی ہے میں سامنے کی ایک کچی دیوار کے پاس کھڑا رہا جب سب بیٹھ گئے تو امیر شاہ صاحب نے بڑی حقارت سے کہا "او ملّو! کس طرح آئے؟" میں نے عرض کیا ایک مقدمہ ہے جس میں یہ سب لوگ مدعی ہیں اور میں مدعا علیہ ہوں یا میں مدعی ہوں اور یہ سب مدعا علیہ ہیں۔ آپ سے فیصلہ چاہتے ہیں تب اُنہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم کھڑے کیوں ہو؟ میں نے عرض کیا کہ چٹائی بہت چھوٹی ہے۔ جو ہمارے اعزاز کے قابل طالبعلم تھے وہ بیٹھ گئے۔ اب کوئی جگہ نہیں اس لیے میں کھڑا ہوں۔ اُنہوں نے فرمایا تم ہمارے پاس آجاؤ۔ میں فوراً تخت پر ان کے پاس جا بیٹھا۔ طالبعلموں کا تو اسی وقت فیصلہ ہو گیا۔ مگر اُنہوں نے مقدمہ سُن کر صاف لفظوں میں مجھ سے کہا کہ تم سچے ہو اور یہ سب غلطی پر ہیں۔ میں نے کہا بس فیصلہ ہو گیا۔ اب جاتے ہیں۔ میں جب اُٹھ کر چلنے لگا تو انہوں نے مجھ کو پھر بٹھایا اور خود اُٹھ کر ایک قریب کی کوٹھڑی میں گئے وہاں سے ایک قلمی ضخیم کتاب لائے۔ میں نے اسکو دیکھا تو وہ عملیات کی کتاب تھی۔ مجھ سے فرمانے لگے کہ میری ساری عمر کا اندوختہ یہی ہے اور میں یہ کتاب تم کو دیتا ہوں۔ میں نے کہا میں تو طالب علم آدمی ہوں ابھی پڑھتا ہوں مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ یہ سُن کر وہ چشم پُرآب ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ ہم تم کو دیتے ہیں اور تم لیتے نہیں یہ لوگ مانگتے ہیں اور ہم ان کو دیتے نہیں۔ پھر بھی جب میں اُٹھنے لگا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم ایک بات عملیات کے متعلق کہتے ہیں اس کو سُن لو جب کوئی شخص تمہارے پاس کسی غرض کے لیے آئے تو تم کو چاہیے کہ تم جناب الٰہی کی طرف جھک جاؤ اور یوں التجا کرو کہ الٰہی میں نے اس کو نہیں بُلایا تو نے خود بھیجا ہے۔ جس کام کے لیے آیا ہے اگر وہ کام تجھ کو کرنا منظور نہیں تو جس گناہ کے سبب میرے لیے تو نے یہ سامانِ ذلّت بھیجا میں اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں۔ پھر بھی دوبارہ تمہاری اس دُعا مانگنے کے بعد وہ شخص اصرار کرے تو دوبارہ اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا مانگ کر اس کو کچھ لکھ دیا کرو۔ مجھ کو امیر شاہ صاحب کے بتائے ہوئے اس نکتہ نے آج تک بڑا فائدہ دیا مگر ان طلباء نے مطلق توجہ نہیں کی اور ان کو کچھ بھی خبر نہ ہوئی کہ انہوں نے کیا بتا دیا۔ جب وہاں سے باہر نکلے تو طالب علموں نے میری نسبت کہا کہ اس کو حب کا عمل آتا ہے اس نے کھڑے ہو کر اُن پر بھی حُب کا عمل ڈالا اور وہ اس کے قابو میں آگئے۔ اور اسی واسطے یہ ہمیشہ بڑے بڑے امیروں اور معزّزوں میں رہتا ہے۔ اور سب اسکی

خاطر کرتے۔ یہاں میں دو برس حضرت حکیم صاحب کے حضور حاضر رہا اور مشکل قانون کا عملی حصہ ختم کیا بعد حصول سند و اجازت رخصت مانگی کہ اب میں عربی کی تکمیل اور حدیث پڑھنے کے لیے جاتا ہوں۔ آپ نے مجھے میرٹھ اور دہلی جانے کا مشورہ دیا اور نہایت محبت سے فرمایا کہ ہم معقول خرچ ان دونوں شہروں میں تمہیں بھیجا کریں گے مگر جب میں میرٹھ پہنچا تو حافظ احمد علی صاحب کلکتہ کو چلے گئے تھے اور مولوی نذیر حسین مجاہدین کو روپیہ پہنچانے کے مقدمہ میں ماخوذ تھے۔ ان دونوں سے ایک حرف پڑھنا بھی نصیب نہ ہوا (اگرچہ پھر آخر میں ایک وقت میں نے حافظ احمد علی صاحب سہارنپوری سے بہت کچھ استفادہ کیا مگر وہ طالبعلمی کا وقت نہ تھا) اور میں بھوپال پہنچ گیا۔

بھوپال میں پہلی مرتبہ بھوپال جاتے ہوئے دو باتیں رستہ میں پیش آئیں ایک یہ کہ جب میں گوالیار پہنچا تو میری ایک ایسے بزرگ سے ملاقات ہوئی جو حضرت سید احمد صاحب بریلوی کے مخلصوں میں سے تھے۔ مجھ کو کچھ اُن کی صحبت میں ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ میں وہیں رہ پڑا۔ مجھ سے باتیں کرتے کرتے انہوں نے یہ دو شعر پڑھے؛

نہ کر عوض مرے عصیان و جرم بے حد کا — کہ تیری ذات غفور الرحیم کہتے ہیں
کہیں نہ کہہ دے عدو دیکھ کر مجھے غمگین — یہ اُس کا بندہ ہے جس کو کریم کہتے ہیں

اِن شعروں کا اثر جو میرے دل پہ ہوا ہے وہ یہ ہے کہ آج اس بات کو شاید پچاس برس کے قریب زمانہ گذرتا ہو لیکن وہ لذت ابتک بھی فراموش نہیں ہوئی۔ اگرچہ ادعیہ مسنونہ کی برابری یہ دُعا نہیں کر سکتی مگر معلوم نہیں کہ یہ کیسے دل سے نکلی تھی جس میں عجیب قسم کا اثر ہے۔

وہاں سے چل کر میں گونہ نام ایک چھاؤنی میں پہنچا۔ میرے پاؤں بہت زخمی ہو گئے تھے اور چلنے کی تاب اُن میں بالکل باقی نہ تھی۔ کیونکہ میں بہت ہی تھک گیا تھا ایک مسجد میں جو چھاؤنی میں تھی جا کر آرام کیا۔ یہ مسجد کچھ ویران ہی سی معلوم ہوتی۔ رات بہت چلی گئی تو ایک شخص نماز پڑھنے آیا۔ میں نے اس سے کہا تم بہت دیر کر کے نماز پڑھنے آئے ہو۔ اُس نے کہا کہ ہم کاروباری لوگ ہیں یہاں ہم بڑے اتفاق سے رہتے تھے یہ مسجد بھی بڑی آباد تھی لیکن یہاں رفع یدین اور آمین بالجہر پر آپس میں ایسا جھگڑا ہوا کہ قریب تھا کہ یہ مسجد گنج شہیداں ہو جائے۔ آخر ایک دنیا دار نے سب کو کہہ دیا کہ نمازیں اپنے اپنے گھر میں پڑھو اور اپنے کاروبار کرو کیوں مولویوں کے کہے سے تباہ ہوتے ہو چنانچہ سب نے مسجد کی نماز چھوڑ دی ہے اور اپنے اپنے گھروں میں لوگ پڑھتے ہیں یا نہیں پڑھتے مگر میرا دل مسجد کے سوا نہیں لگتا۔ اس لیے میں ایسے وقت مسجد میں آتا ہوں جبکہ کوئی اس محلہ کا آدمی مجھ کو مسجد میں آتے ہوئے نہ دیکھ سکے میں

نے کہا ممکن ہو تو تم کل ان لوگوں کو بُلا لاؤ ہم ان کو کچھ سنانا چاہتے ہیں۔ وہ نماز پڑھکر چلا گیا کچھ دیر کے بعد تحریری لایا جو ہم دونوں رفیقوں کے لیے کافی سے زیادہ تھی۔ دوسرے دن بہت سے آدمیوں کو اکٹھا کر کے لایا میں نے ان کو باہمی عداوت کے متعلق سمجھایا اور بتایا کہ دیکھو خدائے تعالیٰ واحد ہے۔ رسُول واحد ہے کتاب واحد ہے۔ قبلہ توجہ واحد ہے۔ فرائض میں بھی قریبًا باہمی اشتراک ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے اتنے بڑے عظیم الشان کام جماعت کو چھوڑ دینا لوگوں کی غلطی ہے۔ میری تقریر کا بہت اثر ہوا۔ بہت سے لوگ میرے ہمدرد ہو گئے ان میں سے ایک شخص ڈاکٹر حبیب اللہ خان نے میرے ساتھ میرے پاؤں کے زخموں کے متعلق بڑی بڑی ہمدردیاں کیں۔ آخر وہ سانبھر جھیل کو تبدیل ہو گئے تھے۔ میرے ساتھ اپنے آخری دم تک اپنی محبت کو انھوں نے بہت بناہا۔ میں قادیان میں تھا جب انکا انتقال ہوا ہے وہ ہمیشہ بڑی بڑی محبتوں کا اظہار میرے ساتھ کرتے رہے مجھے ان مسائل کے متعلق بڑا ہی تعجب آیا کرتا ہے کہ یہ کیا جھگڑے ہیں۔ اگر ہماری قوم کے ملاح ان چھوٹے چھوٹے مسئلوں کے باعث عوام کو جوش نہ دلائیں تو میرے نزدیک خود ان علماء اور گدی نشینوں کو بھی کوئی ضرر نہ پہنچے۔ مگر طالب علمی میں ان کو پاک باتوں کی طرف توجہ کم دلائی جاتی ہے اور طالبعلمی میں پاک صحبتیں ان لوگوں کو بہت ہی کم نصیب ہوتی ہیں اور بدقسمتی سے اخلاق کے متعلق عملی کتاب کوئی نہیں۔

گنہ چھاؤنی سے چلا میرے ساتھ محمود نام ایک افغان نہایت خوبصورت نوجوان تھا۔ ہم نے گنہ سے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا ہو گا کہ ایک زمیندار نے کہا کہ اس سڑک پر مری ہے (مری وہ ہیضہ کو کہتا تھا) دوسری سڑک پر چلو لیکن محمود ایک بڑا متوکل آدمی تھا۔ توکل کے غلط معنی جس میں آج کل علی العموم مسلمان گرفتار ہو کر کاہل اور سُست ہو گئے ہیں اس میں وہ بھی گرفتار تھا۔ اس کے کہنے پر محمود نے پروا نہ کی۔ میں نے بھی روکا۔ مگر اُس نے کہا خبر واحد ہے کیا اعتبار۔ میں نے محمود سے کہا کہ میں بیزار ہوں مگر مجبور ہوں۔ آخر ہم چلے چند منٹ کے بعد محمود خود ہیضہ میں مبتلا ہو گیا دُور سے ایک گاؤں نظر آتا تھا۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ جلد وہاں پہنچیں مگر ایک ہی اجابت نے محمود کو مضمحل کر دیا۔ آخر گاؤں کے پاس پہنچے۔ گاؤں والوں نے بالکل روک دیا اور ہم نے ایک املی کے درخت کے نیچے ڈیرا کر دیا۔ محمود کی حالت وقتاً فوقتاً بگڑتی گئی اور دو تین روز کے بعد اس نے انتقال کیا۔ اس کے دفن کرنے میں اور اتنے روز کھانا نہ ملنے میں بہت دقت ہوئی۔ مرنے کے بعد میں نے گاؤں کے نمبردار کی دفن کے لیے بہت کچھ منت کی مگر وہ ایک زر خطیر لے کر راضی ہوا اور پھر بھی یہ کہا کہ میت کو ہم میں سے کوئی نہ اٹھائیگا۔ ہاں ہم ایک گڑھا کھود دیتے ہیں۔ میں نے محمود کو خود اٹھا کر گڑھے میں ڈالا اور نماز جنازہ تب یاد آئی جب مٹی برابر کر چکے۔ ایک مسلمان جو صرف ایک ہی مسلمان گاؤں میں تھا اور اسکا

نام گرجن اور ایک اس کا بھائی جس کا نام ارجن تھا اور جس کو میں نے ہر چند اپنی امداد کے لیے کہا تھا اور انکار کر چکا تھا اسکا اکلوتا بیٹا ہیضہ میں گرفتار ہوگیا۔ کچھ تو وہ مشرکانہ خیال کے باعث اور کچھ اس لیے کہ مجھ کو محمود کا علاج کرتے بھی دیکھا تھا میرے پاس دوڑتا اور روتا ہوا آیا اور کہا ہمارے گھر چلو اور بھوجن بھی کھاؤ۔ میں چلا گیا اور اس کے لڑکے کو یہ دوائی دی۔ گل ناشگفتہ عشر (آکھ) تولہ۔ سہاگہ بریاں ۵ ماشہ۔ دارفلفل ۵ ماشہ۔ لونگ ۵ ماشہ۔ زنجبیل ۵ ماشہ۔ گولی بنائی اور نیم کی اندر چھال کے پانی کے ساتھ دی اور لہسن کوٹ کر اس کے ناخنوں پر باندھ دیا لڑکا سنبھل گیا۔ اس کی ماں نے تازہ چوکا بنا کر مجھ کو اس کے اندر بٹھا کر کھانا کھلایا شہر میں مرض کی بڑی شدت ہوگئی اور ہم وہاں طبیب ہوگئے۔ نمبردار نے ہمارا روپیہ واپس کر دیا۔ اور مجھے کہا کہ میں آپ کو مع آپ کے اسباب کے بھوپال پہنچادوں گا۔ اس نے اپنے عہد کو بڑی وفاداری سے نباہا۔ اسی راستہ میں میں نے حضرت شاہ وجیہ الدین کے (جو ہمارے شیخ المشائخ شاہ ولی اللہ صاحب کے بڑے تھے) گنج شہیداں کو دیکھنے اور عبرت حاصل کرنے میں بہت فائدہ اُٹھایا۔ وہاں شاہ صاحب کو کنگن ولی کہتے تھے۔

میں بھوپال پہنچا تو میرے پاس کچھ روپیہ تھا جس کو میں نے اپنے اسباب کے ساتھ بیرونی سرائے میں رکھا اور ایک روپیہ اُس میں سے نکال لیا کیونکہ بلاکسی اجازت خاص کے شہر کے اندر کسی اجنبی کو جانے نہیں دیتے تھے۔ اس لیے میں نے بیرونی سرائے میں اسباب رکھ کر کپڑے بدلے اور وہ ایک روپیہ رومال میں باندھ کر شہر میں چلا گیا شہر میں تھوڑی دُور چل کر باورچی کی دوکان آئی وہاں جاکر میں نے کھانا کھایا اس باورچی نے آٹھ آنے مجھ سے مانگے میں نے اس کو روپیہ دیا اس نے مجھ کو اٹھنی واپس دی وہ اٹھنی لیکر میں چلا اور قلعہ دار سے اجازت حاصل کی تھوڑی دیر کے بعد جو دیکھتا ہوں تو وہ اُٹھنی کہیں گر گئی تھی۔ جب واپس سرائے میں پہنچا تو میرا اسباب تو بالکل محفوظ تھا مگر روپے ندارد۔ دُوسرے دن میں اسباب کو لیکر جب دروازہ شہر میں داخل ہوا تو یہ فکر تھی کہ کتابیں وغیرہ کہاں رکھوں جب اُسی باورچی کی دوکان کے سامنے سے گذرا تو اُس نے کہا کہ کھانا کھالو میں نے اپنی کتابیں اور اسباب اس کی دُوکان پر رکھ کر بلا تکلف خوب کھانا کھالیا۔ میرے دل میں تھا کہ پیسے تو پاس میں نہیں مگر آخر تمام اسباب آٹھ آنہ کا بھی نہ ہوگا!؟ میں اسباب وہیں رکھ کر چلا آیا۔ بھوپال میں باجی کی مسجد بڑی عمدہ ہوا دار جگہ اور تالاب کے کنارے پر تھی مجھ کو پسند آئی۔ میں زیادہ حصّہ اسی میں رہتا تھا۔

اب میں اُس باورچی کی دوکان کی طرف بھی نہیں جاسکتا تھا۔ مجھ کو بہت وقتوں تک کھانے کا موقع نہ ملا۔ ایک دن میں نے دل میں یقین کیا کہ آج شاید شام تک نہ بچوں گا۔ [illegible] کی مسجد میں ایک چبوترہ تھا عصر کے بعد میں ٹیک لگا کر اُس چبوترہ پر بیٹھ گیا اور پھر لیٹ گیا۔ میرے بدن سے پسینہ جاری تھا اور خیال تھا کہ شام تک شاید ہی

زندہ رہوں۔ اسی وقت منشی جمال الدین مدار المہام نماز کے لیے آئے اور نماز پڑھ کر اپنے امام صاحب کو میرے پاس بھیجا۔ اس وقت میں تو جان سے بھی بیزار تھا لہٰذا امام صاحب نے جو کچھ مجھ سے کہا اس کا جواب میں نے بہت رُوکھا سوکھا دیا۔ معلوم نہیں کہ امام صاحب نے کیا جاکر کہا ہوگا مگر ان کے پہنچتے ہی منشی صاحب مع اپنے ہمراہیوں کے خود میرے پاس چلے آئے۔ ضعف کے باعث میں اُٹھ بھی نہیں سکتا تھا اور میری عادت بھی نہ تھی۔ امام صاحب نے ہی آگے بڑھ کر مجھ سے کہا کہ منشی صاحب آتے ہیں میں نے کہا آنے دو منشی صاحب آئے اور میں لیٹا ہی رہا منشی صاحب نے کہا آپ پڑھے ہوتے ہیں۔ میں نے کہا ہاں۔ پھر انہوں نے کہا آپ کیا کیا علوم جانتے ہیں میں نے کہا سبھی کچھ جانتا ہوں۔ تب اُنہوں نے اپنی نبض مجھ کو دکھائی۔ مجھے یہ تو یاد نہیں کہ میں نے نبض کس احتیاط سے دیکھی۔ اس روز ان کو بہت بدہضمی ہو چکی تھی میں نے نبض دیکھ کر کہا کہ بدہضمی ہے۔ انہوں نے مجھ سے نسخہ طلب کیا۔ میں نے ان کو نسخہ لکھوا دیا جو بہت قیمتی تھا۔ انہوں نے کہا اگر فائدہ نہ کرے۔ میں نے اس کا جواب نہایت سختی سے دیا۔ پھر انہوں نے کہا آپ علم مساحت جانتے ہیں؟ میں نے کہا جانتا ہوں۔ سامنے تالاب تھا جو بہت بڑا تھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ یہاں بیٹھ کر اس تالاب کی مساحت کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا ہاں۔ میں نے ایک قاعدہ کی طرف اشارہ کیا کہ یہ تو ایک قلم کے ذریعہ سے کر سکتے ہیں۔ بس اس کے بعد وہ سب لوگ چلے گئے۔ راستہ سے انہوں نے کہلا کر بھجوایا کہ ہم آپ کی ضیافت کرتے ہیں۔ میں نہ اُٹھ سکتا تھا نہ جا سکتا تھا۔ میں نے کہا مجھ کو ضیافت کی ضرورت نہیں۔ تب انہوں نے کہلا کر بھجوایا کہ مسنون دعوت ہے۔ میں نے سوچا مرتے تو ہیں آخر وقت سنّت پر تو عمل ہو اور کہا کہ بہت اچھا دعوت منظور ہے۔ غالباً دن ابھی بہت باقی تھا کہ ایک سپاہی آیا اور کہا کہ کھانا تیار ہے چلو۔ میں نے اس سے کہا کہ میں چل نہیں سکتا۔ اُس نیک انسان نے کہا کہ آپ میری پیٹھ پر سوار ہو جائیں۔ چنانچہ میں اس کی پُشت پر سوار ہو گیا اور وہ مجھ کو خوب احتیاط سے لے گیا۔ وہاں کھانا دسترخوان پر چُنا جا چکا تھا۔ اُس سپاہی نے لے جاکر مجھ کو منشی صاحب کے پاس ہی بٹھا دیا۔ میں نے اُسوقت بہت غور کیا کہ کیا چیز ہے جو کھاؤں۔ پلاؤ کے ساتھ مجھ کو رغبت تھی۔ میں نے پلاؤ کی رکابی میں سے لقمہ اُٹھایا۔ جب مُنہ کے قریب لے گیا۔ تو ڈرا کہ ایسا نہ ہو گلے میں پھنس جائے اور جان نکل جاتے اس واسطے پلاؤ کے لقمہ کو پھینک دیا۔ پھر جو غور کیا تو ایک برتن میں مرغ کا شوربا تھا۔ میں نے اُس کو اٹھا لیا اور ایک بہت چھوٹا سا گھونٹ بھرا تو میری آنکھوں میں روشنی سی آگئی۔ پھر ایک اور گھونٹ بھرا۔ اسی طرح آہستہ آہستہ اسکو پینا شروع کیا۔ منشی صاحب نے اپنے باورچی کو بُلایا اور دریافت کیا کہ اس پلاؤ میں کیا نقص ہے اُس نے کہا اس میں نقص تو کوئی نہیں ہاں اس کے مرغ میں کسی قدر داغ لگ گیا تھا چونکہ یہ برتن بڑا ہے اور چاولوں کی زیادہ

مقدار اس میں ہے میں نے وہ داغ لگا ہوا گوشت نیچے دبا دیا ہے۔ منشی صاحب نے اُس میں سے ایک لقمہ اٹھا کر سونگھا مگر ان کو کچھ محسوس نہ ہوا۔ وہ یہ سمجھے کہ اس نے سونگھ کر اُس نقص کو محسوس کیا اور لقمہ چھوڑ دیا۔ پھر انہوں نے باورچی سے کہا کہ ان تمام کھانوں میں سب سے عمدہ پکا ہوا کھانا کونسا ہے اُس نے کہا شوربا جس کا پیالہ ان کے ہاتھ میں ہے۔ خیر میں نے وہ شوربا قریبًا تمام ہی پی لیا اور وہ اس وقت میرے لیے بہت ہی مفید ہوا میرے ہوش و حواس اور قویٰ ٹھیک ہو گئے۔ جب کھانے سے سب فارغ ہو گئے تو اور لوگوں کو ہٹا دیا اور مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو کہاں سے آئے ہو۔ ان دنوں میرا لہجہ اُردو کا لکھنوی طرز پر تھا۔ میں نے کہا کہ میں ایک پنجابی آدمی ہوں اور یہاں پڑھنے کے لیے آیا ہوں۔ یہ بات میرے لیے بہت ہی مفید ہوئی۔ منشی صاحب کو یہ گمان تھا کہ یہ کوئی آسودہ حال صدمہ رسیدہ اور حوادث کا پامال ہے پڑھنے کا یونہی نام لیا ہے ورنہ یہ خود عالم ہے۔ تب انہوں نے فرمایا کہ آپ میرے پاس رہیں اور میرے ساتھ ہی کھانا کھایا کریں۔ جہاں آپ کو پڑھنا ہو گا میں کوشش کر دونگا۔ اُن کا ایک توشہ خانہ تھا اس میں رہنے کے لیے جگہ دی اور اپنے مہتمم کتب خانہ کو حکم دیا کہ کسی کتاب سے ان کو مت روکو۔ میں نے کہا میرے پاس بھی کتابیں ہیں۔ ایک دوکان پر اپنا سامان رکھ دیا ہے اس دوکاندار کو کچھ دینا ہو گا وہاں سے سامان منگوا دیں جو دینا ہو گا میں دیدوں گا۔ تھوڑی دیر کے بعد سب سامان مع کتابوں کے پہنچ گیا۔ اور میں ان کے توشہ خانہ میں رہنے لگا۔ حضرت مولوی عبدالقیوم صاحب سے میں نے بخاری اور ہدایہ دو کتابیں شروع کیں۔ حضرت منشی صاحب مغرب کے بعد خود قرآن شریف کا لفظی ترجمہ پڑھایا کرتے تھے۔ ایک روز میں بھی اس درس میں چلا گیا۔ وہاں یہ سبق تھا وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ۔ محمد عمران کا نواسہ قاری تھا۔ میں نے کہا کیا اجازت ہے ہم لوگ کچھ سوال بھی کریں۔ منشی صاحب نے فرمایا بخوشی۔ میں نے کہا یہاں بھی منافقوں کا ذکر ہے اور نرم لفظ بولا ہے یعنی بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ اور اس سورۃ کے ابتداء میں جہاں انہیں کا ذکر ہے وہاں بڑا تیز لفظ ہے إِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ اس نرمی اور سختی کی وجہ کیا ہو گی؟ منشی صاحب نے فرمایا کیا تم جانتے ہو؟ میں نے کہا میرے خیال میں ایک بات آتی ہے کہ مدینہ منورہ میں دو قسم کے منافق تھے ایک اہل کتاب ایک مشرک۔ اہل کتاب کے لیے نرم یعنے بعضہم کا نرم لفظ اور مشرکین کے لیے سخت إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ بولا ہے۔ منشی صاحب سُن کر اپنی مسند پر سیدھے کھڑے ہو گئے اور میرے پاس چلے آئے۔ مجھ سے کہا کہ آپ وہاں بیٹھیں اور میں بھی اب قرآن شریف پڑھوں گا۔ قدرت الٰہی ہم وہاں ایک ہی لفظ پر قرآن کریم کے مدرس بن گئے۔

منشی صاحب کو دن بدن مجھ سے محبت بڑھتی ہی جاتی تھی۔ ان کے دربار میں ایک روز کوئی اخلاقی مسئلہ پیش ہوا۔

مَیں بھی وہاں موجود تھا۔ قاضی شہر نے شاہ اسحٰق صاحب کی نسبت کوئی سخت لفظ بولا۔ صرف اتنی غیرت پر مَیں وہاں سے اُٹھ کر چلا آیا۔ کھانے کے وقت مَیں منشی صاحب کے یہاں نہیں گیا۔ وہ مجھ سے اتنی محبت کرتے تھے کہ اس روز خود بھی کھانا نہیں کھایا۔ مَیں زمانہ سے ناتجربہ کار۔ مجھ کو خبر نہیں کہ وہ مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں۔ دوسرے دن انہوں نے کسی آدمی سے دریافت کیا کہ نوردین عصر کی نماز کہاں پڑھتا ہے۔ اُس نے کہا کہ توشہ خانہ کے پاس کی مسجد میں۔ مَیں وہاں عصر کی نماز پڑھتا تھا۔ خود منشی صاحب میرے داہنی طرف آکر بیٹھ گئے۔ مَیں نے جو سلام پھیرا اور کہا کہ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ فوراً فرمانے لگے اخاہ! آپ نے تو ابتدا کر دی میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھا لیا۔ ایک بگھی جس کو وہاں چیٹ کہتے تھے اس میں اپنے ساتھ سوار کر کے شہر سے باہر بہت دُور لے گئے۔ باہر جا کر مجھ سے کہا کہ آپ نے تو کل سے ہم کو بھوکا رکھا۔ مَیں نے کہا آپ کی محفل میں شاہ اسحٰق صاحب کی برائی ہوئی ہے اور مَیں تو شاہ صاحب کا عاشق ہوں منشی صاحب نے فرمایا آپ نے شاہ اسحٰق صاحب کو دیکھا ہے؟ مَیں نے کہا نہیں۔ کہا مَیں نے تو شاہ صاحب کی خدمت میں قرآن شریف پڑھا ہے مَیں شیعہ تھا اور سخت شیعہ تھا مگر ہمارا گھر دہلی میں ایسی جگہ تھا کہ شاہ صاحب کے سامنے سے ہو کر جانا پڑتا تھا۔ آخر مَیں شاہ صاحب کے درس میں شریک ہوا اور انہیں کی صحبت کا نتیجہ کہ مَیں موجودہ حالت کو پہنچا۔ پھر اپنا سارا قصّہ تشیّع کا اور سُنّی ہونے کا سنایا اور کہا کہ مَیں شاہ صاحب کا بہت معتقد ہوں۔ لیکن وہ ایک سرکاری معاملہ تھا جس میں اس وقت مجھ کو بولنا مناسب نہ تھا اور یہ لوگ ایسے ہی ہیں انکی باتوں کی طرف زیادہ التفات نہیں چاہیے۔ یہ کہہ کر بگھی کو لوٹایا اور مجھ کو اپنے مکان پر لے گئے کھانا کھایا اور مجھ سے کہا کہ آپ ایسی باتوں کا زیادہ خیال نہ کیا کریں۔ مَیں نے ان کی قرآن شریف کی آیتوں سے محبت اور وقّاف للقرآن ہونا اس طرح دیکھا کہ مجھ کو یاد نہیں کہ کسی اور کو ایسا دیکھا ہو۔

ایک دفعہ مَیں منشی جمال الدین صاحب کے ساتھ ان کے باغ میں جاتا تھا راستہ میں انہوں نے پوچھا کہ حَتّٰٓی اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ میں جس طرح ما سے پہلے اذا آیا ہے عربی کے کسی شعر میں اس کی مثال موجود ہے؟ بچپن کی حالت بھی کیا بُری ہوتی ہے مَیں اور اُن کا نواسہ محمّد نام بگھی میں ایک سیٹ پر بیٹھے تھے اور مقابل کی سیٹ پر منشی صاحب تھے۔ میرے مُنہ سے بے ساختہ نکل گیا ؎

اذا ما بکی من خلفھا انصرفت لہ
بشق وتحتی شقھا لم تحول

پڑھنے کو تو میں نے یہ شعر پڑھ ہی دیا مگر اُس حالت کو کوئی کیا سمجھ سکتا ہے جب انہوں نے کہا کہ اس شعر کا ترجمہ کرو۔ مَیں نے میاں محمّد کی طرف دیکھا اور انہوں نے مُنہ کے سامنے کوئی چیز کر کے گردن جھکائی اور مسکراتے وہ بھی خاموش

اور میں بھی چپ۔ منشی صاحب کی طبیعت بہت ہی نیک تھی وہ فوراً ہی سمجھ گئے کہ یہ کوئی فحش شعر ہوگا اور بات کو ٹلا دیا اور سلسلۂ کلام شروع کر دیا۔ اس روز مجھ کو یہ سبق ملا کہ بات کو منہ سے نکالنے میں انسان کو بہت زیادہ عاقبت اندیشی سے کام لینا چاہیئے کو بعض اوقات زیادہ غور و خوض انسان کو نقصان بھی پہنچا دیتا ہے مگر اس کی تلافی دعاؤں سے ہو سکتی ہے۔ مجھ کو اپنی اس حرکت پر بڑی حیرت رہی مگر ان کی شرافت دیکھو کہ کسی دن بھی انہوں نے اس شعر کے متعلق مجھ سے نہ پوچھا۔ بھوپال میں میں دو دفعہ گیا ہوں۔ طالب علمی میں تو یہی کافی ہے کہ میں نے بخاری اور ہدایہ مولوی عبدالقیوم صاحب سے پڑھیں اور حدیث مسلسل بالاولیت میں نے وہاں کے مفتی صاحب سے سنی فجزاہ اللہ احسن الجزاء جو انہوں نے محمد بن ناصر حضرمی سے روایت کی۔

محمد بن ناصر حضرمی کا ایک قصہ مجھ کو منشی صاحب نے سنایا کہ ایک مرتبہ وہ میرے مکان پر آئے چونکہ بڑے نیک اور مشہور آدمی تھے میں نے ایک ہزار روپیہ کی تھیلی ان کے سامنے رکھ دی یہ دیکھ کر ان کے چہرہ پر بڑا تغیّر اور خفگی کے آثار نمایاں ہوئے۔ میں نے وہ تھیلی فوراً اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لی تو ان کے چہرہ پر بشاشت کے آثار نمایاں ہوتے اور میں ہنس پڑا وہ کہنے لگے کہ تم کیوں ہنسے میں نے کہا کہ میں نے روپیہ آپ کے سامنے رکھا تو آپ کے چہرہ پر تغیّر نمایاں ہوا اور جب میں نے روپیہ اُٹھا لیا تو آپ کے چہرہ پر خوشی کے آثار نمایاں ہوئے۔ فرمانے لگے کہ ہاں ہمارا ارادہ تھا کہ آپ کے پاس آیا کریں گے اور آپ کو حدیث سنائیں گے۔ جب آپ نے روپیہ رکھا تو ہم کو رنج ہوا کہ یہ تو دنیادار آدمی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ کوئی روپیہ دے تو واپس نہ کرو اس لیے ہم روپیہ تو لے لیتے مگر روپیہ لیکر حدیث نہ سناتے۔ اب معلوم ہوا کہ تم بڑے ذہین آدمی ہو اس لیے ضرور آیا کرینگے اور تم کو حدیث سُنائیں گے۔ یہ فرمانے لگے کہ ہم کو روپیہ کی ضرورت نہیں ہمارے گھر اس قدر کھجوریں پیدا ہو جاتی ہیں کہ جو سال بھر کے لیے کافی ہوتی ہیں۔ ہمارے گھر کے اونٹ ہیں ایک طرف اونٹ پر کھجوریں لاد لیتے ہیں دوسری طرف غلام کو سوار کر لیتے ہیں۔ پانی کا مشکیزہ اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، اسی طرح حج کو جاتے ہیں اور دُور دُور سفر کر آتے ہیں۔ کسی چیز کی اور الحمدللہ ضرورت نہیں یہ قصّہ خود منشی جمال الدین صاحب نے بلا کسی وساطت کے سُنایا کہ محمد بن ناصر حضرمی (حضرموت کے رہنے والے) جب بات کرتے تھے تو بہت جلد جلد بلا تکان زبان سے الفاظ نکلتے تھے مگر کوئی لفظ قرآن حدیث کے الفاظ سے باہر نہ ہوتا۔

منشی جمال الدین صاحب کی ایک بات دیکھی کہ وہ ہمیشہ نابینا مرد یا نابینا عورت کی تلاش میں رہتے تھے اور دُور دُور سے بلواتے تھے۔ کبھی مرد و عورت دونوں نابینا ہوتے تھے اور ان کی شادی کر دیتے تھے کبھی دونوں میں ایک

ہی نابینا ہوتا تھا۔ ان سب کا تمام خرچ وہ خود برداشت کرتے تھے اور ان کا ایک محلّہ آباد کیا تھا۔ ان کے جو بچّے ہوتے تھے اُن کے لیے اسی محلّہ میں ایک مدرسہ بھی جاری کیا تھا۔ ایک روز ایک لڑکے کو (جس کے ماں باپ دونوں نابینا تھے) دیکھ کر وجد کی حالت منشی صاحب پر طاری ہوگئی مجھ سے کہنے لگے کہ دیکھو اس کی دونوں آنکھیں کیسی اچھی ہیں۔ وہاں دُور دُور کے اندھے جمع تھے حتّٰی کہ ایک سیالکوٹ کا بھی تھا۔ منشی صاحب اقتصاد کے بڑے عالم تھے۔ اُن کے لیے عُضلہ کا ایک سیر گوشت خصوصیت سے پکتا تھا۔ ایک وقت کھانا کھاتے تھے اس گوشت میں کئی آدمیوں کو شریک کر لیتے تھے۔ ایک روز مجھ سے کہنے لگے کہ مَیں نوجوان تھا جب یہاں نوکر ہوا میں نے تین روپیہ سے زیادہ کا گوشت ابتک نہیں کھایا۔ مجھ کو سُن کر بہت تعجب ہوا تو فرمانے لگے کہ مَیں تین روپیہ کا ایک بکرا ہر روز خریدتا ہوں اور نماز فجر کے بعد اس کو ذبح کر دیتا ہوں۔ ایک سیر گوشت اُس میں سے نکلوا کر باقی پر ایک سپاہی کھڑا دیتا ہوں کہ اس سے تین روپیہ وصول کر لے وہ باقی گوشت پوست فوراً تین روپیہ میں فروخت ہو جاتا ہے اور لوگ علی الصباح آکر سب خرید کر لے جاتے ہیں اس طرح ہر روز ہم کو تین روپیہ بچ جاتے ہیں۔ یہ طریقہ انہوں نے اپنے بہت سے کھانے پینے میں مقرر کر رکھا تھا مگر مجھ کو تو صرف گوشت کا حال سنایا تھا۔

بھوپال کے واقعات بہت ہی عجیب ہیں مگر طبّی امور کے متعلق صرف یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ میں نے نہایت عمدہ دو صدریاں بنوائی تھیں جن کے پہننے کی ہمیشہ مجھے عادت تھی ان میں سے ایک چوری ہوگئی مجھے یقین ہوا کہ طالب علمی کی حالت میں یہ ایک مصیبت ہے۔ مصیبت پر صبر کرنے والے کو نعم البدل ملتا ہے دُوسری صدری کو اس کے شکریہ میں دیدیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد ایک امیر کبیر لڑکے کو سوزاک ہوا اس نے اپنے آدمی کو کہا کہ کوئی ایسا طبیب جس کو لوگ نہ جانتے ہوں بلالاؤ مگر وہ بنی ہوئی دوا نہ دے بلکہ سہل دوا بتلا دے ایسی نہ ہو کہ جس کے بنانے میں مجھے عام نوکروں کو آگاہی کرنی پڑے۔ جن سے کہا تھا ان کا نام پیر ابو احمد مجدّدی تھا انہوں نے کہا کہ ایک طالب علم طبیب ہے اور اس کے طبیب ہونے سے لوگ ناواقف ہیں۔ مَیں اُس کو اپنے ساتھ لاؤں گا چنانچہ وہ مجھ کو وہاں لے گئے۔ وہ نوجوان اپنے گھر کے ایک دالان کے آگے کُرسی پر بیٹھا ہوا تھا وہاں ایک باغیچہ بھی تھا وہیں ہمارے لیے کرسیاں منگوائیں۔ مَیں نے اس کا حال دریافت کر کے کہا کہ کیلے کی جڑ کا ایک چھٹانک پانی صاف کر کے اس میں یہ شورہ قلمی جو آپ کے دالان میں بارود کے لیے رکھا ہے کئی دفعہ پئیں اور شام تک مجھے اطلاع دیں۔ مَیں کہکر چلا آیا اور قدرت الٰہی سے اس کو شام تک تخفیف ہوگئی۔ اس نے مجھے ایک گراں بہا خلعت اور اتنا روپیہ دیا کہ مجھ پر حج فرض ہوگیا۔ ساتھ ہی یہ بات ہوئی کہ مجھے شدت بخار میں سیلان اللعاب خطرناک رنگ

میں شروع ہوا جس میں پانی بُودار سیاہ رنگ نکلتا تھا۔ ایک شخص حکیم فرزند علی نے مجھے رائے دی کہ آپ کا وطن اگر قریب ہے تو جلد چلے جائیں اس احتراق مواد سے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ شام کے وقت ایک بزرگ جو وہاں مہتمم طلبۃ العلم تھے اور نہایت ہی مخلصانہ حالت میں تھے آئے اور کہنے لگے کہ میں بوڑھا ہوں میرے مُنہ سے لعاب آتا ہے کوئی ایسی چیز بتاؤ جو افطار کے وقت کھالیا کروں۔ میں نے کہا مربائے آملہ بنارسی دانہ الائچی، ورق طلا سے افطار کریں وہ یہ نسخہ دریافت کر کے گئے معاً واپس آئے اور ایک مرتبان مربہ اور بہت سی الائچیاں اور دفتری ورق طلا کی میرے سامنے لا رکھی اور کہا کہ آپ کے مُنہ سے بھی لعاب آتا ہے آپ بھی کھائیں۔ میں نے ان کو کھانا شروع کیا۔ ایک آدھ کے کھانے سے چند منٹ کے لیے تخفیف ہوگئی جب پھر پانی کا آغاز ہوا تو ایک ایک اور کھالیا۔ غرض مجھے یاد نہیں کہ کس قدر کھا گیا۔ عشاء کے بعد مجھے بہت تخفیف ہوگئی اور میں نے بجائے وطن کے حرمین کا ارادہ کر لیا۔

میں جب بھوپال سے رُخصت ہونے لگا تو اپنے استاد مولوی عبدالقیوم صاحب کی خدمت میں رخصتی ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ سینکڑوں آدمی بطریق مشایعت میرے ہمراہ تھے جن میں اکثر علماء اور معزز طبقہ کے آدمی تھے میں نے مولوی صاحب سے عرض کیا کہ مجھ کو کوئی ایسی بات بتائیں جس سے میں ہمیشہ خوش رہوں۔ فرمایا کہ "خدا نہ بننا اور رسول نہ بننا"۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی اور یہ بڑے بڑے عالم موجود ہیں غالباً یہ بھی نہ سمجھے ہوں۔ سب نے کہا ہاں ہم بھی نہیں سمجھے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم خدا کس کو کہتے ہو؟ میری زبان سے نکلا کہ خدائے تعالیٰ کی ایک صفت فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ فرمایا کہ بس ہمارا مطلب اسی سے ہے یعنی تمہاری کوئی خواہش ہو اور وہ پوری نہ ہو تو تم اپنے نفس سے کہو کہ میاں تم کوئی خدا ہو؟ رسول کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آتا ہے وہ یقین کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی سے لوگ جہنم میں جائیں گے اس لیے اس کو بہت رنج ہوتا ہے۔ تمہارا فتویٰ اگر کوئی نہ مانے تو وہ یقینی جہنمی تھوڑا ہی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا تم کو اس کا بھی رنج نہ ہونا چاہیے۔ حضرت مولوی صاحب کے اس نکتہ نے ابتک مجھ کو بڑی راحت پہنچائی ہے۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ۔

حرمین کے لیے سفر مجھ کو اس تپ نے جو بھوپال میں آتا تھا بھوپال سے جدا ہونے کے بعد بھی سفر میں نہیں چھوڑا مگر اس کا یہ قاعدہ تھا کہ پندرہ دن کے بعد صرف ایک دن کے لیے ہوا کرتا تھا۔

راستہ میں بُرہان پور سٹیشن پر میں اُترا۔ جب شہر میں گیا تو ایک آدمی مولوی عبداللہ نام مجھ کو ملے اُنہوں نے میری بڑی خاطر مدارت کی اور کہا کہ میں تمہارے باپ کا دوست ہوں۔ جب میں رخصت ہوا تو انہوں نے مجھ کو مٹھائی کی ایک ٹوکری دی۔ جب راستہ میں ٹوکری کھولی تو اس میں ایک ہزار روپیہ کی ہنڈی مکہ معظمہ کے ایک ساہوکار کے نام

تھی اور کچھ نقد روپیہ بھی تھا۔ اُس ہنڈی میں لکھا تھا کہ نورالدین کو ایک ہزار روپیہ تک جب وہ طلب کریں دیدو اور ہمارے حساب میں لکھ لو۔ اُن کے حوصلہ کو دیکھ مجھے تعجب ہوا۔ اگرچہ میں نے وہ ایک ہزار روپیہ وصول نہیں کیا مگر اُن کے حوصلہ کی داد دینی ضروری ہے۔ ان مولوی عبداللہ صاحب نے بیان کیا کہ "میں ساہی وال ضلع شاہپور کا باشندہ ہوں۔ میں مکہ معظمہ میں حج کو گیا۔ اس زمانہ میں بہت ہی غریب تھا۔ مکہ معظمہ میں صبح سے شام تک "لقمہ للہ مسکین" کی صدا سے بھیک مانگتا تھا پھر بھی کافی طور پر پیٹ نہیں بھرتا تھا۔ اور تمام دن بازاروں گلی کوچوں میں پھرتا رہتا تھا۔ ایک دن میرے دل میں خیال آیا کہ تو اگر کبھی بیمار ہو جائے اور اتنا زیادہ نہ چل سکے تو بھوک کے مارے مرجائے گا۔ اس تحریک کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ بس آج ہی مرجائیں گے اور اب سوال نہ کرینگے۔ پھر میں بیت اللہ شریف میں گیا اور پردہ پکڑ کر یوں اقرار کیا کہ "اے میرے مولا! گو تو اس وقت میرے سامنے نہیں مگر میں اس مسجد کا پردہ پکڑ کر عہد کرتا ہوں کہ کسی بندے اور کسی مخلوق سے اب نہیں مانگوں گا۔" یہ معاہدہ کر کے پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک شخص آیا اس نے میرے ہاتھ پر ڈیڑھ آنہ کے پیسے (انگریزی سکے) رکھ دیئے۔ اب میرے دل میں یہ شک ہوا کہ میری شکل سائل کی سی ہے گو میں نے زبان سے سوال نہیں کیا اس لیے میرے لیے یہ پیسے جائز ہیں یا نہیں میں یہ سوچنے لگا اور وہ شخص اتنے میں غائب ہو گیا۔ میں نے وہاں سے اُٹھ کر دو پیسے کی تو روٹی کھائی اور چار پیسے کی دیاسلائیاں خریدیں جو بارہ ڈبیاں ملیں۔ چونکہ مجھ کو گلی کوچوں میں دن بھر چلنے کی عادت تو تھی ہی۔ ان دیاسلائیوں کو ہاتھ میں لیکر کبریت کبریت کہتا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ چھ پیسے کی بک گئیں۔ پھر میں نے چھ پیسے کی خریدیں وہ بھی اسی طرح بیچ دیں۔ آخر شام تک میرے پاس ایک چونی ہو گئی۔ دو پیسے کی روٹی کھا کر رات کو سو رہا۔ دوسرے دن پھر دیاسلائیاں خریدیں اور اسی طرح بیچیں۔ چند روز کے بعد وہ اتنی ہو گئیں کہ جن کے اُٹھانے میں دقت ہوتی تھی۔ آخر میں نے وہ مختلف چیزیں جن کی عورتوں کو ضرورت ہوتی ہے خریدیں اور بقچہ کمر سے لگا کر پھرنے لگا مگر سودا ایسا خریدتا تھا اور نفع اس قدر کم لیتا تھا کہ شام تک سب فروخت ہو جائے۔ رات کو بالکل فارغ ہو کر سوتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد ایک چادر بچھا کر اس پر سودا جما کر بیٹھ جاتا اور فروخت کرتا پھر اس قدر ترقی ہو گئی کہ میں نے نصف دوکان کرایہ پر لے لی۔ پھر اس قدر ترقی ہوئی کہ میں بمبئی آ گیا۔ وہاں قرآن شریف خریدتا اور اردگرد کے گاؤں اور قصبوں میں لیجا کر فروخت کرتا۔ پھر میری ایسی ساکھ بڑھی کہ میں تیس ہزار روپیہ کے قرآن شریف خرید کر تمہارے شہر بھیرہ میں لے گیا اور تمہارے والد نے وہ سب کے سب خرید لیے۔ مجھ کو اس میں منافع عظیم ہوا۔ پھر دوبارہ اسی طرح ہزاروں ہزار کے قرآن شریف خرید کر لے جاتا۔ جب میں نے دیکھا کہ اب روپیہ بہت زیادہ ہو گیا ہے اور اس تجارت سے بڑھ کر ہے تو میں نے کپڑے کی تجارت شروع کی۔ یہ میری

عادت تھی کہ مال بہت جلد فروخت کر دیتا تھا اور نفع بہت کم لیتا تھا۔ اب مال اس قدر بڑھا کہ میں برہانپور سے اس کو اٹھا نہ سکا۔ میں نے بمبئی کوٹھی بنالی۔ اور اب میں اتنا بڑا آدمی ہوں۔" اس سے مجھ کو اس حدیث کا مضمون صحیح ثابت ہوا کہ جس میں ارشاد ہے کہ تجارت میں بڑا رزق ہے۔

میں جب بمبئی پہنچا تو مولوی عنایت اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ مجھے اُس زمانہ میں فوز الکبیر کا بڑا شوق تھا۔ میں نے ان سے کہا آپ یہ کتاب مجھکو کہیں سے پیدا کر دیں۔ اُنہوں نے فرمایا کہ کل آؤ۔ میں جب دوسرے دن گیا تو اُنہوں نے وہ کتاب بمبئی کی چھپی ہوئی مجھے دکھائی اور کہا کہ ہم اُس کی قیمت پچاس روپیہ لیں گے۔ میں نے فوراً پچاس روپیہ کا نوٹ نکال کر ان کو دیدیا اور وہ کتاب لے کر کھڑا ہو گیا اور باہر جانے لگا۔ اُنہوں نے کہا کیوں اسقدر جلدی کیوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے کہا کہ بیع شرا میں ایک مختلف مسئلہ ہے حنفیہ تفارق قولی کے قائل ہیں اور محدثین تفارق جسمی کی طرف مائل ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ احتیاطاً دونوں کے موافق بیع صحیح اور قوی ہو جاتے اس لیے آپکے مکان سے جانیکا ارادہ کیا ہے ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے بھی ایسا ہی کیا تھا چنانچہ میں اس وقت ان کے موافق عمل کرتا ہوں۔ میں وہاں سے اُٹھ کر گلی میں جا کر پھر جلد واپس آگیا۔ تھوڑی دیر بیٹھے رہے اور باتیں کرتے رہے۔ مجھے وہ بڑے ہی مخلص اور عمدہ آدمی معلوم ہوئے جب باتوں سے فارغ ہو کر میں اُٹھنے لگا تو اُنہوں نے پچاس کا نوٹ نکالا اور مجھ سے کہا کہ یہ میں اپنی طرف سے آپ کو اس عمدہ نظارہ پر دیتا ہوں جو عمدہ کتابوں سے آپ کے محبت کرنے کے متعلق میں نے دیکھا۔ میں نے کہا گو میں طالب علم آدمی ہوں مگر محتاج نہیں ہوں۔ حج مجھ پر فرض ہے۔ مگر اُنہوں نے وہ پچاس روپیہ مجھ کو واپس کر ہی دیئے یا یُوں سمجھو کہ اپنے پاس سے دیئے۔

بمبئی سے روانگی کے وقت مجھ کو اپنے وطن کے پانچ آدمی حج کو جاتے ہوئے ملے جن کے باعث مجھ کو جہاز میں بڑا آرام ملا کیونکہ وہ میرے مفت کے خدمتگذار ہوتے تھے۔ بندرگاہ حدیدہ میں اس جہاز کو کچھ مدت ٹھہرنا تھا۔ میں جوان آدمی تھا اس لیے میرا ارادہ ہوا کہ جب تک جہاز لنگر ڈالے ہوئے ہے میں یمن کے اندرونی حصہ کے علماء دیکھ آؤں چنانچہ میں حدیدہ سے مراعہ پہنچا اور وہاں سے میں نے بہت کچھ نفع اُٹھایا۔ اور تعجب ہے کہ وہاں کے ایک نوجوان نے مجھ سے الفیہ کی اجازت لکھوائی جو مجھ کو اس وقت بڑے اچنبے کی بات معلوم ہوتی تھی۔ اُس نوجوان نے کچھ الفیہ مجھ سے پڑھ بھی لیا۔ ان احباب میں سے جو سفر میں میرے شریک تھے دو شخصوں کو میں نے دیکھا کہ بلا کسی حساب کتاب کے شراکت میں خرچ اُٹھاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں پڑھا لکھا آدمی ہوں مجھ سے لکھوا لیا کرو۔ ان کو میری یہ بات بڑی ہی ناگوار گذری اور کہا کہ آپ بھائیوں میں تفرقہ ڈلوانا چاہتے ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ مزدوری

پیشہ لوگ ہیں اور یہاں خرچ بہت ہوتا ہے انجام ان کی کھیتی کا اچھا نہ ہوگا۔ وہ دو تو مجھ سے یوں ناراض ہو گئے۔ ایک ضعیف العمر تھے وہ تو ویسے ہی قابلِ ادب تھے۔ چوتھے صاحب جن سے بہت ہی آرام ملتا تھا انہوں نے مجھ سے کہا کہ اپنی کتابیں میرے صندوق میں رکھ دو کیونکہ اس میں جگہ خالی ہے میں سفروں کا تجربہ کار نہ تھا۔ میں نے کتابیں رکھ دیں۔ جدّہ سے ہم سوار ہوئے۔ پڑاؤ پر جہاں ٹھہرے وہاں یہ حادثہ ہوا کہ اُن کے صندوق کی کنجی گُم ہو گئی وہ طبیعت کے بڑے تیز تھے مجھ سے کہنے لگے کہ تمہاری کتابوں کے سبب سے چونکہ صندوق بھاری تھا اس لیے اس کی کنجی کسی نے چرائی ہے۔ تم ابھی کنجی پیدا کر دو میں نے کہا کہ تمہاری کنجی میں نے چرائی نہیں اور میری کتابیں اپنے صندوق میں تم نے خود ہی باصرار بلا میری درخواست کے رکھی ہیں۔ مگر وہ کچھ ایسے ضدّی آدمی تھے کہ ایک ہی بات پر اڑ گئے اور کہا کہ میری کنجی اسی وقت پیدا کرو۔ یہ معاملہ اتنا بڑھ گیا کہ شور برپا ہوا اور اردگرد کے تمام لوگوں کو اطلاع ہوئی۔ ایک ہمارے ساتھ لوہار تھا اس نے کہا کہ اس تالے کی اصل سے اعلیٰ کنجی مکہ معظمہ میں پہنچتے ہی بنا دونگا مگر اس وقت یہاں چونکہ کوئی سامان نہیں اس لیے مجبور ہوں۔ صندوق والے نے کہا کہ میں تو اپنی اصلی کنجی مانگتا ہوں۔ غرض کہ وہ ایسے پیچھے پڑے کہ کسی طرح چین لینے دیتے تھے۔ میں نے منت سماجت بھی کی اور لوگوں نے بھی ان کی خوشامد کی اور سمجھایا مگر وہ اپنی بات سے نہ ٹلے۔ رات کو وہ اور ہم سب سو گئے۔ اُسی رات ترکوں کے کیمپ پر چوروں نے حملہ کیا۔ ترک لوگ سپاہی تھے اُنہوں نے چوروں کا تعاقب کیا۔ بھاگتے چوروں کی کنجیاں رہ گئیں اور یہ کرشمہ اُس دُعا کا تھا جو رات کو میں نے جنابِ الٰہی میں کی تھی۔ صُبح کے وقت ترک مع کنجیوں کے اس گچھے کے ہندیوں کے کیمپ میں آئے اور منشا ان کا یہ تھا کہ جن کے صندوقوں میں وہ کنجیاں لگیں وہی چور ہیں ان کو پکڑ لیا جائے۔ میں نے ایک ترک کے ہاتھ میں کنجیوں کا گچھا دیکھا تو اُس میں وہ کنجی بھی تھی۔ میں نے اُس ترک سے کہا اگر ان کنجیوں کے ذریعہ سے چور پکڑنے منظور ہیں تو یہ کنجی تو میری ہے مجھ کو پکڑ لو مگر یہ کنجی مجھ کو دیدو۔ اوّل تو وہ کچھ خفا سا ہوا اور کہا کہ ہم تم کو پکڑ لیں گے۔ میں نے کہا کچھ ہرج نہیں مگر میری کنجی مجھے دیدو۔ آخر وہ کنجیوں کا تمام گچھا میری طرف پھینک کر چلا گیا۔ میں نے وہ کنجی صندوق والے صاحب کو دی کہ لیجئے وہ کچھ بہت ہی شرمندہ سے ہو گئے اور پھر مجھ سے عذر کرنے لگے۔ مکہ معظمہ میں کوئی بزرگ محمد حسین سندھی تھے ان کے مکان پر ہم اُترے اُنہوں نے اپنا بیٹا ہمارے ساتھ کر دیا کہ طواف القدوم کرا دے۔ مطوفوں کی ہوشیاری اور ذہانت کبھی میرے دل سے فراموش نہیں ہوئی اور میں ابتک حیران ہوتا ہوں کہ وہ کیسے ہوشیار ہوتے ہیں۔ ہم جب مسجد بیت اللہ میں داخل ہوتے تو مطوف کی پہلی آواز یہ تھی کہ یا بیت اللہ اس کی آواز پر میں نے کہا کہ مسنون دُعائیں جانتا ہوں میں خود پڑھ لونگا

تو دوسری آواز یہ تھی یا رب البیت اس کی ذہانت پر اس قدر تعجب ہوا کہ آج تک بھی وہ تعجب دُور نہیں ہوا۔ تمام مراتب میں اس نے سنن کو نہایت احتیاط سے مدِنظر رکھا۔ مَیں نے کسی روایت کے ذریعہ سُنا تھا کہ جب بیت اللہ نظر آئے تو اس وقت کوئی ایک دُعا مانگ لو وہ ضرور ہی قبول ہو جاتی ہے۔ مَیں علوم کا اس وقت ماہر تو تھا ہی نہیں جو ضعیف و قوی روایتوں میں امتیاز کرتا۔ مَیں نے یہ دُعا مانگی کہ "الٰہی مَیں تو ہر وقت محتاج ہوں اب مَیں کون کون سی دُعا مانگوں پس مَیں یہی دُعا مانگتا ہوں کہ مَیں جب ضرورت کے وقت تجھ سے دُعا مانگوں تو اُس کو قبول کر لیا کر"۔ روایت کا حال تو محدثین نے کچھ ایسا ویسا ہی لکھا ہے مگر میرا تجربہ ہے کہ میری تو یہ دُعا قبول ہی ہو گئی۔ بڑے بڑے نیچریوں فلاسفروں اور دہریوں سے مباحثہ کا اتفاق ہوا اور ہمیشہ دُعا کے ذریعہ مجھ کو کامیابی حاصل ہوئی اور ایمان میں بڑی ترقی ہوتی گئی۔

مکہ معظمہ میں پہلی مرتبہ

مکہ معظمہ میں مَیں نے شیخ محمد خزرجی سے ابوداؤد، اور سیّد حسین سے صحیح مسلم اور مُسلم مولوی رحمت اللہ صاحب سے پڑھنا شروع کی ان تینوں بزرگوں کی صحبت بڑی ہی دلربا تھی۔

سیّد حسین صاحب کی صُحبت میں مدت دراز تک حاضری کا اتفاق رہا مگر مَیں نے سوائے الفاظ حدیث کے قطعاً کوئی لفظ ان کی زبان سے نہیں سُنا جب مَیں نے مولوی رحمت اللہ صاحب سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم بیس برس سے دیکھتے ہیں کہ یہ کسی سے تعلق نہیں رکھتے اور ہم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ کھاتے کہاں سے ہیں۔ سیّد حسین صاحب نہایت ہی کم سخن تھے اور باتیں کرنے میں اس قدر تامل تھا کہ بعض اوقات ضروری کلام بھی نہیں فرماتے تھے۔ حرم میں مَیں اُن سے مسلم پڑھتا تھا۔ سائل بھی وہاں آ جاتے تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک ان سائلوں کو دیکھتے رہتے تھے پھر کسی کو کہتے تھے تم یا باسط پڑھو کسی کو کہتے یا غنی پڑھو کسی کو یا حمید کسی کو یا مجید وغیرہ پڑھنے کا حکم دیتے۔ یہ ان کی معمولی روزانہ باتیں تھیں لیکن مَیں اُن سے یہ نہ پوچھ سکا کہ یہ مختلف اسماء مختلف اشخاص کو آپ کیوں بتاتے ہیں ان کی قلت کلام نے پوچھنے کی اجازت نہیں دی۔

شیخ محمد صاحب کو صحاح ستہ خوب آتی تھیں۔ سادہ سادہ پڑھاتے تھے۔ مباحثات کی طرف سے ان کی طبیعت بالکل متنفر تھی۔ ایک دفعہ مَیں ابوداؤد پڑھتا تھا اعتکاف کے مسئلہ میں حدیث سے معلوم ہوتا تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر انسان معتکف میں بیٹھے۔ مجھے اشارہ کیا کہ تم حاشیہ کو پڑھو یہ حدیث بہت مشکل ہے۔ مَیں نے عرض کیا کہ یہ حدیث تو بہت آسان ہے۔ حکماً مَیں دیکھ لیتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا بہت مشکل ہے۔ مَیں نے سرسری طور پر اس کا حاشیہ دیکھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ حدیث مشکل ہے۔ کیونکہ اکیس تاریخ کو صبح کو بیٹھیں تو ممکن ہے اکیسویں رات

لیلۃ القدر رہو۔ اگر اس کے لحاظ سے عصر کو بیٹھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں۔ میں نے دیکھ کر کہا کہ ذرا بھی مشکل نہیں یہ محاشی کی غلطی ہے۔ میں ایسی راہ عرض کرتا ہوں جس میں ذرا بھی اشکال نہیں یعنی بیس کی صبح کو بیٹھے۔ انہوں نے کہا یہ تو اجماع کے خلاف ہے۔ میں نے کہا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال آپ پڑھیں اجماع محض دعاوی ہیں۔ ہر ایک شخص اپنے اپنے مذہب کی کثرت کو دیکھ کر لفظ اجماع بول لیا کرتا ہے۔ اس پر وہ بہت ہی تُند ہو گئے۔ میری عادت تھی کہ سبق کو پڑھ کر کسی بڑے کتب خانہ میں اس کی شرح دیکھا کرتا تھا اور کوئی لغت اٹک جاتا تھا تو لغت کی کتاب میں دیکھ لیتا تھا۔ میں نے ان کی تیزی کی طرف دھیان نہ کر کے سبق کو بہت تیزی سے پڑھنا شروع کر دیا۔ صبح سے لیکر دوپہر کے قریب تک پڑھتا ہی چلا گیا۔ مگر وہ چپ ہی بیٹھے رہے۔ جب ظہر کی اذان کی آواز آئی تو اتنا فرمایا کہ جماعت مشکل سے ملے گی۔ سوائے اس کے انہوں نے اس وقت تک کوئی کلام نہیں کیا۔ میں نے کتاب کو بند کر دیا۔ عبداللہ حلوانی ایک شخص کے مکان پر یہ سبق ہوا کرتا تھا اور دن کا کھانا میرا اور شیخ صاحب کا اسی کے یہاں ہوتا تھا۔ میں وضو کر کے ظہر کی نماز کو چلا گیا۔ ظہر کے بعد مولوی رحمت اللہ کے خلوت خانہ میں جا پہنچا۔ انہوں نے فرمایا کہ آج تمہارا اپنے شیخ سے مباحثہ ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ تلمیذ اور اُستاد کا کوئی مباحثہ نہیں ہو سکتا۔ میں طالب علم آدمی ہوں میرا مباحثہ ہی کیا۔ ہمارے شیخ تو بڑے آدمی ہیں۔ ہاں یوں طالب العلم اساتذہ سے کچھ پوچھا ہی کرتے ہیں۔ فرمانے لگے نہیں کوئی بڑا مسئلہ ہے۔ میں نے کہا مسئلہ تو کوئی نہیں۔ ایک جزوی بات تھی۔ مولوی صاحب کی طرز سے مجھ کو معلوم ہو گیا کہ ان کو ساری خبر پہنچ گئی ہے۔ مگر میں حیران تھا کہ سوائے میرے اور شیخ کے وہاں اور کوئی نہ تھا خبر کیسے پہنچی۔ اتنے میں مولوی صاحب نے خود ہی فرمایا کہ تمہارے شیخ آئے تھے اور فرماتے تھے کہ بعض طالب علم بہت دلیر آجاتے ہیں اور اُن کے مشکلات کا خمیازہ ہمیں اُٹھانا پڑتا ہے اور پھر انہوں نے سارا واقعہ ہم کو سُنایا۔ میں نے جب سمجھ لیا کہ اب اخفا کا کوئی موقع نہیں تو ان سے عرض کیا کہ یہ ایک جزوی مسئلہ ہے۔ اکیس کی صبح کو نہ بیٹھے بیس کی صبح کو بیٹھ گئے۔ اس طرح حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ مولوی رحمت اللہ صاحب نے فرمایا کہ بات اجماع کے خلاف ہو جاتی ہے۔ میں نے کہا کہ اس چھوٹی سی بات پر بھلا اجماع کیا ہو گا۔ تب انہوں نے فرمایا کہ سبق کل پڑھائیں گے اب تم ہمارے ساتھ ہمارے مکان پر چلو۔ یہ کر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جب خلوت خانہ سے نکل کر مسجد کے صحن میں پہنچ گئے میں نے عرض کیا حضرت اس کوٹھے کی طرف لوگ سجدہ کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے۔ میں نے کہا انبیاء کا اجماعی قبلہ تو بیت المقدس ہے اور اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو اہلِ کتاب کی کتابوں سے بہت آگاہ فرمایا ہے۔ آپ ایک شخص کے فرمان پر اجماع انبیا بنی اسرائیل کو کیوں چھوڑتے

ہیں۔ آپ نے تو اتنے بڑے اجماع کو چھوڑ دیا۔ میں نے اگر جزوی مسئلہ میں ایک حدیث کے معنی میں اختلاف کیا تو ہرج کیا ہوا۔ فرمایا دل دھڑکتا ہے۔ میں نے کہا جس کا دل نہ دھڑکے وہ کیا کرے۔ پھر فرمایا کہ دل دھڑکتا ہے اور کھڑے ہو گئے۔ تب میں نے بہت دلیری سے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ محقق اور عالم ہیں۔ ہر مسئلہ میں شخص واحد کا اتباع اس کے متعلق آپ مجھے ارشاد کریں۔ فرمایا ہم تو امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں مگر ہر مسئلہ میں تو ہم فتویٰ نہیں دیتے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور کے فرمانے سے تقلید شخصی کا مسئلہ تو حل ہو گیا۔ فرمایا تقلید کا مسئلہ بہت سہل اور بہت ہی مشکل ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس کلام کو نہیں سمجھا۔ فرمایا ہر جزوی مسئلہ میں ایک ہی شخص کی تقلید نہ کسی نے کی نہ کوئی کر سکتا ہے۔ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ تقلید شخصی کوئی بڑی بات نہیں اور مسئلہ صاف ہو جاتا ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ہم غدر میں ہندوستان سے بھاگے تھے تو پونا کے قریب ایک گاؤں میں ٹھہرے وہاں جمعہ کے دن ایک شخص وعظ کیلئے کھڑا ہوا اور اس نے اس طرح شروع کیا کہ نہ میں ہنبی (حنفی) کی مانوں نہ شافعی (شافعی) کی میں وہ کہوں جو حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے مولوی خرم علی صاحب کی کتاب نصیحت المسلمین شروع کر دی۔ بیچ میں یہ بھی کہا کہ یہ بات مشکوٰت میں لکھی ہے۔ جب وہ وعظ سے فارغ ہوئے تو معلوم ہوا کہ وہ مشکوٰۃ کو مشکوٰت کہہ رہے تھے۔ سو اس لیے تقلید کا مسئلہ مشکل ہے کیونکہ وہ پہلا فتویٰ دیں تو جو لوگ مشکوٰۃ کو مشکوٰت کہتے ہیں وہ بھی مجتہد مطلق بن جاتے ہیں۔ بات تو بہت ہی سہل تھی مگر بہت ہی مشکل ہو گئی۔ ہم علی العموم ان باتوں کے دشمن نہیں تمہاری شفاعت تمہارے شیخ سے کر دی ہے تم سبق پڑھنے جائیو وہ روکیں گے نہیں اور آزادی سے پڑھو ہم نے شیخ کو مطمئن کر دیا ہے۔ ہم تمہارا مذاق خوب جانتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ہمارے شیخ حدیث کا بڑا ادب کرتے ہیں۔ اگر میں اُن کے حضور پڑھتا رہوں تو وہ کبھی مجھ کو بند نہ کریں گے۔ فرمایا وہ ڈرے تھے ہم نے مطمئن کر دیا ہے۔ چنانچہ میں دوسرے دن گیا۔ گو شیخ صاحب اس دن تو نہ بولے مگر میں نے سبق پڑھ لیا۔ میں نے نسائی۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ اُن سے پڑھ لیں۔ ان دنوں مولوی ابو الخیر صاحب دہلوی خلف الرشید حضرت محمد عمر نقشبندی مجددی مجھ سے درالمختار پڑھا کرتے تھے۔ کچھ مدت کے بعد حضرت شاہ عبد الغنی مجددیؒ مدینہ سے مکہ میں تشریف لائے۔ شہر میں بڑی دھوم دھام مچی۔ میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت وہ حرم میں بیٹھے ہوئے تھے اور ہزاروں آدمی ان کے گرد موجود تھے۔ سب سے پہلے میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ اعتکاف کب بیٹھا جائے طالبعلمانہ زندگی بھی عجیب ہوتی ہے۔ وہی ایک مسئلہ اتنے بڑے وجود کے سامنے میں نے پیش کیا۔ آپ نے بے تکلف فرمایا کہ بیس کی صبح کو۔ میں تو سن کر حیران رہ گیا ان کی عظمت اور رُعب میرے دل میں بہت پیدا ہوا۔ مگر پھر بھی جرأت کر کے پوچھا کہ

حضرت میں نے سُنا ہے کہ یہ اجماع کے خلاف ہے۔ ان کے علم پر قربان جاؤں بڑے عجیب لہجہ میں فرمایا کہ جہالت بڑی بُری بلا ہے۔ حنفیوں میں فلاں فلاں۔ شافعیوں میں فلاں۔ حنابلہ میں فلاں۔ مالکیوں میں فلاں۔ کئی کئی آدمیوں کے نام لے کر کہا کہ ہر فرقہ میں اس بیّن کے بھی قائل ہیں۔ میں اس علم اور تجربہ کے قربان ہوگیا۔ ایک وجد کی کیفیت طاری ہو گئی کہ کیا علم ہے! اب وہاں سے ہٹ کر میں نے ایک عرضی لکھی کہ میں پڑھنے کے واسطے اس وقت آپ کے ساتھ مدینہ میں جاسکتا ہوں؟ اُس کاغذ کو پڑھ کر یہ حدیث مجھے سنائی المستشار موتمن پھر فرمایا کہ تمام کتابوں سے فارغ ہو کر مدینہ آنا چاہیے۔ میں نے یہ قصہ جاکر حضرت مولانا رحمت اللہؒ کے حضور پیش کیا اور عرض کیا کہ علم تو اس کو کہتے ہیں۔ یہ بھی عرض کیا کہ ہمارے شیخ تو ڈر گئے تھے مگر حضرت شاہ عبدالغنی صاحب نے تو حرم میں بیٹھ کر ہزار ہا مخلوق کے سامنے فتویٰ دیا مگر کسی نے چوں بھی نہ کی۔ فرمایا شاہ صاحب بہت بڑے عالم ہیں۔

حرمین میں جن شیوخ سے میں پڑھتا تھا ان میں سے جو شیخ الحدیث تھے ان کی والدہ کو قلاع کا مرض ہوا اور اطباء کے ناز سے وہ تنگ آگئے۔ مجھ سے فرمایا کہ کوئی طبیب تمہارا دوست ہو تو اس سے دوا لا دو۔ میں اس فن کا خوب ماہر تھا۔ میں نے یہ نسخہ بنا کر پیش کیا۔ شورہ قلمی دو ماشہ۔ کتھا دو ماشہ۔ الائچی خورد دو ماشہ۔ گل سُرخ دو ماشہ۔ کافور ایک ماشہ۔ توتیائے سبز بریاں چھ رتی۔ شاید کچھ کمی بیشی بھی ہو مگر شیخ سے یہ اظہار نہ کیا کہ میں طبیب ہوں۔ اس کے استعمال نے معاً فائدہ دیا۔ یہ اُن کو پھر بھی معلوم نہ ہوا کہ یہ خود طبیب ہے۔ وہاں ایک اور امر میری طبّی توجہ کے بڑھانے کا یہ ہوا کہ ڈاکٹر محمد وزیر خان صاحب جو ہمارے شیخ مولوی رحمۃ اللہ صاحب کے بڑے دوست اور مناظرہ آگرہ میں شامل تھے مولوی صاحب کے مکان پر ان سے تعارف ہوا۔ ان دنوں شریف مکہ کو سنگ مثانہ تھا۔ چونکہ فرانس کے ساتھ وہاں کے شریف کا تعلق تھا فرانس سے وہ آلہ جس سے پتھری کو پیس کر نکالتے ہیں منگوایا گیا اور ڈاکٹر صاحب نے اس کو پیس کر نکالا۔ اس کامیاب تجربہ سے مجھے ڈاکٹری طب کا بہت شوق ہوا مگر میری موجودہ حالت اور شواغل اس طرف جھکنے نہ دیتے تھے۔ ڈیڑھ برس کے بعد مجھے کچھ سبکدوشی ہوئی تو حضرت شیخ المشائخ پیر و مُرشد حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے نیاز حاصل ہوا اور اس طبیب روح کے باعث مدینہ چلا گیا۔ ان کے حضور بہت مدت رہا۔ اس عرصہ میں تمام دنیوی شواغل چھوٹ گئے۔ صرف ایک مخلص عنایت فرما جو عورتوں کے تپ دق سے خوب ماہر تھے ان سے کبھی کبھی طبی تذکرہ ہو جاتا تھا۔ وہاں کی اقامت میں خود تجربہ کا خیال حضرت شاہ صاحب کی خاص توجہات کے باعث ہرگز نہ ہو سکا۔

مکہ معظمہ میں ایک قابل افسوس امر یہ پیش آیا کہ میرے شہر کا رہنے والا میرا ہم وطن میرا ہم مکتب ایک شخص وہاں

رہتا تھا چونکہ اتنے تعلقات تھے اس لیے میں جب مدینہ طیبہ کو جانے لگا تو اپنا بہت سا اسباب اور روپیہ اس کے پاس رکھ دیا اور کہا کہ میں زمانہ دراز تک مدینہ منورہ میں رہوں گا۔ یہ روپیہ تجارت میں لگا کر تم کو فائدہ ہو جائے گا۔ میں جب آئندہ حج کے وقت آؤں گا تو روپیہ تم سے لے لوں گا۔ تم حج کے زمانہ سے پہلے ہی روپیہ جمع کر رکھنا۔ میں جب آیا اور حج سے فارغ ہوا تو روپیہ اور اسباب اس سے طلب کیا۔ بہت اصرار او تقاضوں کے بعد ایک روز مجھ کو ایک عمدہ عظیم الشان مکان کے پاس لے گیا جس کے دروازہ پر قفل لگا ہوا تھا کہنے لگا کہ میں نے آپ کا روپیہ اور اسباب اس شخص کے پاس رکھ دیا ہے معلوم نہیں کہاں چلا گیا ہے۔ اس گھر کی حیثیت بڑی عظیم الشان معلوم ہوتی تھی۔ ہم دونوں کے باتیں کرتے ہوئے ایک عرب آگیا اور پوچھا کیا معاملہ ہے۔ میں نے کہا میرا کچھ اسباب ہے جو اس صاحب خانہ کے پاس ہے۔ اور تعجب ہے اتنا بڑا مکان ہے اور قفل لگا ہوا ہے۔ تب اس نے کہا یہ ہندی آدمی جو آپ کے پاس ہے یہ کیوں کھڑا ہے۔ میں نے کہا اسی نے رکھا ہے۔ یہ سنتے ہی اس نے بڑے طیش و غضب کا چہرہ بنا کر کہا کہ یہ جھوٹا ہے۔ یہ آپ کا مال اور روپیہ سب کھا گیا ہے۔ اور اس مکان کا مالک تو بڑا عظیم الشان آدمی ہے وہ تو مع اپنے کنبہ کے آدمیوں کے اپنے احباب کو رخصت کرنے گیا ہے اور جدہ میں اس وقت تک رہے گا جب تک کہ حجاج رخصت نہ ہولیں۔ مجھ سے تو اس نے بڑی محبت اور نرمی سے کلام کیا مگر ہمارے ہم مکتب کو بڑے غضب سے بہت گالیاں دیں۔ ہمارا ہم مکتب خاموش اور شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ پھر عرب نے کہا کہ یہ حال مکہ شہر کا ہے۔ ان ہندیوں نے عرب کو بہت ہی بدنام کیا ہے۔ اور اپنے قصور کی طرف مطلق توجہ نہیں کرتے پھر میری طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تمہارا کپڑا مال اور روپیہ سارا اسباب اس نے ایک بنگالی عورت کو دیدیا ہے۔ اور یہ لوگ ایسے کام یہاں بہت کرتے ہیں اب آپ اس سے واپسی کی کوئی امید نہ رکھیں۔ اس واقعہ سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ میرے ایک استاد جن کے مکتب کا وہ ہم مکتب تھا جب حج کو جانے لگے تو میں نے ان سے کہا کہ آپ اپنے مال و اسباب کی خود حفاظت کریں اور کسی شخص پر بھروسہ نہ کریں۔ جب وہ حج سے واپس آئے تو میرا بہت شکریہ ادا کیا اور کہا کہ تمہاری نصیحت کے سبب سے ہم اپنے ایک شاگرد کی دست برد سے بچ گئے۔ اس قسم کی مخلوق بھی کہیں کہیں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے۔

دوسرا افسوس وہاں یہ دیکھا کہ ایک دفعہ میں منیٰ سے آرہا تھا تو میں نے کسی سے دریافت کیا کہ مُحسَّب کہاں ہے کوئی نہیں بتا سکا۔ پھر میں نے کہا کہ اچھا خیف۔ بنی کنانہ کہاں ہے؟ پھر میں نے پوچھا کہ بطحیٰ کہاں ہے جب کہیں پتہ نہ لگا تو میں بہت حیران ہوا۔ ایک شخص نے جو خشک سا وہابی تھا مجھ سے کہا کہ دیکھا! کہاں تک یہ نوبت پہنچی پھر اس نے پتہ دیا کہ جنت المعلیٰ (جو وہاں کا مشرقی قبرستان ہے) وہی محسب ہے۔ وہی خیف بنی کنانہ

اور لطفی ہے۔ میں وہاں کی مسجد میں گیا تو تعجب اور بھی بڑھ گیا وہاں چند ضعیف العمر بنگالی بیٹھے تھے۔

تیسرا تعجب وہاں یہ ہوا کہ عرفات میں میں نے دیکھا کہ لوگ اپنے داہنے ہاتھ سے اپنے کپڑے کا پلہ پکڑ کر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ہلاتے ہیں۔ میں اس نظارہ کو دیکھ کر بہت ہی متعجب ہوا ادھر ادھر لوگوں سے پوچھا تو لوگوں نے کہا پہلے یہ کپڑا اس سامنے والی پہاڑی سے ہلتا ہے۔ وہاں اصلیت کا پتہ لگے گا۔ میں تو جوشیلا جوان تھا دوڑا اس پہاڑی کے چاروں طرف پھرا آخر ایک رستہ نظر آیا جس کے ذریعہ اوپر چڑھ گیا۔ وہاں بہت سے ترک دیکھے جو سنگینیں چڑھائے ہوئے تھے انہوں نے مجھے اشارہ سے منع بھی کیا مگر میں رکا نہیں زیادہ چھیڑا انہوں نے بھی نہ کی۔ جب اوپر پہنچا تو دیکھا کہ ایک اونٹنی پر ایک ترک سوار ہے اس کے ہاتھ میں کتاب ہے اور چاروں طرف پہرہ دار کھڑے ہیں۔ میں ان سپاہیوں کو بھی چیرتا ہوا اس اونٹنی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اس کتاب کا کچھ حصہ سنوں مگر کوئی ایک لفظ بھی سمجھ میں نہ آیا۔ مگر یہ بات حل ہو گئی کہ وہ ترک جس کتاب کو پڑھ رہا تھا تھوڑے وقفہ کے بعد بایاں ہاتھ ہلاتا تھا۔ اس کو دیکھ کر پہاڑی کے لوگ کپڑا ہلاتے تھے۔ ترکی بولی میں نہ جانتا تھا اور نہ اب جانتا ہوں۔ اور وہاں سوائے ترک سپاہیوں کے اور کوئی بھی نہ تھا۔ میں نیچے اتر آیا۔ آخر پتہ لگا کہ امام صاحب خطبہ پڑھ رہے ہیں اور جہاں اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد کا مقام آتا ہے تو یہ اپنا ہاتھ ہلاتے ہیں اور لوگ اپنا کپڑا ہلاتے ہیں اب یہ رسم رہ گئی ہے اللہ اکبر کوئی نہیں کہتا۔

مدینہ طیبہ

مدینہ طیبہ کے جانے میں چونکہ میں نے حضرت شاہ عبد الغنی صاحب سے ہی پہلے مشورہ لیا تھا اس لیے میں انہیں کی خدمت میں سب سے پہلے حاضر ہوا۔ انہوں نے ایک علیحدہ حجرہ رہنے کے واسطے مجھے عطا کیا۔ میں وہاں صرف رہتا تھا سبق کسی سے نہیں پڑھا کرتا تھا نہ شاہ صاحب سے۔ پھر میرے دل میں یہ بات آئی کہ میں ان کے ہاتھ پر بیعت کر لوں۔ مکان پر تو میرا ایسا خیال ہوتا تھا لیکن جب ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو خیال کرتا کہ کیا فائدہ۔ ان کے پاس جا کر عجیب عجیب خیال اٹھتے تھے۔ کبھی یہ سوچتا تھا کہ حلال حرام اور اوامر و نواہی قرآن کریم میں موجود ہی ہیں ان لوگوں سے کیا سیکھنا۔ اگر حسن اعتقاد سے نفع ہے تو مجھ کو ان سے ویسے ہی بہت عقیدت ہے۔ پھر اپنی جگہ جا کر یہ بھی خیال کرتا تھا کہ ہزارہا لوگ جو بیعت اختیار کرتے ہیں اگر اس میں کوئی نفع نہیں تو اس قدر مخلوق کیوں مبتلا ہے۔ غرضیکہ میں اسی سوچ بچار میں بہت دنوں پڑا رہا۔ فرصت کے وقت ایک کتب خانہ جو مسجد نبوی کے جنوب و مشرق میں تھا وہاں جا کر اکثر بیٹھتا اور کتابیں دیکھا کرتا تھا۔ بہت دنوں کے بعد آخر میں نے پختہ ارادہ کیا کہ کم سے کم بیعت کر کے تو دیکھیں اس میں فائدہ کیا ہے؟ اگر کچھ فائدہ نہ ہوا تو

پھر چھوڑنے کا اختیار ہے۔ لیکن جب میں خدمت میں حاضر ہوا تو خیال آیا کہ ایک شریف آدمی معاہدہ کر کے چھوڑ دے تو یہ بھی حماقت ہی ہے۔ پہلے ہی سے اس بات کو سوچ لینا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ پھر چھوڑ دے۔ آخر ایک دن میں خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بیعت کرنی چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ استخارہ کر دو۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے تو بہت کچھ استخارہ اور فکر کیا ہے۔ لیکن شاہ صاحب نے جونہی اپنا ہاتھ بیعت لینے کے لیے بڑھایا۔ میرے دل میں بڑی مضبوطی سے یہ بات آئی کہ معاہدہ قبل از تحقیقات یہ کیا بات ہے؟ اس لیے باوجودیکہ حضرت صاحب نے ہاتھ بڑھایا تھا میں نے اپنے دونوں ہاتھ کھینچ لیے مربع بیٹھ گیا۔ اور عرض کیا کہ بیعت سے کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا کہ سمعی کشفی گردد و دید لشنید مبدل گردد۔ اور یہ وہ جواب ہے جو نجم الدین کبریٰ نے دیا ہے پھر میں نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے لیکن اس وقت آپ نے اپنے ہاتھ کو ذرا سا پیچھے ہٹا لیا اور فرمایا تمہیں وہ حدیث یاد ہے جس میں ایک صحابی نے درخواست کی تھی کہ اسئلك مرافقتك فی الجنۃ میں نے عرض کیا خوب یاد ہے۔ آپ نے فرمایا اس امر کے لیے تم کو اگر اصول اسلام سیکھنے ہوں تو کم سے کم چھ مہینے میرے پاس رہنا ہوگا۔ اور اگر فروع اسلام سیکھنے ہیں تو ایک برس رہنا ہوگا۔ تب میں نے پھر اور بھی جب ہاتھ بڑھایا تو آپ نے میری بیعت لی اور فرمایا کہ کوئی مجاہدہ سوائے اس کے آپ کو نہیں بتاتے کہ ہر وقت آپ آیت وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ پر توجہ رکھیں پھر وَاللّٰہُ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ کی نسبت ایسا ہی فرمایا۔ اس توجہ میں میں نے بارہا حضرت نبی کریم کو دیکھا۔ اور اپنی بعض غلطیوں اور سستیوں کے نتائج کا مشاہدہ کیا چھ مہینہ کے اندر اندر آپ کا وہ وعدہ میرے حق میں بہر حال پورا ہوگیا۔ جزاہ اللّٰہ عنی احسن الجزاء۔

آپ بڑے صاحب حال تھے اور آپ کی نظر دینی علوم میں بڑی وسیع تھی۔ بہت قلیل الکلام تھے۔ مثنوی۔ ترمذی۔ بخاری رسالہ قشیریہ۔ یہ چار چیزیں آپ کے درس میں ہوتی تھیں۔ آپ کے کھانے پینے کے عجائبات میں سے ایک یہ بات ہے کہ ہمارے یہاں قادیان میں جو اکبر خان سنوری حضرت مسیح موعود کے مرید اور خاص خادم رہتے ہیں ان کے ایک حقیقی بھائی ولیداد خان صاحب تھے جو مدینہ منوّرہ میں حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں اسی طرح رہتے تھے انکو ایک دفعہ گیہوں خریدنے کیلئے بھیجا وہ نہایت عمدہ گیہوں جس میں جو کا ایک دانہ بھی نہ تھا لائے۔ ولیداد خان کو تو کچھ نہ فرمایا لیکن آئندہ بازار کا سودا انکی معرفت منگوانا بند کر دیا۔ ولیداد خان چونکہ منجملہ بڑے احباب کے تھے بہت گھبرائے۔ آخر ایک شخص کو پھر گیہوں خریدنے کیلئے بھیجا اس شخص نے وہ روپیہ جو گیہوں خریدنے کا تھا ولیداد خان کو دیا اور یہ کہا کہ اب کی دفعہ جو گیہوں حضرت صاحب کے واسطے لاؤ تو اس میں بہت سے جو ملے ہوئے ہوں چنانچہ وہ گیہوں لائے جس میں بہت سے جو ملے ہوئے تھے۔ خوش ہو کر

فرمانے لگے کہ یہ گیہوں کون لایا ہے۔ اس شخص نے سفارش کے طور پر کہا کہ ولیداد خان لائے ہیں فرمانے لگے کہ اب انکو عقل آگئی ہے لہٰذا آئندہ وہی لایا کریں۔ ایک دفعہ مذاہب کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا اشھر المذاھب مذھبُ ابی حنیفۃ واوسع المذاھب مذھبُ مالکٍ واقوم المذاھب مذھب الشافعی واحوط المذاھب مذھب احمد ابن حنبل۔

آپ کو میں نے نہایت ہی وسیع الخلق پایا اور کم کلامی میں تو مجھ کو تعجب بھی آتا تھا وہاں آپ کے مکان میں ہر روز ختم ہوتا تھا اور بعض مریدین اُنیس ہزار دفعہ لا الٰہ الا اللہ ہر روز پڑھتے تھے۔ ایک شخص نے شکایت کی کہ نور دین اتنی محنت نہیں کرتا۔ نیز امام کے پیچھے الحمد پڑھتا ہے اور رفع یدین کا قائل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ ایک ایسی چھری لائیں جو رفع یدین اور فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ کو بخاری میں سے کاٹ سکے اور انیس ہزار بار لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کی کوئی سند ہے تو وہ نور الدین کو دکھلائی جائے۔ اگر وہ صحیح ہوگی تو وہ مان لے گا۔ اس پر ہمارے سب پیر بھائی بالکل خاموش ہو گئے۔

میرے حجرہ کے ساتھ ایک اور حجرہ تھا اس میں مولوی نبی بخش نام چشتی جامپور کے رہنے والے رہتے تھے۔ ایک دفعہ ایک رکعت وتر کے معاملہ میں اُن سے دوستانہ گفتگو تھی جس میں انہوں نے مجھ سے کہا کہ ایک رکعت وتر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات کے خلاف ہے اور کوئی دلیل اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ امام کا فیصلہ کافی دلیل ہے کہ ایک رکعت کوئی نماز نہیں۔ کچھ دن کے بعد میں نے ان کو ایک کتاب میں نماز عاشقاں دکھائی جو ایک رکعت ہوتی ہے اور ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر پڑھی جاتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ نماز بہت ہی مجرب ہے۔ میں نے کہا کہ یہ امام صاحب کی اس ایک رکعت والی تحقیق کے خلاف ہے۔ تب انہوں نے امام صاحبؒ کے حق میں بڑی ہی گستاخی کے کلمات کہے۔ میں نے کہا کہ اس دن آپ اتنے مدّاح تھے یا اب ایسے گستاخ ہیں۔ تو کہنے لگے کہ وہ فقہا کے مقابلہ میں ہیں اور یہ تو سلطان جی نے لکھا ہے۔ سلطان جی تو عرش پر پہنچنے والے ہیں انکے سامنے امام ابو حنیفہ وغیرہ ملا لوگوں کی کیا حقیقت ہے۔ تب میں نے فیصلہ کیا کہ محبت اور تقلید بھی بڑی تکلیف میں ڈالنے والی چیز ہے۔ وہ مدینہ میں اس وجہ سے رہتے تھے کہ حالت یقظہ میں نبی کریمؐ کو دیکھیں۔ میں نے ایک دفعہ رؤیا میں نبی کریمؐ کو دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ "تمہارا کھانا تو ہمارے گھر میں ہے لیکن نبی بخش کا ہم کو بہت فکر ہے" ان دنوں میں نے نبی بخش کو بہت ڈھونڈا۔ باوجودیکہ میرے ساتھ کے حجرے میں رہتے تھے مگر ملاقات نہیں ہو سکی اور وہ حجرہ میں آئے ہی نہیں۔ بہت دنوں کے بعد جب ملے تو میں نے کہا کہ آپ کو کوئی تکلیف ہو تو بتائیں اور

ضرورت ہو تو میں آپ کو کچھ دام دیدوں۔ کہا کہ مجھ کو بہت شدّت کی تکلیف تھی مگر آج مجھ کو چونہ اُٹھانے کی مزدوری مل گئی ہے اور پیسے مزدوری کے ہاتھ آ گئے ہیں اس لیے ضرورت نہیں۔

مدینہ طیبہ میں ایک ترک کو مجھ سے بہت محبت تھی اس نے کہا کہ اگر کوئی کتاب آپ کو پسند ہو تو ہمارے کتب خانہ سے لے جایا کریں گو ہمارا قانون نہیں مگر آپ کے اس عشق و محبت کی وجہ سے جو آپ کو قرآن کریم سے ہے آپ کو اجازت ہے۔ میں نے کہا کہ مسئلہ ناسخ و منسوخ کے متعلق کوئی کتاب دو۔ انہوں نے مجھے ایک کتاب دی جس میں چھ سو آیت منسوخ لکھی تھی مجھے یہ بات پسند نہ آئی۔ ساری کتاب کو پڑھا اور مزا نہ آیا۔ میں اس کتاب کو واپس لے گیا اور کہا کہ میں جوان آدمی ہوں اور خدا کے فضل سے یہ چھ سو ۶۰۰ آیتیں یاد کر سکتا ہوں مگر مجھے یہ کتاب پسند نہیں وہ بہت بوڑھے اور ماہر شخص تھے۔ انہوں نے ایک اور کتاب دی جس کا نام اتقان تھا اور ایک مقام اس میں بتایا جہاں ناسخ و منسوخ کی بحث تھی۔ خوشی ایسی چیز ہے کہ میں نے فوز الکبیر کو جو بمبئی میں پچاس روپیہ کو خریدی تھی ابھی پڑھا بھی نہیں تھا میں اتقان کو لایا اور پڑھنا شروع کیا اس میں لکھا تھا کہ انیس آیتیں منسوخ ہیں۔ میں اُس کو دیکھ کر بہت ہی خوش ہوا اور میں نے سوچا کہ اُنیس یا بیس آیتوں کو تو فوراً یاد کر لوں گا۔ گو مجھے خوشی بہت ہوئی مگر مجھ کو ایسا قلب اور علم دیا گیا تھا کہ پھر بھی وہ کتاب مجھ کو پسند نہ آئی۔ اب مجھ کو فوز الکبیر کا خیال آیا کہ اس کو بھی تو پڑھ کر دیکھیں۔ اس کو پڑھا تو اس کے مصنف نے لکھا تھا کہ خدائے تعالیٰ نے جو علم مجھے دیا ہے اس میں پانچ آیتیں منسوخ ہیں۔ یہ پڑھ کر تو بہت ہی خوشی ہوئی۔ میں نے جب ان پانچ پر غور کی تو خدائے تعالیٰ نے مجھے سمجھ دی کہ یہ ناسخ و منسوخ کا جھگڑا ہی بے بنیاد ہے۔ کوئی چھ سو بتاتا ہے کوئی انیس یا اکیس اور کوئی پانچ اس سے معلوم ہوا کہ یہ تو صرف فہم کی بات ہے۔ میں نے خدائے تعالیٰ کے فضل سے ——————

—————— یہ قطعی فیصلہ کر لیا کہ ناسخ و منسوخ کا معاملہ صرف بندوں کے فہم پر ہے ان پانچ نے سب پر پانی پھیر دیا۔ یہ فہم جب مجھے دیا گیا تو اس کے بعد ایک زمانہ میں میں لاہور کے اسٹیشن پر شام کو اُترا۔ بعض اسباب تھے کہ چینیاں والی مسجد میں گیا۔ شام کی نماز کے لیے وضو کر رہا تھا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی کے بھائی میاں علی محمد نے مجھ سے کہا کہ جب عمل قرآن مجید و حدیث پر ہوتا ہے تو ناسخ و منسوخ کیا بات ہے میں نے کہا کچھ نہیں۔ وہ پڑھے ہوئے نہیں تھے۔ گو میر ناصر کے اُستاد تھے۔ انہوں نے اپنے بھائی سے ذکر کیا ہوگا۔ یہ ان دنوں جوان تھے اور بڑا جوش تھا۔ میں نماز میں تھا اور وہ جوش سے اِدھر اُدھر ٹہلتے رہے۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کہا اِدھر آؤ۔ تم نے میرے بھائی کو کہہ دیا کہ قرآن میں ناسخ و منسوخ نہیں۔ میں نے کہا ہاں نہیں ہے تب

بڑے جوش سے کہا کہ تم نے ابو مسلم اصفہانی کی کتاب پڑھی ہے وہ احمق بھی قائل نہ تھا میں نے کہا پھر تو ہم دو ہو گئے پھر اس نے کہا کہ سیّد احمد کو جانتے ہو مراد آباد میں صدر الصدور ہے۔ میں نے جواب دیا کہ میں رام پور، لکھنؤ اور بھوپال کے عالموں کو جانتا ہوں۔ ان کو نہیں جانتا۔ اس پر کہا کہ وہ بھی قائل نہیں۔ تب میں نے کہا بہت اچھا پھر اب ہم تین ہو گئے۔ کہنے لگا کہ یہ سب بدعتی ہیں۔ امام شوکانی نے لکھا ہے کہ جو نسخ کا قائل نہیں وہ بدعتی ہے۔ میں نے کہا تم دو ہو گئے۔ میں ناسخ و منسوخ کا ایک آسان فیصلہ آپ کو بتاتا ہوں تم کوئی آیت پڑھ دو جو منسوخ ہو اس کے ساتھ ہی میرے دل میں خیال آیا کہ اگر یہ ان پانچ آیتوں میں سے کوئی پڑھ دے تو کیا جواب دوں۔ خدائے تعالیٰ ہی سمجھائے تو بات بنے۔ اس نے ایک آیت پڑھی میں نے کہا کہ فلاں کتاب جس کے تم بھی قائل ہو اس کا جواب دیا ہے۔ کہنے لگا ہاں پھر میں نے کہا اور پڑھو تو خاموش ہی ہو گیا۔ علماء کو یہ وہم رہتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہتک ہو اس لیے اس نے یہی غنیمت سمجھا کہ چپ رہے۔ اس کے بعد پھر بھیرہ میں ایک شخص نے نسخ کا مسئلہ پوچھا اور میں نے اپنے فہم کے مناسب جواب دیا اور کہا کہ پانچ کے متعلق میری تحقیق نہیں تو اس دوست نے کہا کہ آپ ان پانچ آیتوں پر نظر ڈال لیں میں نے تفسیر کبیر رازی میں بہ تفصیل ان مقامات کو دیکھا تو تین مقام خوب میری سمجھ میں آ گئے۔ اور دو سمجھ میں نہ آئیں تفسیر کبیر میں اتنا تو لکھا ہے کہ شدت اور خفت کا فرق ہو گیا ہے۔ پھر میں ایک مرتبہ ریل میں بیٹھا ہوا ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ جیسے بجلی کوند جاتی ہے میں نے پڑھا کہ فلاں آیت منسوخ نہیں ہے میں بڑا خوش ہوا کہ اب تو چار مل گئیں صرف ایک ہی رہ گئی۔ بڑی بڑی کتابوں کا تو کیا ذکر میں چھوٹ بھیوں کی بھی پڑھ لیتا ہوں۔ اس طرح پر ایک کتاب میں وہ پانچویں بھی مل گئی۔ اور خدا کے فضل سے مسئلہ ناسخ و منسوخ حل ہو گیا۔

مدینہ طیبہ کی تعجب انگیز باتوں میں سے ہے کہ ایک دن میں نہر پر گیا جو بہت نیچے بہتی تھی اور سیڑھیوں سے نیچے اتر کر جانا پڑتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ نیچے ایک آدمی تمام کپڑے اتارے ہوئے بالکل ننگا مادر زاد کسی اوپر کھڑے ہوئے آدمی سے بے تکلفی کے ساتھ باتیں کر رہا تھا اور وہاں بہت سے آدمی موجود تھے۔ مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم اس طرح ننگے ہو کر حیا نہیں کرتے؟ اس نے بہت بے تکلفی سے جواب دیا کہ ان اللہ بری ء دراء الستر جس سے مجھ کو ثابت ہوا کہ مسلمانوں کی عملی حالت اور ان کے اخلاق فاضلہ میں بہت نقصان آ گیا ہے وہاں کے کسی آدمی نے اس کو منع بھی نہ کیا۔ وہاں بیرونی شہر میں زیدی شیعہ بھی بہت رہتے ہیں اور ان میں متعہ کا رواج ہے۔ ایک ہمارے دوست تھے۔ انہوں نے وہاں ایک عظیم الشان سرائے لوگوں کے آرام کے لیے بنانی تجویز کی اور بہت سا روپیہ اس پر خرچ کیا وہاں کے قاضی صاحب نے سو پونڈ ان سے قرض مانگے انہوں نے ہمارے اس پیر و مرشد شاہ عبد الغنی

صاحب سے مشورہ لیا۔ انہوں نے فرمایا کہ قرض وغیرہ نہیں یہ تو قاضی صاحب تم سے لیتے ہیں پھر وہ تم کو واپس نہ دیں گے آخر انہوں نے انکار کیا دُوسرے ہی دن دار القضا سے حکمنامہ آیا کہ جہاں تم سرائے بناتے ہو یہاں ایک کوچہ نافذ تھا اور نافذ کوچہ کا بند کرنا حدیث سے منع ہے اس لیے سرائے کا بنانا بند کیا جائے چونکہ ان کے ہزاروں روپے خرچ ہو چکے تھے بہت گھبرائے آخر ایک بزرگ نے (جن کو میں جانتا ہوں) صلاح دی کہ تم جدّہ چلے جاؤ اور انگریزی کنسل سے جا کر ملو۔ چنانچہ ہمارے دوست وہاں گئے اور تمام حالات انگریزی کنسل سے بیان کیے۔ اُس نے قاضی صاحب کے نام ایک چھٹی لکھ دی۔ وہ چھٹی قاضی صاحب کے پاس پہنچی تو اگلے ہی روز دار القضا سے حکم پہنچا کہ چونکہ پتہ چلا ہے کہ کوچۂ نافذہ کی آمد و رفت رُک گئی ہے اور جبکہ آمد و رفت رُکی ہوئی ہے تو اب وہ کوچۂ نافذہ کے حکم میں نہیں رہا لہٰذا سرائے بنانے کی اجازت دی جاتی ہے۔

ایک اور ہمارے دوست تھے۔ اُنہوں نے وہاں ایک عظیم الشان باغ بنانا چاہا۔ وہاں کے لوگوں اور زمینداروں نے اس کام میں خوب مدد دی لیکن جب پھل آنے لگا تو رات کو جا کر سب کاٹ لیتے تھے۔ یہ اخلاق قابلِ افسوس کے ہیں اور بیان اس لیے کیے ہیں کہ کوئی عبرت حاصل کرے اور شاید کوئی خدا تعالیٰ کا نیک بندہ دعا کرے۔ ایکدفعہ ایک شخص شاہ صاحب کے پاس آیا اور اُن سے کہا کہ میں مدینہ منوّرہ ہجرت کر کے آیا ہوں لیکن یہاں کے لوگوں کے حالات سے میں تنگ آ گیا ہوں۔ شاہ صاحب سُن کر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ہم بھی تو ہجرت کر کے آئے ہیں۔ تم نے اگر جوارِ نبی کریمؐ کے لیے ہجرت کی ہے تو وہ موجود ہے اور اگر اس لیے کی ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ یہاں موجود ہیں تو یہ لوگ تو بے شک آج موجود نہیں ہیں۔ آپ یہاں سے چلے جائیں۔

جن دنوں میں شاہ عبد الغنی صاحب سے تعلیم پاتا تھا ایک دن ظہر کی نماز جماعت سے مجھ کو نہ ملی جماعت ہو چکی تھی اور میں کسی سبب سے رہ گیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ یہ اتنا بڑا کبیرہ گناہ ہے کہ قابلِ بخشش ہی نہیں۔ خوف کے مارے میرا رنگ زرد ہو گیا۔ مسجد کے اندر گھسنے سے بھی ڈر معلوم ہوتا تھا۔ وہاں ایک باب الرحمت ہے اُس پر لکھا ہوا ہے۔

یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعًا انہ ھو الغفور الرحیم

اس کو پڑھ کر پھر بھی بہت ڈرتا ہوا اور حیرت زدہ سا ہو کر مسجد کے اندر گھسا اور بہت ہی گھبرایا۔ جب میں ممبر اور حجرہ شریف کے درمیان پہنچا اور نماز ادا کرنے لگا تو رکوع میں مجھے جس خیال نے بہت زور دیا وہ یہ تھا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ مابین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ۔ اور جنّت تو وہ مقام ہے جہاں جو التجا کی جاتی ہے وہ مل جاتی ہے پس میں نے دُعا کی الٰہی میرا یہ قصور معاف کر دیا جائے۔

مکہ معظمہ میں دوسری مرتبہ

جب میں مدینہ سے مکہ کو چلا۔ راستہ میں دو واقعے بڑے عجیب پیش آئے اوّل یہ کہ میں ہمیشہ سنتا تھا کہ مسافروں اور بدوؤں میں لڑائی ہو جاتی ہے۔ اس پر میں نے خود بہت غور کیا ہے اس کے دو باعث معلوم ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ بدو ہندوستانی نہیں سمجھتے اور ہندوستانی عربی نہیں جانتے۔ ایک کچھ کہتا ہے تو دوسرا نہیں سمجھتا۔ جب ایک کا مطلب دوسرا نہیں سمجھتا تو دونوں جلد تیز ہو جاتے ہیں پس پہلا سبب لڑائی اور بدمزگی کا زبان کی ناواقفیت ہے۔ دوسرا سبب مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ عربوں میں دستور ہے کہ کھانا کھاتے کوئی دوسرا شخص آکر شامل ہو جائے تو روکتے نہیں۔ اب مثلاً کسی نے ایک آدمی کے قابل کھچڑی پکا کر ایک بدو کو دی تو سب کے سب اس میں شریک ہو جاتے ہیں اور اس طرح سب کے سب بھوکے ہی رہتے ہیں بھوکا آدمی ویسے بھی جلد برافروختہ اور غضبناک ہو جاتا ہے۔ میں نے ان دونوں اصولوں کو پیشِ نظر رکھ کر بہت سی کھجوریں خرید کر بدوؤں کی نظر سے پوشیدہ خوب محفوظ کر کے رکھ لیں تھیں۔ جب آدھی رات کا وقت ہوتا تو میں ایک مُک بھر کر کھجوریں خاموشی کے ساتھ اپنے بدو کو دیدیتا تھا جس سے اس کا پیٹ خوب بھر جاتا تھا۔ لہٰذا وہ میری خدمت اس طرح کرتا جیسے ایک وفادار غلام اپنے آقا کی کبھی تو میں تھوڑا سا پانی ساتھ بھی رکھ لیتا تھا اور کبھی بدو کو کہتا کہ مجھ کو پانی کی ضرورت ہے وہ کہیں نہ کہیں سے پانی لاکر مجھ کو دیتا تھا۔ ایک دفعہ رات کو میں نے پانی کی فرمائش کی تو اُس نے کہا کہ یہاں سے دو تین میل پر ٹھنڈے پانی کا چشمہ آتا ہے ذرا ٹھہریئے لیکن عجائباتِ قدرت مجھ کو پیاس بہت تھی۔ میں نے کہا اچھا ٹھنڈا پانی نہ سہی ویسا ہی سہی۔ رات کے وقت میں نے ان لوگوں کے چال چلن میں دیکھا ہے کہ اپنے اُونٹ سے علیحدہ ہو کر دوسرے اُونٹ والے کے پاس قطعاً نہیں جاتے۔ اُس نے مجھ سے گلاس مانگا۔ میرے سامنے ایک ہندوستانی تھے وہ آگے بڑھا اور اُن کے پاس جاکر نہایت ادب سے کہا کہ ایک معزز شخص کے واسطے ایک گلاس پانی کی ضرورت ہے۔ انہوں نے بجائے اس کے کہ پانی دیتے حرامی حرامی کہہ کر شور مچا دیا۔ وہ بدو بڑی چالاکی سے اپنے اونٹ کے پاس پہنچ گیا اور مجھ سے کہا کہ اس وقت پانی کا کوئی موقعہ نہیں ملا۔ آپ تھوڑا سا انتظار کریں۔ دو تین میل چل کر جہاں پانی تھا وہاں سے بڑا ٹھنڈا پانی میرے واسطے لایا۔ میں نے پانی پیا اور پھر سو گیا دن کے وقت جہاں ڈیرا ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک ہندوستانی بیچارے بڑے مضطر ہیں اور شور مچا رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا ہوا؟ اُنہوں نے کہا کہ ہمارے مشکیزہ میں رات کوئی بدمعاش سوراخ کر گیا ہے۔ اب ہم کو مشکل یہ ہے کہ مکہ تک پانی نہیں ملے گا۔ میں تاڑ گیا کہ یہ اس ہمارے بدو کا کام ہے۔ میں نے علیحدگی میں اس سے کہا کہ رات اس ہندوستانی کے مشکیزہ میں کسی نے سوراخ کر دیا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نے یہ کام کیا ہو۔ وہ کہنے لگا کہ مولوی صاحب! دیکھو ہم

نے آپ کے لیے اس سے پانی مانگا اور اس نے ایک گلاس پانی نہ دیا۔ پھر بھلا غصہ آتا یا نہ آتا۔ میں نے اس کو بہت ملامت کی۔ میری دانست میں اُن سے حجاج کو کسی قدر ملاطفت اور علیحدگی کا سلوک بہت مناسب ہوتا ہے۔ میں نے آنے اور جانے دونوں موقعوں پر نہ شکیزہ رکھا نہ چھاگل۔ مجھ کو پینے کے لیے یا وضو کے لیے پانی کی کوئی دقت نہیں ہوئی۔ زبان کی واقفیت پر بھی بہت کچھ مدار ہے میں کسی دن کوئی شعر سُنا دیتا تھا تو سُن کر بدو ناچنے لگتے تھے۔

دُوسرا واقعہ عجیب یہ ہے کہ ایک جگہ ہم نے ڈیرا کیا میرے مقام کے بالکل قریب ایک عظیم الشان خیمہ تھا۔ اس کے اندر بڑا مباحثہ ہو رہا تھا۔ میں نے اُس خیمہ کے اندر جانا تو مناسب نہ سمجھا۔ ان کے مباحثہ پر میں بہت متوجہ رہا آخری فقرہ جو ایک مقلد نے پیش کیا یہ تھا کہ کسی مسئلہ میں کسی امام کے بالمقابل ترجیح دینا اس شخص کا کام ہو سکتا ہے جو اپنے کامل دلائل اور جس کے خلاف چلتا ہے اس کے دلائل کے جوابات کامل طور پر جانتا ہو اور اگر اس قدر وسیع واقفیت نہ ہو تو ترجیح کس طرح ہو سکتی ہے۔ لہٰذا تم لوگ کسی مسئلہ میں ترجیح کے مستحق نہیں۔ اس وقت مجھ کو یہ خیال آیا کہ کم سے کم ہم بھی اس کا کچھ جواب تو دیں اور یہ جوانی کی ایک ترنگ تھی۔ میں نے بلند آواز سے کہا جب ایک مسئلہ میں اتنے بڑے علم کی ضرورت ہے تو ایک امام کو دوسرے پر تمام مسائل میں ترجیح دینے کے لیے تو لاکھوں علوم کی ضرورت ہوگی۔ ہماری اس آواز نے بھی کچھ بجلی کا سا کام دیا۔ مگر وہ لوگ کچھ امراء تھے اور ان دنوں مجھ کو امراء سے تنفر تھا۔

جب مکہ معظمہ کے قریب پہنچے تو میں نے ایک حدیث میں پڑھا کہ حضرت نبی کریم صلعم کداء کی طرف سے مکہ میں داخل ہوتے تھے لیکن آدمیوں کی باربرداریاں اور سواریاں اُس راستہ نہیں جاتی تھیں۔ اس واسطے میں ذیطوای سے ذرا آگے بڑھ کر اونٹ سے کود پڑا اور کداء کے رستہ سے مکہ میں داخل ہوا۔ مجھے افسوس ہوا کہ اُس رستہ سے بہت ہی تھوڑے لوگ گئے حالانکہ کوئی ہرج نہ تھا۔ صرف ہمت، قوت اور معلومات کا ہونا کافی تھی۔

مکہ معظمہ میں میں جہاں رہتا تھا میری عادت تھی کہ اکثر وہیں سے احرام باندھ کر عمرہ ادا کر لیا کرتا تھا۔ جن کے گھر میں میں رہتا تھا وہ ایک بوڑھے شخص مخدوم کہلاتے تھے اُنھوں نے میری اس حرکت کو بار بار دیکھ کر کہا کہ آپ تنعیم سے کیوں احرام نہیں باندھتے۔ میں نے کہا کہ میں طالب علم آدمی ہوں میرے پاس اتنا وقت کہاں ہے۔ آنے جانے میں چھ سات میل کا سفر ہے اور پھر بلا ضرورت اور بیہودہ بات ہے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ والے مکہ سے احرام باندھ سکتے ہیں اس پر وہ بڑے گھبرائے اور کہنے لگے کہ آپ تمام شہر کے خلاف کرتے ہیں میں نے کہا کہ تمام شہر کے خلاف تو نہیں البتہ گدھے والوں کے خلاف کرتا ہوں جن کے کرایہ میں کمی ہوتی ہے اس پر وہ ہنس کر

چپ ہو رہے۔ ان کے گھر میں جو سب سے بے نظیر کام میں نے دیکھا وہ یہ ہے کہ مخدوم صاحب بہت ضعیف العمر آدمی تھے اور ان کی بیوی بے نظیر حسین اور بہت کم عمر تھی لیکن وہ اپنے ہاتھ سے کاغذ گھوٹ کر پیسے کما کر اپنے خاوند کے لیے نہایت نرم غذا بنایا کرتی تھی۔ میں اس خدمت کو دیکھ کر حیران رہ جاتا تھا۔ ایک دن میں نے تنہائی میں اس سے کہا کہ تم کو اپنے حسن کی خبر بھی ہے اس نے کہا خوب خبر ہے اور میں اپنی اس خبر کی شہادت بھی دے سکتی ہوں اور وہ شہادت یہ ہے کہ مکہ کی تمام عورتوں کو دیکھ لو یہ اپنے رخساروں پر ایک داغ بناتی ہیں اور مجھ کو دیکھو میرے چہرہ پر کوئی داغ نہیں اور سارے شہر میں ایسی میں ہی ایک عورت ہوں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میں اپنے حسن کو پہچانتی ہوں جب عورتوں نے مجھ کو بہت مجبور کیا تو میں نے اپنے بالوں کے نیچے گردن پر داغ بنائے چنانچہ اس نے اپنے بال اٹھا کر مجھے دکھائے۔ میں نے کہا۔ اب دوسرا سوال یہ ہے کہ مخدوم صاحب کی تم اس قدر خدمت کرتی ہو کہ میں دیکھ کر حیران ہو جاتا ہوں یہ نہایت ضعیف العمر آدمی ہیں اور تم نوعمر ہو۔ کہنے لگی اگر یہ ضعیف العمر نہ ہوتے تو میں کاغذ کیوں گھوٹتی۔ چونکہ خدائے تعالےٰ نے میرے لیے یہ خاوند عطا کیا ہے تو میرا فرض ہے کہ ان سے غمگسارانہ برتاؤ کروں مجھ کو معلوم ہوا اور بہت ہی پسندیدہ معلوم ہوا کہ نیکی اور نیک طینتی اس عورت میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ میں نے جب مخدوم صاحب سے پوچھا کہ آپ اس پر مطمئن ہیں تو انھوں نے کہا کہ میں اس کی راستبازی پر قسم اٹھا سکتا ہوں یہ بہت ہی غمگسار ہے اور جس طرح اس کا نام صادقہ ہے اسی طرح یہ واقعی صادقہ ہے۔

مکہ معظمہ میں ایک عمدہ طبیب کی بڑی ضرورت ہے۔ ایک اچھا خدا ترس تجربہ کار طبیب بڑی وسعت سے گذارہ کر سکتا ہے۔ میں نے اپنے استاد کی والدہ صاحبہ کی بیماری کا بھی ذکر کیا ہے۔ میں جن دنوں وہاں تھا غالباً وہ ۸۵ھ ہجری یا ۸۶ھ ہجری کا زمانہ تھا۔ امراض زیادہ تر اولاد کی کمی۔ خون کی کمی۔ قہوہ کی کثرت۔ عام ضعف پائے جاتے تھے۔ وہاں رہنے کے لیے طبیب ایسا ہو جو کسی قدر دستکاری بھی جانتا ہو۔

حج کے بعد علی العموم عرب لوگ اپنے گھر کی چیزیں بہت ارزاں فروخت کیا کرتے ہیں خصوصاً جب ان کا ارادہ عیش و عشرت کے لیے طائف جانیکا ہو تو روپوں کی چیزیں کوڑیوں میں فروخت کر دینا ان کے نزدیک بہت سہل ہے لیکن جب حجاج کی آمد کے دن ہوتے ہیں تو وہی چیزیں جو کوڑیوں میں خریدی تھیں روپوں میں فروخت ہو سکتی ہیں۔ حج کے بعد کباڑیوں کی طرح خریداری شروع کرے اور حج کے ابتداء میں بیچ دے تو اس طرح بڑی اعلیٰ درجہ کی تجارت ہو سکتی ہے۔ قرضہ کا معاملہ وہاں بہت خطرناک ہے۔

مجھ کو ایک نکتہ معرفت وہاں یہ حاصل ہوا کہ چونکہ ہر سال نئے حاجی آتے ہیں اور وہ بہت جلد چلے جاتے

ہیں اس واسطے وہاں کے لوگوں کو کسی کامل انسان سے بھی سچی محبت کبھی نہیں ہو سکتی۔ وہاں ہر روز نئے مہمان آتے اور جاتے ہیں اگر وہ شدید محبت کسی سے کریں تو پھر تو ان کی ہلاکت ہے۔ میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہاں جناب الٰہی کی محبت کے واسطے خالص سامان مہیا ہے۔ انسانی محبتیں کوئی چیز نہیں۔ وہاں کے شرفا اور حجی لوگ اور عرب اور عربانیہ بیشک وہاں کے تمدن و معاشرت کا قابل قدر نمونہ ہیں اور ان کے مجالس میں فصیح زبان بھی بولی جاتی ہے گو کہ گتر متر بھی بول لیتے ہیں۔

بہرحال بمبئی پہنچے ایک میاں بیوی جن کو میں نے مکہ میں دیکھا تھا مجھ کو ملے۔ میں نے اُن سے کہا کہ اگر تمہارا کچھ اسباب ہو یا تم کو اپنے گھر والوں کو کوئی پیغام دینا ہو تو مجھ کو دیدو میں ریل کے راستے جلد جاؤں گا۔ انہوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا کہ ہم آہستہ آہستہ دریا کے راستے ملک کو جائیں گے۔ وہ دونوں بہت شریف معلوم ہوتے تھے۔ وہ عورت سر سے کپڑا اُتار کر میرے پاؤں پر گر پڑی اور کہا کہ صرف آپکی مہربانی یہ ہے کہ ہمارا پتہ اُس ملک میں کسی نہ دیں۔ میں نے حیرت سے پوچھا کہ یہ بات کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ میں ایک شریف عورت ہوں کم عمری میں بیوہ ہو گئی۔ اور ہمارے ہیاں بوجہ شرافت کے بیوہ کا نکاح نہیں کرتے اور یہ بزرگ پیری مریدی کرتے ہیں۔ ہمارے پڑوس میں ان کے مرید رہتے ہیں میں نے ان سے مخفی طور پر نکاح کر لیا جس کی خبر ہمارے گھر والوں کو نہیں۔ اس طرح مجھ کو گیارہ دفعہ اسقاط کرانا پڑا۔ پھر بھی میرے اندرونی جوش جوانی کے ایسے تھے کہ میں نے مولوی صاحب سے عرض کیا کہ ہم آزادانہ میاں بیوی کے طور پر نہیں رہتے۔ تم یہ کرو کہ ملتان پہنچو اور وہاں ایک جگہ مقرر کر لی کہ میں بھی ملتان پہنچتی ہوں پھر وہاں ہم خوب کھل کر رہیں گے۔ جب میں حج کے ارادہ سے چلی تو میرے بھائی جو آسودہ حال تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں تاکہ تم کو تکلیف نہ ہو میں نے اس بات کو منظور کر لیا۔ رات کو کسی گاؤں میں ہم لوگ ٹھہرے۔ رات کو بڑی شدت سے آندھی اور بارش آئی اور تمام مسافروں میں افراتفری مچ گئی۔ میں نے دور اندیشی کے طور پر عین بارش اور طوفان میں وہاں سے جنگل کی طرف رُخ کیا اور صبح تک دوڑتی بھاگتی چلی گئی۔ اور کچھ خبر نہ تھی کہ کدھر جاتی ہوں۔ صبح کی روشنی میں میں نے لوگوں سے پوچھا کہ ملتان کا کونسا راستہ ہے؟ لوگوں نے مجھے ایک سڑک پر ڈال دیا۔ میں نہیں جانتی کہ میرے بھائی واپس ہوئے یا کہاں تک اُنہوں نے میری تلاش کی۔ میں جب ملتان پہنچی تو یہ میرے میاں صاحب منتظر کھڑے تھے۔ وہاں سے ہم بخوشی و خورمی مکہ پہنچ کر مدتوں رہے جیسا کہ تم نے دیکھا ہے۔ ہمارے گھر والوں کو کوئی خبر نہیں پہنچی۔ اب میں جاتی ہوں ملتان کے اگر دمیں اپنے میاں صاحب سے الگ ہو جاؤں گی یہ اصل بات ہے۔ پس آپ ہمارا کوئی ذکر نہ کریں۔ یہ قصہ صرف اس لیے بیان کیا ہے کہ بیواؤں کو بٹھانا اچھا نہیں۔

وہ عورت کسی زمانہ میں ہمارے گھر میں بھی آئی تھی اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو توفیق دے جن کے گھر میں جوان اور بیوہ عورتیں ہیں کہ اُنکا نکاح استخارہ کر کے کر دیں۔

بھیرہ واپسی میں میں دہلی اُترا اور میرے ایک پرانے رفیق نے مجھ سے بیان کیا کہ تمہارے طبیب اُستاد یہاں دہلی میں ہیں میں اس کو ساتھ لیکر حضرت اُستاد کی خدمت میں پہنچا۔ مجھے فرمایا کہ تم حرمین سے کیا کیا لائے میں نے بعض کتابوں کا ذکر کیا جو میں وہاں سے لایا تھا۔ تو آپ نے فرمایا وہ سب مجھے دیدو۔ میں نے انشراح صدر سے کہا کہ وہ تو آپ ہی کی چیز ہے لیکن میں نے صندوق لاہور بھیجدیے ہیں کیونکہ ریل وہاں تک ہے۔ میں لاہور پہنچ کر وہ صندوق آپ کی خدمت میں بھجواؤں گا آپ نے سُن کر فرمایا کہ ہم بھی لاہور دیکھنا چاہتے ہیں آج ہی چلیں۔ میں بڑی خوشی سے حاضر ہوا اور آپ لاہور تشریف لائے۔ بہت سے مقامات کی سیر میں میں آپ کے ساتھ ہی تھا۔ باتوں باتوں میں ذکر کیا کہ وہ صندوق ریل سے منگواؤ۔ میں جب ریل کو جانے لگا تو فرمایا کہ ہم ہی منگوالیں گے چنانچہ اپنے نوکر کو بھیج کر وہ صندوق جن کا محصول میں نے ابھی ادا نہیں کیا تھا اپنی گرہ سے محصول دیکر منگوالیے پھر مجھ سے کہا کہ یہ ہم نے صرف اس لیے کیا کہ ہمارا حصّہ بھی ان میں شامل ہو جائے مطلب یہ کہ بمبئی سے لاہور تک کا کرایہ ان صندوقوں کا انھوں نے دیدیا۔ اصل رحمت الٰہی کا ذکر کرنا مجھے مقصود ہے کہ اس وقت میری جیب میں اتنے روپے ہی نہ تھے کہ میں ان صندوقوں کا محصول دیتا۔ بہرحال میں آپ کو رخصت کر کے شہر لاہور میں داخل ہوا تو ایک میرے وطن کا ہندو جس کے پاس باربرداری کے سامان تھے اس نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کا اسباب بھیرہ لیے چلتا ہوں آپ مجھے روپیہ بھیرہ میں دیدیں اس طرح مجھے اللہ تعالیٰ نے مع اسباب کے بھیرہ پہنچا دیا۔

وہاں میرے ملنے کو شہر کے بہت ہندو مسلمان جمع ہوئے تو اُسی جلسہ میں ایک مولوی صاحب نے یہ ذکر بھی کیا کہ بخاری ایک کتاب ہزار سال سے گمنامی کے کونے میں پڑی ہوئی تھی دلی کے ایک شخص نے جس کا نام اسمٰعیل تھا اس کتاب کو شائع کیا۔ یہ خطرناک کلمہ ایسا تھا جس سے میرے کان آشنا نہ تھے اور میں نے اس قسم کا کلمہ کسی خارجی یا شیعہ سے بھی نہیں سُنا تھا چہ جائیکہ ایک حنفی مذہب کے ممتاز عالم کے مُنہ سے نکلا۔ مجھے تعجب ہوا پھر میرے دل میں غیظ و غضب پیدا ہوا۔ وہ پہلا ہی دن تھا کہ میں اپنے وطن میں پہنچا تھا۔ بہت کچھ نشیب و فراز دل میں پیدا ہوئے۔ آخر میں نے اتنی بات سے توڑ کرنا مناسب نہ سمجھا کہ میں نے کہا کہ اول تو میں ابھی طالبعلمی سے آیا ہوں نہ میرا مطالعہ نہ میری وسعت نظر۔ نہ مجھے تجربہ لیکن بخاری کی ساٹھ شروح کے نام اس وقت مجھے یاد ہیں اگر ایک شرح کو سولہ برس کے قریب قریب ختم کر لیا جائے جو کچھ زیادہ مدت نہیں معلوم ہوتی تو اس ہزار برس میں ہر روز

بخاری کی شرح لکھی گئی ہے اور یہ شروح شافعی مذہب کی بھی ہیں حنفیوں کی بھی مالکیوں اور حنابلہ کی بھی۔ میں نے خود بخاری کو ایک بڑے حنفی المذہب مولوی عبدالقیوم صاحب سے بھوپال میں پڑھا ہے پھر شاہ عبدالغنی صاحب سے بھی۔ ان دونوں کی صحبت میں میں نے کبھی ایسے لفظ نہیں سُنے۔ یہ میرا فقرہ اس مولوی صاحب کے قلب پر بجلی کا کام کر گیا۔

پھر ایک دن میں اپنی مسجد میں مشکوٰۃ پڑھا رہا تھا اس میں یہ حدیث آئی کہ جو کوئی اذان کی آواز سنے وہ اذان کے کلمات کہے اور بعد اس کے اللّٰھم ربّ ھٰذہ الدعوۃ التامۃ آخر تک دُعا پڑھے حلت لہ شفاعتی۔ اس حدیث کے بیان کو ایک شخص عبدالعزیز نام پشاوری جس کو عزیز بھی کہتے تھے سُن کر مجھ سے کہنے لگا کہ آپ یہ دُعا لکھ دیں اس وقت میرے پاس اتفاق سے انگریزی لکھنے کا لوہے کا قلم تھا جو بہت ہی باریک تھا اسی سے میں نے وہ دُعا لکھ دی۔ وہ چونکہ ضعیف العمر اور نظر کا کمزور تھا اس نے پڑھنے کی کوشش کی مگر اس کی کم نظری نے روک دیا۔ وہ پرچہ لے کر ایک مشہور کاتب محمد دین کے پاس پہنچا کہ یہ دُعا آپ بہت موٹے حروف میں خوش قلم لکھ دیں۔ کاتب صاحب نے تو آگا پیچھا ہی نہ دیکھا کہ یہ دُعا تو شفاعت کے لیے ہے وہ اس کاغذ کو لیکر بخاری کے دشمن مولوی صاحب کی خدمت میں پہنچے اور کہا کہ اس شخص کے قلم سے وارزقنا شفاعتہ کا لفظ ارادۃً چھوٹ گیا ہے۔ مولوی صاحب کے اس پہلے غضب پر میرا یہ لکھا ہوا کاغذ اور بھی خطرناک کام کر گیا اور اب وہ میرے مقابلہ کے لیے بالکل تیار ہو گئے۔ وہ ابھی کچھ منصوبوں میں ہی تھے کہ ایک روز صبح کے وقت ایک سیّد صاحب اور ان کے ساتھ ایک متولی صاحب دونوں میرے پاس آئے اور شاہ صاحب نے مجھ سے کہا کہ میرے سسرال میں ایک جماعت ہے جو نمازوں میں رکوع اور قومہ میں رفع یدین کرتے ہیں آپ کا فتویٰ ان لوگوں کی نسبت کیا ہے کہ اُن سے کیا معاملہ کیا جائے کیونکہ وہاں جھگڑے میں آپ کو منصف مقرر کیا گیا ہے۔ میں نے اس وقت کمزوری سے کام لیا اور ان سے کہا کہ پہلے پتہ لگایا جائے اور ان رفع یدین کرنیوالوں سے پوچھا جائے کہ وہ شیعہ ہیں یا سُنی اور سُنیوں میں وہ شافعی ہیں یا حنبلی۔ اگر اس قسم کے لوگ ہوں تو ان کے مذہب میں رفع یدین ثابت ہے۔ ہاں اگر وہ حنفی مذہب کے مقلد ہیں تو پھر ان کے متعلق ان کے مناسب فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔ سیّد نے اس فتوے کو بہت پسند کیا اور دونوں واپس چلے گئے۔ قدرت ہی کے تماشے ہیں جب وہ دونوں صاحب مسجد کی سیڑھیوں سے نیچے اُتر گئے تو وہ مولوی صاحب جو بخاری پر ناراض اور دعائے شفاعت پر گھبرائے ہوئے تھے پاس سے گزرے اور اُنہوں نے شاہ صاحب سے پوچھا آپ یہاں کس طرح آئے تھے۔ شاہ صاحب نے کہا کہ میں نے ایک سوال کیا تھا مگر بہت ہی معقول جواب دیا ہے۔ شاہ صاحب سے سُن کر مولوی صاحب نے ان کو بتاکید فرمایا کہ میں یہاں کھڑا ہوں آپ اس سے یہ اور

دریافت کرآئیں کہ آپ کے نزدیک رفع یدین کا کیا حکم ہے۔ وہ شاہ صاحب جب واپس تشریف لائے اور میں نے
ان کو دیکھا تو اپنی کمزوری پر بہت ہی افسوس کیا۔ خیر انہوں نے جیسا ان کو مولوی صاحب نے سمجھایا تھا اسی طرح
کھڑے ہی مجھ سے دریافت کیا۔ میں تو پہلے ہی اپنی حالت پر افسوس کر رہا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے
نزدیک رفع یدین کرنا جائز ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اگر آپ کا خیال ہے تو آپ کا اس ملک میں یا کم سے کم اس
شہر میں رہنا محال ہوگا۔ میں نے ان کو جیسا کہ میں تیار ہو ہی چکا تھا کہا کہ یہ خدائے تعالیٰ کے کام ہیں ان میں بندوں
کا کوئی دخل نہیں۔ پہلے دن کی گفتگو۔ وہ دعا۔ شاہ صاحب کا یہ سوال ان تینوں چیزوں نے مل کر اپنا ایک عجیب کیمیاوی
اثر دکھلایا۔

ایک دن صبح کو میں اپنے مکان سے اُترا تو حکیم فضل دین صاحب جو میرے بڑے مخلص اور محسن اور پیارے
اور دل سے فرمانبردار دوست تھے رحمہم اللہ کچھ گھبرائے ہوئے میرے پاس آئے۔ اور کہا کہ اذان کی دُعا کس طرح
ہے؟ وہ سوال میں بہت ہی ادب کیا کرتے تھے۔ میں نے ان کو حسب معمول دُعا سُنا دی۔ انہوں نے کہا کہ یہ
کہاں لکھا ہے؟ میں نے کہا آپ کیوں گھبراتے ہیں کبیری شرح منیہ اور لمعات شرح مشکوٰۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی
میں ایسا ہی ہوگا۔ میرے مکان کے نیچے بہت سے مُسلمان بیمار بھی ہوا کرتے تھے لیکن اس دن خلاف معمول وہاں کوئی
آدمی نہ تھا۔ اتنے میں ایک شخص میرے پاس آیا جس کی حالت پر اب مجھ کو رحم آتا ہے اور بہت ہی رحم آتا ہے۔
اس کا نام غلام محمد تھا قوم جلاہا مگر بہت جوشیلا آدمی تھا۔ رحم کی وجہ یہ ہے کہ اب اس کی اولاد میں ایک لڑکا میں
نے دیکھا ہے جو بڑا جوشیلا شیعہ ہے اور رفع یدین کو تو وہ قریباً فرض ہی سمجھتا ہے۔ یہ خدائے تعالیٰ کے عجائبات
ہیں۔ اس نے آکر کہا کہ حضرت پیر صاحب کی بی بی بہت سخت بیمار ہیں آپ وہاں چل کر ان کو دیکھ لیں۔ میں اُن پیر صاحب
کی بڑی عزت کرتا تھا اس واسطے بلا تکلف اس کے ساتھ ہولیا۔ وہ بڑی تیزی سے قدم اُٹھاتا ہوا چلا۔ میں نے
بہت سی مخلوق رستہ میں دیکھی جو بے ساختہ پیر صاحب کے مکان کی طرف جا رہی تھی۔ جب میں ان کے
دروازہ کے قریب پہنچا تو وہاں بڑا اژدحام خلقت کا مجھے نظر آیا۔ لیکن ان کے زنانخانہ کی طرف نہ کوئی مرد جاتا ہوا
دیکھا نہ کوئی عورت۔ میاں غلام محمد صاحب کو دیکھا تو وہ بھی وہاں سے غائب ہوگئے۔ اُسوقت مجھکو یقین ہوا کہ فریب سے مجھکو کسی
دوسری غرض کیلئے بلایا گیا ہے لیکن اس وقت وہاں کوئی واپس جانیکی صورت نظر نہ آئی تو ناچار میں بھی مردانہ کی طرف
خود بخود چلا گیا۔ وہاں پیر صاحب ایک بڑی چارپائی پر گاؤ تکیہ لگائے اور اپنے دونوں پاؤں کو چارپائی کے دونوں
طرف رکھے ہوئے چت تھے۔ اور ایک عالم جو اس شہر سے باہر کے تھے اور میں اس دم تک ان کے تعلم اور تقدس

اور یکی کا بڑا معتقد تھا ان کو دیکھا کہ ان پڑھ پیر صاحب کے پاؤں پر اپنا ماتھا رکھے ہوئے اور ہاتھ سے ان کا پاؤں دبائے ہوئے بیٹھے ہیں میں دیکھ کر بیتاب ہو گیا میں نے کراہت سے انکو دیکھ کر پیر صاحب کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ آپ کی بیوی بیمار ہے آپ کا آدمی گیا تھا چلیئے اس کو دیکھ لو انہوں نے کہا کہ ایک مسئلہ ضروری ہے پہلے اس کی نسبت آپ سے کچھ دریافت کرنا ہے۔ میں نے کہا آپ تو پیر ہیں آپ کو مسائل سے کیا غرض پڑی ہے آجکل تو پیر مسائل سے قطعًا سبکدوش ہیں۔ ابھی میں کھڑا ہی تھا کہ انہوں نے دوبارہ اصرار کیا مگر وہ ایسے ذہین اور فہیم تھے کہ فوراً تاڑ گئے کہ یہ زمین پر تو بیٹھے گا نہیں۔ چارپائی پر ہی بیٹھے گا۔ یہ ان کی فراست نہایت صحیح تھی۔ جلد تاڑ کر کہا کہ ادھو! علماء تو سب نیچے بیٹھے ہیں اور یہ رسول کے جانشین ہیں ہمارے نوکروں نے بڑی غلطی کی کہ ہمارے لیے چارپائی بچھائی اپنے نوکروں سے کہا کہ جلد چارپائی اٹھاؤ چارپائی کے اٹھنے سے جگہ بھی فراخ ہو گئی پیر صاحب بھی نیچے ہی بیٹھ گئے میں نے کہا کیا مسئلہ ہے؟ کام سب خدائے تعالیٰ کے فضل ہی سے ہوتے ہیں۔ اصل محرک مولوی صاحب کے ہاتھ میں کتاب تھی اور اس میں ایک جگہ انہوں نے اپنی انگلی رکھ چھوڑی تھی میں سمجھا کہ کوئی ایسا مسئلہ ہو گا جس کا اس کتاب میں ذکر ہے۔ میں نے خدائے تعالیٰ کے کامل رحم اور بندہ نوازی سے اس کتاب کو اپنے ہاتھ میں پکڑ کر کہا کہ بھائی صاحب یہ کیا کتاب ہے تو مولوی صاحب نے بڑے غضب سے کہا کہ آپ میرے بھائی نہیں ہیں۔ حالانکہ میں رشتہ میں ان کو بھائی سمجھتا تھا۔ میں نے کہا یہ تو کوئی ناراض ہونے کی بات نہیں اگر اخوت اسلامی کے سبب آپ بھائی ہونا نہیں مانتے تو ہمارے یہاں سکھوں کو بھی بھائی کہتے ہیں۔ تب انہوں نے اپنے ہاتھ سے کتاب چھوڑ دی اور کہا کہ اچھا ان معنوں میں آپ لے لیں جہاں ان کی انگلی رکھی ہوئی تھی میرے ہاتھ میں آکر وہ مقام تو کھل گیا۔ میں اپنے مولا کی کس مہربانی کا ذکر کروں۔ وہ کتاب دلائل الخیرات مطبع کانپور کی تھی میں نے ہاتھ میں لیکر جب اس کو کھولا تو اس کے ساتویں صفحہ پر میری نظر پڑی اور اس میں اذان کی دعا ہی لکھی تھی جو میرے ہاتھ سے لکھی گئی تھی۔ اب میں خوشی سے اس قدر جوش میں آگیا کہ میں بیٹھ نہیں سکا اور میرے دل میں یہ بات جوش زن ہو گئی کہ بہرحال یہ عالم آدمی ہے اور بڑا ہوشیار ہے اس نے ضرور اچھی طرح دیکھ بھال لیا ہو گا لیکن اب تو وہ لفظ دلائل الخیرات میں موجود نہیں ہو نہ ہو یہ وارزقنا کا لفظ خدائے تعالےٰ نے کاٹ دیا ہے۔ میں نے کھڑے ہو کر بڑے بلند آواز سے کہا کہ تم نے بنی اسرائیل کے ایک لڑکے کا قصہ سنا ہو گا کہ وہ توریت پڑھتا تھا اور جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام آتا تھا تو کاٹ دیتا تھا اور پھر خود بخود قدرت خدا سے اس میں نام لکھا جاتا تھا۔ سب نے کہا کہ ہاں ہم نے یہ قصہ سنا ہے۔ میں نے کہا کہ وہاں تو کاٹا ہوا پھر لکھا

جاتا تھا اور یہاں خدائے تعالیٰ نے لکھا ہوا کاٹ دیا۔ اس دلائل الخیرات کو دیکھو اس میں وارزقنا کا لفظ کٹ گیا ہے وہ لوگ تو پہلے ہی دلائل الخیرات میں اس دعا کو دیکھ چکے تھے کہ وارزقنا کا لفظ لکھا ہوا موجود ہے سب اُٹھ اُٹھ کر اور جُھک جُھک کر دیکھنے لگے اور اس بات غافل کہ پہلے انہوں نے کونسے صفحہ پر یہ دُعا دیکھی اور اب یہ ساتواں صفحہ تھا، حیران و ششدر رہ گئے۔ میری تیز زبانی اور طاقت اور بھی بڑھ گئی۔ پیر صاحب فوراً سمجھ گئے اور انہوں نے پہلو بدل کر کہا کہ یہ مولویوں کی بحث ہے ہم اس کو نہیں جانتے۔ مسئلہ دراصل وہ جو ہم دریافت کریں۔ تم یہ بتاؤ کہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للّٰہ پڑھنا جائز ہے یا ناجائز۔ میں اپنے مولا کی حمد کس طرح بیان کروں اور میری کیا ہستی ہے کہ اس کے فضل و کرم اور تصرفات پر قربان ہو جاؤں۔ میں نے اُن سے کہا کہ پیر صاحب! آپ تو یا شیخ الخ کے وظیفہ کا مسئلہ دریافت کرتے ہیں۔ پہلے اپنے مولویوں سے یہ تو پوچھو کہ وہ جناب شیخ کو قطعی جنتی مانتے ہیں یا نہیں۔ پیر صاحب نے کہا ہاں یہ انصاف کی بات ہے وہاں بہت سے مولوی موجود تھے سب نے متفق ہو کر کہا کہ سوائے عشرہ مبشرہ کے ہم کسی کو قطعی جنتی نہیں مانتے۔ میں نے پیر صاحب سے کہا کہ تو آپکے باپ کو (وہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے) جنتی بھی نہیں جانتے شیئاً للّٰہ کا وظیفہ کیا؟ انہوں نے گھبرا کر اور بڑی حیرت کے لہجہ میں کہا "ارے او مولویو یہ کیا کام کرتے ہو"۔ غرض وہ سحر تو باطل ہو گیا اب پیر صاحب کو لینے کے دینے پڑ گئے مجھ سے کہنے لگے۔ آپ ان لوگوں کو چھوڑ دیں اپنا خیال بتائیں۔ میں نے کہا بخاری شریف میں لکھا ہے کہ سید عبدالقادر جیلانی رح قطعی بہشتی ہیں یعنی صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے کہ حضور نبی کریمؐ کے پاس سے ایک جنازہ گذرا اور اچھے لوگوں نے اس کی تعریف کی تو نے فرمایا وَجَبَت جب اس کے معنی پوچھے گئے تو آپ نے فرمایا کہ جس کی اچھے لوگ تعریف کرتے ہیں تو وہ جنتی ہوتا ہے چونکہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی نسبت جہانتک میرا خیال ہے ہزار ہا بزرگوں نے تعریف فرمائی ہے لہٰذا اس حدیث کی رُو سے میں انکو یقینی جنتی سمجھتا ہوں۔ مولویوں میں سے اسوقت کسی نے مجھ سے کوئی جرح نہیں کی۔ پیر صاحب اس وقت ہمارے قابو میں آ گئے۔ اصل وظیفہ کے متعلق پوچھنا تو رہ ہی گیا بات کچھ اور کی اور ہی ہو گئی۔ تب میرا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے میں اصل حقیقت کو سمجھ گیا ہوں اب آپ اپنے گھر چلے جائیں۔ بخیر خدائے تعالیٰ کے فضل و نعمت کا شکر ادا کرتا ہوا بآرام اپنے گھر پہنچ گیا۔ اور وہ جاد محض خدائے تعالیٰ کے فضل سے باطل ہو گیا۔

ایک دفعہ وہاں کے علماء مباحثہ کے لیے جمع ہوئے وہاں کی جامع مسجد کو جو شیر شاہ کی بنوائی ہوئی ہے اکھاڑہ بنایا۔ کئی قسم کی گفتگو کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ تم جو اولیاء کا پکارنا شرک کہتے ہو اگر علماء میں سے کسی نے ایسا لکھا ہو تو بلا گفتگو اس امر کو مان لیں گے۔ بہت سے علماء تھے جن سے یہ اقرار پختہ کرایا گیا۔ دُوسرے دن میں

تفسیر عزیزی کو لے گیا اور اس میں سے وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا کا موقع ان کو دکھایا جہاں شاہ عبدالعزیز صاحب تحریر فرماتے ہیں " بعضے پیر پرستان از زمرۂ مسلمین در حق پیران خود امر اول را ثابت میکنند در وقت احتیاج ہمیں اعتقاد بانہا استعانت مے نمایند الخ۔ اس کے لطیف جوابوں میں ایک شخص نے جو بڑے پیر بنے ہوئے تھے اور عالم بھی مشہور تھے میری پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور کہا آپ گھبرا کر کیوں بات کرتے ہیں یہاں کیا کوئی تمہارا دشمن ہے؟ مجھ کو انکی اس بات پر بہت حیرت و افسوس ہوا۔ مگر دوسرے مولوی نے کہا کہ یہ لفظ پیران (بیائے فارسی) نہیں بلکہ بیران (بیائے موحدہ) ہے اور بیر ہنومان کو کہتے ہیں۔ پھر آپس میں کچھ اشارے کر کے سب کھڑے ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ کوئی خاص منصوبہ میرے متعلق انہوں نے تجویز کیا تھا اور اسی لیے انہوں نے ایسی بھی کوشش کی تھی کہ وہاں میرے دوستوں میں ایک شخص بھی موجود نہ تھا۔ میں اس وقت اپنے دل میں یہ دعا مانگ رہا تھا عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّکُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ۔ اس مسجد جامع میں ایک منبر تھا ایک مولوی اس پر جا کھڑا ہوا۔ ایک دنیادار آدمی جس کو میرے خسر سے محبت تھی اس عظیم الشان ازدحام اور کہرام میں میرے پاس سے یہ کہتا ہوا گذر گیا " اگر یہ وقت ٹل جائے تو پھر ہم انتظام کر سکتے ہیں "۔ جب مولوی کھڑا ہوا تو مجھے یقین ہو گیا کہ اب یہ کسی قسم کا فتویٰ دیگا اور اس فتوے کی حقیقت مجھ کو معلوم نہ تھی۔ میرے داہنی طرف شہر کے تحصیلدار کھڑے تھے ان کا نام رام داس تھا اور ان کے داہنے ہاتھ پر تھانہ دار تھا جن کا نام لینا میں مناسب نہیں سمجھتا اور تھانہ دار کے دہنے اور پیچھے بہت سے سپاہی تھے۔ باقی ہزارہا مخلوق ان کے پیچھے تھی۔ اس تھانہ دار کا لفافہ تو صحیح تھا کیونکہ مولوی ہمارے مخالف تھے لیکن مجھ کو بڑا تعجب ہوا جبکہ تحصیلدار نے بھی مجھے دھمکی دی اور کہا کہ آپ کی نسبت جو یہ شخص فتوےٰ دینے لگا ہے اس میں یہ شخص مختار ہے۔ اس وقت محض خدائے تعالیٰ کے فضل سے میرے دل میں آیا کہ جیسا کہ میرے خسر کے دوست نے کہا ہے وقت ٹل جائے تو اس ٹلنے کی تدبیر کرنی چاہیئے چنانچہ میں نے خدائے تعالیٰ سے تائید پا کر اپنی پوری طاقت سے تحصیلدار کی رگِ گردن کو جو شہ رگ کہلاتی ہے انگوٹھے اور انگلی کی مدد سے اس طرح دبایا کہ تحصیلدار صاحب کی چیخ نکل گئی اور وہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ تھانہ دار کو جب یہ معلوم ہوا کہ تحصیلدار مارا جا چکا تو اس کو خیال آیا کہ ہم تھانہ سے باقاعدہ روزنامچہ میں روانگی درج کر کے نہیں آئے ہم کو تھانہ سے باقاعدہ آنا چاہیئے تھا چنانچہ تحصیلدار کے بیہوش ہو کر گرتے ہی تھانہ دار مع تمام سپاہیوں کے وہاں سے بھاگ گیا اس کے جاتے ہی یکلخت تمام مسجد خالی ہو گئی حتیٰ کہ ان منبر پر چڑھنے والے مولوی صاحب کا بھی کوئی پتہ نشان نہ تھا۔ تحصیلدار رام داس کو جب ہوش آیا تو ان کا چہرہ زرد اور منہ فق تھا اور اس تمام مسجد میں سوائے میرے اور ان کے کوئی تیسرا

آدمی نہ تھا۔ تحصیلدار نے بڑی لجاجت اور خوفزدہ آواز سے کہا مہاراج میں آپ کا مخالف نہیں ہوں۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان کو اندیشہ ہے کہ یہ مذہب کے جوش میں مجھ کو قتل نہ کر ڈالے میں نے ان کو محبت سے اٹھایا اور گلے لگایا لیکن ان کا اندیشہ رفع نہ ہوا تحصیلدار قد میں مجھ سے چھوٹے اور بڑے شریف الطبع انسان تھے۔ میں نے انکو اپنی بغل میں دبالیا اور اسی طرح بغل میں لیے مسجد سے باہر نکلا۔ لوگوں کو میں نے دیکھا ہوا ہو گئے تھے کسی کا پتہ و نشان نہ تھا۔ جوں جوں ہم دونوں شہر کے قریب آتے جاتے تھے تحصیلدار کا چہرہ بشاش ہوتا جاتا تھا۔ جب ہم دروازہ میں آئے تو انہوں نے ذرا ہوش سنبھالا اور جب چوک میں پہنچے تو بالکل سنبھل گئے اور مجھ سے کہا کہ آپ ارشاد کریں تو میں تحصیل کو چلا جاؤں۔ میں نے کہا ہاں جاؤ۔ ان کی شرافت کا یہ حال ہے کہ آخری دم تک انہوں نے اور ان کے بیٹے ڈاکٹر فتح چند نے میری ہمیشہ سچی تعظیم کی اور کبھی بھی اس امر کا اظہار نہ کیا۔ وَکَفَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ ط

عجائبات مباحثہ میں ایک مباحثہ میں نے اپنے ملک میں یہ دیکھا کہ میں ایک گاؤں میں مباحثہ کے لیے بلایا گیا۔ مقام مباحثہ میں جب میں پہنچا تو ایک بڑا میدان دیکھا کہ اس میں بہت سی چارپائیاں بچھی ہوئی ہیں اور چارپائیوں پر ایک ایک کتاب علیحدہ علیحدہ کر کے برابر برابر پھیلی ہوئی ہیں۔ میں نے بھی ان میں سے بعض کو دور سے رکھے ہوئے دیکھا۔ کتابیں اس قدر فراہم کی گئی تھیں کہ انہوں نے وہ بہت بڑا وسیع میدان پُر کر دیا تھا۔ میں نے مہتمم مباحثہ سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ معلوم ہوا کہ یہ تمام کتابیں رفع یدین والی حدیث کی تردید میں ہیں۔ مجھ کو بہت تعجب ہوا کہ اُس حدیث کی تردید تو چند محدثین اور چند فقہا کے اقوال سے بھی یہ لوگ کر سکتے تھے اس قدر وسیع کُتب خانہ پھر کتابوں کو ایک ایک کر کے پھیلا کر رکھنے سے کیا فائدہ ؟ میں اوّل اس کمرہ میں گیا جہاں مباحثہ تجویز ہوا تھا میں نے مولوی صاحب سے عرض کیا کہ یہ کتابوں کا کیا کارخانہ ہے پھر اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ایک سہل بات ڈال دی اور اس کی محرک معمولات مظہری نام ایک کتاب ہو گئی جو اس وقت میرے کوٹ اور کُرتہ کے درمیان رکھی تھی۔ میں نے کھڑے ہی کھڑے مولوی صاحب سے پوچھا کہ اگر معمولات مظہری میں جو آپ کے پیروں کے پیر کے ملفوظات ہیں کوئی اس قسم کا فیصلہ نکل آئے جو فرض کرو ان کتابوں کے خلاف ہے تو کیا آپ اپنے پیر کو چھوڑ دینگے؟ باعثِ مباحثہ بھی کھڑا ہی تھا میں بھی کھڑا تھا اور وہ بزرگ بیٹھے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ ہمارا طریقت کا پیر ہے شریعت کا پیر نہیں۔ میں نے کہا کیا وہ شرعی امور کے مخالف ہو کر بھی آپ کے طریقت کے پیر رہ سکتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں۔ باعثِ مباحثہ جو ایک بڑا ہوشیار دنیا دار آدمی تھا وہ تاڑ گیا اور اس

نے آہستہ سے مجھ سے کہا کہ میں تو حقیقت کو پہنچ گیا۔ یہ لوگ تو آپ سے کچھ بھی مباحثہ نہیں کر سکتے۔ مجھ کو تو کسی کاوش کی ضرورت نہ تھی میں وہاں سے گھوڑے پر سوار ہو کر اس ارادے سے کہ اپنے گھر چلا جاؤں اس گاؤں سے باہر نکلا۔ لیکن ایک آدمی نہایت تیزی سے دوڑتا ہوا میرے پاس پہنچا اور اس نے آتے ہی میرے گھوڑے کی باگ پکڑلی اور کہا کہ یہ ڈھول کی آواز نہیں سنتے؟ میں نے کہا کہ میں تو ڈھول کی آواز پہچانتا نہیں۔ اس نے کہا کہ یہ فلاں دنیادار نے اس خوشی کا ڈھول بجوایا ہے کہ آپ ہار گئے ہیں۔ مجھ کو بڑا تعجب ہوا اور میں نے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا کر اپنے آپ کو پھر اسی مقام پر پہنچایا اب اس دنیادار کو بھی ہوش آیا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ حقیقت معلوم ہوگئی یہ لوگ مباحثہ نہیں کر سکتے اور اب سنا کہ یہ فتح کا ڈھول بجوایا ہے یہ سن کر اس نے ڈھول بجانیوالے کو بڑی فحش گالی دیکر نیچے اتارا۔ میں نے اس دنیادار کو دھمکی دی کہ اگر اس طرح آدمی فتحیاب ہو سکتا ہے تو تمہارے مخالف تم کو جان سے مارڈالنے پر تیار ہو سکتے ہیں تم نے سوچا سمجھا نہیں اور غور سے کام نہیں لیا۔ تحریری اور تقریری مباحثہ کرالو اور ان شرارتوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو۔ پھر وہاں سے میں ایک بڑے پُرامن مکان میں چلا گیا۔ تھوڑے سے تحریری مناظرہ کے بعد کتابوں والے مولوی صاحب نے مناظرہ کو روک دیا۔ میں ان کو جانتا تھا کہ وہ مناظروں سے دور رہنے والے آدمی تھے۔ میں ان کو بہت شریف الطبع اور نیک طبیعت خیال کرتا تھا لیکن ان کے اس لفظ پر مجھ کو اس وقت تک تعجب ہے کہ انہوں نے میرے سامنے یہ کہا کہ اس ملک میں کوئی مذہبی مباحثہ کبھی نہیں ہوتا تھا اس گاؤں کے مولوی نے تفرقہ ڈالدیا ہے اور جو مفرق الجماعت ہوتے ہیں وہ ملعون ہوتے ہیں عَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْن۔ اس لفظ سے میں کانپ گیا اور معلوم ہوا کہ شریف الطبع انسان بھی جوش میں آکر حد سے نکل جاتا ہے — ایک مسجد میں یہ عجیب بات دیکھی کہ ایک بزرگ میری بہت مذمت کر رہے تھے اور میں بھی وہاں جاکر بیٹھ گیا .... انہوں نے مجھ کو دیکھا نہ تھا اور بڑے جوش سے اپنے کام میں مصروف تھے۔ میں جانتا تھا کہ دنیا میں یہ بیچارے بھی کچھ لحاظداری کرتے ہیں۔ میں نے آہستگی سے کسی اور شخص سے ایک بات کی اور خیال کیا کہ یہ بھی میری آواز سن لیں گے چنانچہ وہ فوراً میری آواز سن کر چونک پڑے اور میری طرف منہ کرکے فرمانے لگے کہ "آپ بیٹھے ہیں؟" اور اس کے بعد ان پر ایک سکتہ طاری ہوگیا جس سے مجھ کو افسوس ہوا کہ کس قسم کی یہ مخلوقات ہے۔

ایک واقعہ اسی کے قریب یہ ہوا کہ ہمارے شہر میں ایک بہت بڑے پیر ولایت سے [illegible] کچھ سمجھا کر ان سے لوگوں نے یہ [illegible] اس قدر مدد دے دیں گے کہ نور الدین کو شہر سے نکال دیں۔ جب پیر صاحب آگئے۔

بلے کر چلے مجھ کو بھی یہ خبر پہنچی۔ میں دوپہر کے وقت پیر صاحب کے پاس پہنچا اور وہ ایسا وقت تھا کہ اس وقت پیر صاحب تنہا ہی ہوتے تھے۔ میں نے کہا کہ ایک عرض کرنے آیا ہوں جو بہت ہی مختصر ہے۔ یہ باغ جو آپ کے گھر کے پاس ہے اس باغ کی نسبت مجھے ایک سوال ہے کہ "آپ تو حجرہ شاہ مقیم کے رہنے والے ہیں اور وہ یہاں سے بہت دُور ہے یہ باغ آپ کو شہر میں کس طرح مل گیا؟ بس میرا اتنا ہی سوال ہے"۔ پیر صاحب نے فرمایا کہ آپ کے دادا نے ہمارے دادا کو دیا تھا۔ میں نے کہا بہر حال آپ کو ہمارے خاندان سے کچھ نفع پہنچا ہے۔ یہ سُن کر انہوں نے فرمایا کہ میں اور آپ کا بڑا بھائی لاہور میں ایک جگہ رہتے تھے اور ہماری باہم بہت کچھ رسم آمد و رفت تھی۔ میں نے کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ میرے اس شہر سے نکالنے میں شریک ہیں۔ خیر یہ تو احسان کا بدلہ ہی ہوگا۔ مگر اتنا آپ یاد رکھیں کہ جو لوگ میرے مُرید اور معتقد ہیں وہ تو کم سے کم آپ کو کبھی سلام نہ کریں گے۔ یہ کہکر میں چلا آیا اور جلد وہاں سے واپس ہوگیا۔ دن کے آخر حصہ میں جب علماء اکٹھے ہو کر اُن کے پاس گئے اور میرے اخراج کا فتویٰ پیش کیا تو پیر صاحب نے فرمایا فقر کا دروازہ بڑا ہی اونچا ہے۔ ہندو، سکھ، مُسلمان، عیسائی، وہابی سب فقر کے سلامی ہیں تب ان علماء نے عرض کیا کہ آپ نے کل فرمایا تھا کہ میں کل تدبیر بتا دُوں گا اور ہم سے خوب پکّی بات آپ کی اس کام متعلق ہو چکی تھی۔ پیر صاحب نے کہا کہ ہاں آپ رسول کی گدّی کے مالک ہیں اور اس لیے آپ کی رعائت کرنی ضروری ہے لیکن فقر کا دروازہ بہت اونچا ہے اور فقر کے سب سلامی ہیں مولویوں نے بڑا ہی زور دیا مگر سلام کے لفظ کو پیر صاحب چھوڑ نہ سکے۔ پھر ان کا آدمی میرے پاس پہنچا اور کہا کہ پیر صاحب آپ کے مکان کے قریب سے گذریں گے جب وہ قریب آئیں تو آپ باہر نکل کر اُن سے ملیں۔ میں نے خیال رکھا۔ جب مجھ کو معلوم ہوا کہ وہ قریب ہیں میں مکان سے نکل کر ان سے ملا وہ ایک گھوڑی پر سوار تھے مگر کوئی آدمی ان کے آگے پیچھے نہ تھا حالانکہ وہ بڑے ذی وجاہت آدمی تھے۔ مجھ سے کہنے لگے کہ "جوان! میں نے وہ کام کر دیا ہے۔ یار! اب اپنے مریدوں سے کہدینا کہ وہ ہم کو سلام کر لیا کریں"۔ میں نے کہا کہ جب میں نے خود آپ کو سلام کیا ہے تو میرے مرید بھلا کیوں نہ کریں گے۔

بھیرہ میں میں نے ایک طبیب سے مشورہ کیا کہ میں یہاں طب کرنا چاہتا ہوں تو اس نے کہا کہ تم یہاں کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ میں بانگ لینے والا آدمی ہوں پھر بھی مجھے اس شہر میں پانچ روپیہ سے زیادہ آمدنی نہیں اور تم تو مانگو گے نہیں اور تمہاری حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوا کا مفت دینا تمہاری عادت میں داخل ہے۔ ان سے کسی تقریب میں یہ بات بھی کہہ چکا تھا کہ معاجین، شربت اور فصد کا طریق مجھے لمبا نظر آتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ میاں

عطار اور جراح مخالفت کریں گے۔ علماء کی مخالفت اس کے علاوہ ہے۔ میں نے توکلاً علی اللہ اپنے ایک طالب علم سے کہا کہ یہ سُرمہ بناؤ جست ۲۰ ماشہ۔ سُرمہ سیاہ ۲۰ ماشہ۔ زنگار تین ماشہ۔ سفیدہ کاشغری چار ماشہ افیون تین ماشہ۔ سمندر جھاگ چار ماشہ۔ اور اسی طرح کا ایک اور سُرمہ جس میں افیون نہ ہو۔ میں نے عصر کے بعد وضو کرتے ہوتے ایک شخص کی آنکھ کو غور سے دیکھ کر پہلی قسم کا سُرمہ لگا دیا اس کی دیکھا دیکھی ایک اور نے درخواست کی اس کے بھی لگا دیا۔ یہ ہمارا پہلا اشتہار تھا۔ صبح بہت سے لوگ آئے اور سُرمہ ہی طلب کیا۔ ہمارے شہر میں رطوبت کے زیادہ ہونے سے یہ بیماری بکثرت تھی اور بعض کو نزلی اور بعض کو معدی آشوب تھا اور بعض کے طبقات العین میں۔ اسلیے اطریفل کشنیزی جس میں گلِ اسطوخودوس پڑتا ہے اس کی ہدایت کی بعض کے کان کے پیچھے یا ہڈی یا گردن پر پلسٹر لگا دیا۔ خدائے تعالیٰ ہی کے عجائبات ہیں کہ اس تدبیر نے بڑی کامیابی کا مُنہ دکھایا۔

عجیب سفر

بھیرہ میں جب میں علاج کرتا تھا تو ایک ایسے مکان میں بیٹھتا تھا جو ایک طبیب کے لیے نہایت ہی مناسب تھا اور اس میں بیٹھ کر عورت اور مرد دونوں کے حالات بے تکلف سُن سکتا تھا۔ میں اپنے والد صاحب کے ارشاد سے وہاں بیٹھتا اور علاج کرتا تھا۔ مکان وہ بہت وسیع تھا۔ والد صاحب کی وفات کے تھوڑے دنوں کے بعد میرے ایک بھائی صاحب نے جن کے مجھ پر بڑے بڑے احسانات ہیں (منجملہ اُن احسانات کے یہ کہ اُنہوں نے مجھ کو پڑھایا، پرورش کی، شادی کی اور بھی بڑے بڑے احسان ہیں اور میں ہمیشہ ان کے لیے دُعائیں کرتا ہوں) مجھ سے آکر فرمایا کہ یہ مکان میرے ہی روپیہ سے لیا گیا اور میرے ہی روپیہ سے دُرست کیا گیا تم اس قدر لکھ دو۔ میں تو اُن پر اپنے جان و مال سب کو قربان کرنے کے لیے تیار تھا۔ میں نے نہایت انشراحِ قلب سے ان کے حسبِ منشاء لکھ دیا اور اپنے طالب علموں سے کہا کہ یہاں سے دوائیں اٹھا کر فلاں مسجد کے حجرہ میں رکھ دو اور اسی وقت وہ مکان خالی کر دیا روپیہ اس وقت میرے پاس بالکل نہ تھا میں نے سمجھا کہ یہ میرے اُستاد بھی ہیں مربی بھی ہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے دل میں ذرا بھی کدورت پیدا ہو۔ ایک دو روز کے بعد میری والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ اس تحریر کا منشاء یہ نہ تھا کہ تم وہاں سے چلے جاؤ۔ اس تحریر کا منشاء کچھ اور ہی تھا جس کا اثر تم پر نہیں پڑ سکتا تھا۔ کچھ انہوں نے کسی اصل بات کی طرف اشارہ بھی کرنا چاہا مگر میں تو مکان چھوڑ ہی چکا تھا۔

وہاں ایک سرکاری زمین تھی جس کو کمیٹی کی زمین کہتے تھے میں نے اپنے ایک دوست مستری سے کہا کہ تم اس زمین پر مکان بناؤ اور ایک ہندو سے کہا کہ تم روپیہ دے دو۔ مکان بننا شروع ہو گیا وہاں تحصیلدار

(جن کا نام منصب دار خاں تھا اور جو راولپنڈی کے علاقہ کے رہنے والے تھے) نے میرے پاس کہلا بھجوایا کہ اوّل تو کوئی مکان بلا اجازت اور بغیر نقشہ منظور کرائے بنانا جائز نہیں پھر یہ کہ سرکاری زمین میں مکان بنانا قانون کے خلاف ہے۔ میں بسبب ادب کے کچھ نہیں کہہ سکتا مگر ہاں یہ بتائے دیتا ہوں کہ کمیٹی بھی اگرچہ بہ سبب ادب کے کچھ نہیں کہہ سکی لیکن انہوں نے ڈپٹی کمشنر کو رپورٹ کر دی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بنا بنایا مکان گرا دیا جائے گا۔ میرے دوست مستری نے بھی یہی کہا مگر چونکہ میرا دل انشراح صدر سے یہی کہتا تھا کہ مکان ضرور بنے گا اس لیے میں نے کہا کہ تم اپنا کام کیے جاؤ۔ صاحب ڈپٹی کمشنر نے کمیٹی والوں کی رپورٹ پر کہا کہ ہم بہت جلد وہاں آنیوالے ہیں خود ہی آ کر موقع کا ملاحظہ کریں گے۔ چنانچہ وہ آئے اور بعد ملاحظہ فرمایا کہ جس قدر مکان بن چکا ہے وہ تو ابھی رہنے دو باقی تعمیر کا کام روک دو۔ میں بھی اس وقت وہاں قریب کے مکان میں موجود تھا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کے تشریف لانے کی خبر سُن کر وہاں گیا تو ڈپٹی کمشنر صاحب وہاں سے جا چکے تھے اور بہت سے قدم آگے نکل گئے تھے۔ مجھ کو آتا دیکھ کر شاید ان کے ہمراہی لوگوں میں سے کسی نے کہا ہوگا کہ مکان بنوانے والا آ گیا ہے وہ پھر واپس آئے اور ان کو واپس ہوتے دیکھ کر میرے دل نے کہا کہ حکم لوٹ گیا۔ جب وہ آ گئے تو مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم جانتے ہو یہ سرکاری زمین ہے؟ میں نے کہا ہاں! مگر سارا شہر ہی سرکاری زمین ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ کس طرح؟ میں نے کہا کہ اگر سرکار کو اس شہر کے مقام پر فوجی میدان بنانا پڑے تو کیا شہر کے لوگ انکار کر سکتے ہیں؟ کہا ہاں نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا بس اسی طرح ہر جگہ سرکاری ہی کہلاتی ہے۔ تب اُنہوں نے کہا کہ اچھا آپ کا مکان سرکاری زمین کے کتنے حصہ میں بن سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ ایک طرف تو سڑک ہے دوسری طرف بھی شارع عام ہے اس کے درمیان جتنی زمین ہے اس میں مکان بن سکتا ہے۔ فرمایا کہ اچھا ابھی میخیں گاڑ دو چنانچہ میخیں گاڑ دی گئیں پھر تحصیلدار اور میونسپلٹی کے لوگوں سے پوچھا کہ آپ لوگوں کو کوئی اعتراض ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ ان کا مکان تو نافع عام ہوتا ہے ہم کو کوئی اعتراض نہیں۔ مجھ سے فرمایا کہ اچھا آپ اپنا مکان بنائیں۔ جب وہ چلے گئے تو تحصیلدار نے میرے پاس آ کر کہا یہ تو سکھا شاہی فیصلہ ہوا ہے کیونکہ ڈپٹی کمشنر صاحب کو خود بھی اختیار اس طرح سرکاری زمین دینے کا نہیں ہے میں نے اُن سے کہا کہ آپ خاموش رہیں۔ بہت دور جا کر ڈپٹی کمشنر پھر واپس آئے اور مجھ سے فرمایا کہ سڑک کے ساتھ ساتھ بدررو ہے آپ کو اس کے سبب سے بہت تکلیف پہنچے گی۔ میں نے کہا کہ میں نے سُنا ہے انگریز بہت عقلمند ہوتے ہیں آپ ہی کوئی تدبیر بتائیں۔ کہا میں نے تدبیر یہ سوچی ہے کہ سرکار کی طرف سے آپ کے مکان کا پشتہ

کیٹی بنادے پھر کیٹی والوں سے مخاطب ہوکر پوچھا کہ آپ کو کوئی اعتراض ہے؟ انہوں نے کہا نہیں وہ تحصیلدار مجھ سے کہنے لگا کہ یہ ایک ہزار روپیہ اور ہم پر جرمانہ ہوا۔ میں نے اسے کہا کہ تم ان باتوں کو کیا سمجھ سکتے ہو۔

اُس مکان کے بننے میں جب بارہ سو روپیہ خرچ ہوگیا تو مجھ کو خیال آیا کہ کہیں وہ ہندو اپنا روپیہ نہ مانگ بیٹھے۔ میں اسی خیال میں تھا کہ میرے ایک دوست ملک فتح خاں صاحب گھوڑے پر سوار میرے پاس آئے اور فرمایا کہ میں راولپنڈی جاتا ہوں کیونکہ لارڈ لٹن نے دلّی میں دربار کیا ہے بڑے بڑے رئیس تو دلّی بلائے گئے ہیں اور چھوٹے رئیس راولپنڈی جمع ہوں گے اور انہیں تاریخوں میں راولپنڈی میں دربار ہوگا ہم راولپنڈی بلائے گئے ہیں۔ میں نے اُن کے کان میں چُپکے سے کہا کہ مجھ کو بھی دربار میں جانا ہے انہوں نے کہا یہ گھوڑا ہے آپ اس پر سوار ہو جائیں۔ اس وقت جس قدر میرے بیمار تھے وہ وہیں بیٹھے رہے اور میں نے گھر میں بھی اطلاع نہیں کی اسی وقت سوار ہوکر چل دیا فتح خاں اور ہم دونوں جب جہلم پہنچے تو وہاں ریل تھی ملک فتح خاں مرحوم تو راولپنڈی چلے گئے۔ میں نے کہا کہ میں تو دلّی جاتا ہوں۔ میرے کپڑے بہت ہی میلے ہو گئے تھے اس لیے میں نے اپنے کپڑے اُتار کر ملک حاکم خاں تحصیلدار جہلم کا ایک پاجامہ۔ پگڑی اور کوٹ پہن لیا جس کے نیچے کُرتہ نہ تھا۔ میں سیر کے لیے نکلا اور ٹہلتا ہوا سٹیشن جہلم پر پہنچا۔ میں نے سٹیشن پر کسی سے دریافت کیا کہ لاہور کا تھرڈ کلاس کا کیا کرایہ ہے معلوم ہوا کہ پندرہ آنہ۔ اس کوٹ کی جیب میں دیکھا تو صرف پندرہ آنہ کے پیسے پڑے تھے۔ میں نے ٹکٹ لیا اور لاہور پہنچا۔ یہاں بڑی گھمسان تھی کیونکہ لوگ دربار کے سبب دہلی جا رہے تھے ٹکٹ کا ملنا محال تھا اور میری جیب میں تو کوئی پیسہ بھی نہ تھا۔ ایک پادری جن سے کسی مرض کے متعلق طبّی مشورہ دینے کے سبب میری پہلے سے جان پہچان تھی سٹیشن پر مل گئے ان کا نام گولک ناتھ تھا انہوں نے کہا کہ آپ کہاں جاتے ہیں ٹکٹ تو بڑی مشکل سے ملے گا۔ میں نے کہا مجھ کو دہلی جانا ہے۔ گولک ناتھ نے کہا میں جاتا ہوں اور ٹکٹ کا انتظام کرتا ہوں چنانچہ وہ گئے اور بہت ہی جلد ایک ٹکٹ دہلی کا لا دیئے میں نے ٹکٹ ان سے لیا اور جیب میں ہاتھ ڈالا تو پادری صاحب کہنے لگے آپ میری ہتک نہ کریں۔ معاف کریں میں اس کے دام نہ لوں گا۔ اور میں بھی تو دہلی جاتا ہوں رستہ میں دیکھا جائیگا۔ میں رستہ میں ان کو تلاش کرتا رہا وہ نظر نہ آئے اور دہلی کے سٹیشن پر بھی باوجود تلاش مجھ کو نہ ملے۔ سٹیشن پر اُترا تو عصر کا وقت تھا میں آہستہ آہستہ اس سڑک پر چلا جس پر رؤساء کے خیمے نصب تھے میں غالباً پانچ میل نکل گیا۔ اب چونکہ آفتاب غروب ہونے کو تھا میں نے واپسی کا ارادہ کیا اتنے میں ایک سپاہی جو حضرت منشی جمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ملازم تھا

دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اور کہا کہ آپ کو منشی صاحب بلاتے ہیں انہوں نے آپ کو دیکھ کر مجھے بلانے بھیجا ہے۔
میں نے کہا اب تو وقت تنگ ہے میں کل انشاء اللہ تعالیٰ ان کی خدمت میں آؤں گا اس نے کہا کہ وہ بہت
اصرار سے آپ کو بلاتے ہیں میں نے پھر بھی کہا کہ کل آؤں گا۔ اس نے کہا پاس ہی تو انکا خیمہ ہے آپ ذرا تکلیف
کر کے خود ہی ان سے عذر کرلیں۔ جب میں گیا تو وہ حسب عادت بڑی ہی مہربانی سے پیش آئے اور فرمایا کہ میرا ایک
نواسہ محمد عمر نام بیمار ہے آپ اس کو دیکھیں میں نے کہا میں کل آکر اس کو دیکھوں گا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ آج
رات کو یہیں رہیں کل ہم آپ کے مکان پر چلیں گے۔ چنانچہ میرے لیے علیحدہ ایک آرام دہ خیمہ کھڑا کرا دیا اور اگلے
روز چونکہ جمعہ تھا انہوں نے یہ سمجھ کر مکان پر جانے سے تو اس کو ہم نے روک لیا ہے راتوں رات ہی میرے
کپڑے تیار کرا دیئے جو میں نے اگلے روز پہن لیے۔ جمعہ کا وقت آیا تو ہم دونوں جامع مسجد گئے اور نماز پڑھی جس
طرف حضرت مظہر جانجاناںؒ ہمارے شیخ المشائخ کی قبر ہے اس طرف کی سیڑھیوں سے وہ اُترے وہیں ان کی
بگھیاں کھڑی تھیں۔ مجھ سے کہا کہ آپ کا مکان کہاں ہے ادھر چلیں۔ میں حیران۔ مجھ کو سامنے ایک تنگ گلی نظر
آئی میں نے کہا ادھر ہے۔ فرمایا اس طرف تو ہماری بگھی نہیں جا سکتی۔ اپنے دو آدمی میرے ساتھ کر دیئے اور کہا
کہ اسباب لے آؤ۔ میں ان آدمیوں کو ساتھ لیے ہوئے اس گلی میں پہنچا بلا کسی ارادہ کے چلا جاتا تھا کہ
ایک مکان نظر پڑا کہ اس مکان میں بڑی کثرت سے لوگ جاتے ہیں اور آتے بھی ہیں اس مکان میں مخلوق
کی اس قدر آمد و رفت دیکھ کر میں بھی بلا تکلف اُس مکان میں گھس گیا جب ہم لوگ اندر داخل ہوئے تو دیکھا
کہ نیچے ایک بہت بڑا دالان ہے اور اوپر زینہ کے راستہ بالاخانہ پر لوگ جا رہے ہیں۔ میں نے ان
سپاہیوں کو تو اُس دالان میں بٹھایا اور بلا تکلف سیڑھیوں پر چڑھ گیا اس وقت میرے دل میں ذرا بھی وسوسہ
نہ آیا کہ یہ کس کا اور کیسا مکان ہے گویا قدرت کا ایک ہاتھ تھا جو مجھ کو پکڑ کر اُوپر لے گیا وہاں کثرت سے آدمی
بیٹھے ہوتے تھے میں بھی ان کی طرف متوجہ ہوا۔ میں نے اُن لوگوں میں سے صرف عبید اللہ صاحب ساکن
بنت مصنف تحفۃ الہند کو پہچانا مجھ کو دیکھتے ہی وہ بڑے خوش ہو کر بولے کہ آپ کا آنا تو میرے لیے بڑا ہی مبارک
ہوا ہے میرے ساتھ کچھ نوجوان نومسلم ہیں یہ میں اسی فکر میں تھا کہ ان کو کہاں رکھوں اب آپ جیسا انسان اور
کون مل سکتا ہے آپ ان کو اپنے یہاں لے جائیں یقین ہے کہ آپ بڑی مہربانی سے رکھیں گے۔ انہیں
نومسلموں میں ہمارے دوست ہدایت اللہ بھی تھے جو بہت کمسن تھے۔ میں نے کہا ہاں میں بخوشی ان کی خدمت
گذاری کو موجود ہوں مجھ کو ابھی اپنے مکان پر واپس جانا ہے آپ میرے ساتھ کر دیں مولوی صاحب نے

کہا ان کے ساتھ بستر ے اور سب ضروری سامان موجود ہے میں نے کہا میرے آدمی نیچے بیٹھے ہیں وہ سب اُٹھا کر لے چلیں گے اُن کو دیدو۔ اُن سپاہیوں سے اسباب اٹھوا کر ہم بخیر و عافیت منشی صاحب کی خدمت میں پہنچ گئے وہ بہت ہی خوش اور احسانمند ہوئے اور ہم سب کو اپنی بگھیوں پر سوار کرا کر کیمپ میں لے آئے۔ میں نے کہا کہ میں تھوڑے ہی دنوں آپ کے پاس رہ سکتا ہوں اور میاں محمد عمر کے رسولی ہے یہ بہت دنوں کے بعد جائے گی اور میں گھر میں اطلاع دیکر بھی نہیں آیا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ ضرور ٹھہریں اور گھر کے لیے پانسو روپیہ کا نوٹ بھیجدیں۔ میں بہت گھبرایا کہ ہم تو بارہ سو کے مقروض ہو کر نکلے تھے اور یہ تو پانسو ہی دیتے ہیں شاید یہ وہ جگہ نہیں جہاں ہمیں جانا ہے۔ خیر میں نے وہ نوٹ تو اُس ہندو کو بھجوا دیا اور گھر میں لکھا کہ آپ مطمئن رہیں۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد منشی صاحب نے سات سو روپیہ اور دیا اور مجھ سے کہا کہ جس طرح ممکن ہو آپ بھوپال تک چلیں۔ میں نے سمجھا کہ میرا قرضہ تو پورا ہو ہی گیا ہے اب جہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔

بھوپال میں دُوسری مرتبہ

چنانچہ میں منشی صاحب کے ہمراہ بھوپال پہنچا۔ منشی صاحب نے کچھ ماہانہ اپنے پاس سے اور کچھ سرکار سے مقرر کرا دیا اور فرمایا لوگوں سے بھی فیس لے لیا کریں۔ غرض وہاں مجھ کو بہت آرام ملا۔ یہ میرے دوبارہ بھوپال جانے کی وجہ تھی۔ میں اب تک منشی صاحب کے واسطے بہت دُعائیں کیا کرتا ہوں۔

بھوپال میں ہمارے وہ مریض محمد عمر منشی جمال الدین کے نواسے تیز طبیعت اس کے ساتھ متمول تھے انہوں نے تیل کی شیشی جس میں جمال گوٹہ کا تیل تھا اُٹھالی اور مجھ سے کہا میں پیتا ہوں۔ میں نے کہا کہ یہ خطرناک زہر ہے ایسا نہ ہو کہ ہلاک ہو جاؤ اور ساتھ ہی ہم بھی ہلاک ہوں۔ لیکن انہوں نے ذرا بھی پروا نہ کی اور چند قطرے پی گئے۔ میں تو بہت ہی گھبرایا مگر وہ پی چکے تھے میں نے کہا فُعِلَ مَا قُدِّرَ۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کو بڑا ہی اضطراب ہوا۔ چونکہ وہ حضرت نواب صدیق حسن صاحب مرحوم کی بیوی کے بیٹے اور مدار المہام صاحب کے نواسے تھے بڑی خلقت جمع ہو گئی۔ بہت سے ڈاکٹر اور حکیم آئے مجھے بھی بلوایا۔ اب وہ میاں صاحب یہ بھی نہ کہیں کہ ہم نے بجبر پی ہے اور نہ میں نے بتایا۔ میں کتیرا پیس کر اپنے ساتھ لے گیا۔ میں نے کہا کہ معاملہ تو پیچھے ہوگا جب ہوگا اس وقت ان کو یہ پلا دیا جائے۔ ان کی اماں ایسی گھبرائیں جس کا کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا۔ کچھ مجھے دھمکی بھی دی۔ اور ان کی دھمکی کی شہرت بھی بہت ہو گئی۔ میں اپنے مکان پر مطمئن ہو کر واپس چلا آیا کیونکہ کتیرے نے ان کو بہت فائدہ دیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان عورت بہت سا سونے کا زیور اور بہت سے کپڑے لائی اور بدون کچھ

لئے گٹھڑی رکھ کر فوراً بھاگ گئی ہیں نے منشی ہدایت اللہ سے کہا کہ دیکھو یہ عورت کہاں سے آئی اور کیسی گٹھڑی لائی۔ جب اس کو کھول کر دیکھا تو وہ قیمتی کپڑوں اور زیوروں سے بھری ہوئی تھی۔ میں بہت گھبرایا کہ ایک معاملہ تو طے نہیں ہوا یہ دوسرا کیا معاملہ ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک بوڑھی عورت اتنی ہی چیزیں اور لے کر آئی اور رکھ کر چلی گئی۔ میں نے منشی ہدایت اللہ سے کہا کہ دیکھو تو سہی یہ کہاں کی عورتیں ہیں اور کیا بات ہے۔ وہ اس کے پیچھے گئے معلوم ہوا کہ حضرت پیر ابو احمدؒ صاحب مجددی کے گھر سے آئی تھیں کچھ وقفہ کے بعد حضرت پیر صاحب تشریف لائے اور بہت جھنجھلا کر کہا آپ ابھی تک یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہیں یہاں بڑا فساد ہونے والا ہے ہمارے گھر چلو۔ میں نے کہا وہ لڑکا انشاء اللہ تعالیٰ اچھا ہو جائیگا۔ اور کوئی فساد وغیرہ نہ ہوگا۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے کہا کہ یہاں رہنے کی ضرورت ہی کیا ہے پھر فرمایا "کیا ہمارے گھر والوں نے زیور نہیں بھیجا؟ جس قدر روپیہ ان لوگوں سے لیا ہے سب واپس کر دو"، تب مجھ کو اس زیور وغیرہ کی حقیقت معلوم ہوئی۔ میں ان کی نیکی۔ وسعتِ حوصلہ۔ شرافت اور خوبیوں کا کوئی اندازہ نہیں کر سکا اور اس وقت بھی نہیں کر سکتا۔ دھمکی کے لحاظ سے وقت بڑا خطرناک تھا۔ بہرحال وہ لڑکا خدا کے فضل سے اچھا ہو گیا اور جو سلوک میرے ساتھ پیر صاحب نے کیا وہ ایسا نہیں جس کا بدلہ میں اُتار سکوں اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی اتارے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ پیر صاحب، ان کی اولاد اور انکی بیوی کو اپنی جناب سے بہت اجر عطا فرمائے۔ یہ قصہ اُس قصہ کے لگ بھگ ہے جو رام پور میں ایک پٹھان کلن خان نے عبدالقادر خان پر تلوار سونت لی تھی اور ذرا بھی عبدالقادر خان ٹھہرتا تو کلن خان مار ہی دیتا۔ یا اس قصہ کے لگ بھگ ہے کہ بھیرہ میں ہمارے ساتھ عوام کا فساد تھا اس میں حفظِ امن کے لیے طرفین کے عمائد لوگوں کے کچھ مچلکے اور ضمانتیں لیے جانے کا حکم ہوا میرے نام بھی وہ حکم پہنچا تھا اگرچہ میں کسی مقدمہ سے تعلق نہ رکھتا تھا۔ سیکسر میں جانا تھا جو بھیرہ سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ مولوی صاحبان نے یہ تجویز کی کہ راستہ میں ایسے فتوے دیئے جائیں کہ اسے کھانے پینے کی دقتیں پیش آئیں۔ میں نے ایک تیز گھوڑی کی اور ارادہ کیا کہ اگر عصر کے وقت یہاں سے سوار ہوں تو صبح کے وقت سیکسر پہنچ سکتے ہیں ساٹھ کوس بڑی بات نہیں۔ میں اس گھوڑی پر سوار ہو کر چل دیا۔ چھ کوس کے فاصلے پر چکرم داس ایک گاؤں ہے۔ وہاں میں نے دیکھا کہ بہت سے گاؤں کے آدمی لٹھ لیے ہوئے سڑک پر کھڑے ہیں۔ اس وقت مجھ کو یہ تمیز نہ ہوئی کہ یہ کون ہیں اور کس غرض سے کھڑے ہیں۔ مگر جب میں بہت ہی قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ ملک فتح خاں مع اپنے ملازمین کے ہیں۔ سلام علیک کے بعد میں نے پوچھا کہ آپ کیسے کھڑے ہیں فرمایا کہ میں

نے سنا تھا کہ آپکو چھاؤنی جانا ہے اور مجھے بھی چھاؤنی جانا ہے اس واسطے آپکا منتظر تھا لیکن ہم لوگ آہستہ آہستہ چلیں گے صبح ہوتے چھاؤنی پہنچ جائیں گے۔ غرضیکہ ایک گاؤں سے نکل کر دوسرے میں دوسرے سے نکل کر تیسرے میں اسی طرح رات بھر چل کر صبح ہوتے شاہپور کی چھاؤنی میں پہنچے وہاں کے آفیسر اور منشی اور اہلکار بہت سے لوگ ہمارے ملنے کو آئے ملک صاحب نے دیکھا کہ یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی تو مجھ سے کہا کہ مجھکو خوشاب جانا ہے۔ چھاؤنی میں ہم دن بھر رہے رات کو بھی رہے پھر دوسرے دن بھی رہے بمشکل ہم وہاں سے سوار ہوئے خوشاب چار کوس تھا جب دریا کے کنارے پر اُترے تو وہاں کے نائب تحصیلدار صاحب شیخ فضل کریم اور وہاں کے بہت سے عمائد اور احباب ہماری ملاقات کو آئے۔ ملک صاحب نے جب امن دیکھا تو مجھ سے فرمایا کہ مجھ کو تو سکیسر جانا ہے۔ خوشاب میں بھی دو تین روز لگے۔ وہاں سے جب سوار ہوا تو گل حسین شاہ ایک سیّد نے دُودھ کا بھرا ہوا ایک کٹورا پیش کیا۔ دُودھ ان دنوں مجھ کو ہضم نہ ہوتا تھا میں نے عذر کیا۔ انہوں نے بہت افسوس سے کہا کہ اگر کسی شخص کو دُودھ ہضم نہ ہوتا ہو اور وہ آپ کے پاس علاج کو آئے تو آپ کیا کریں گے؟ اس بات کے سننے سے واقعی مجھ کو بھی اپنی حالت پر افسوس آیا اور وہ کٹورا ان کے ہاتھ سے لیکر گھوڑی پر چڑھے ہوئے ہی سارا پی گیا مگر میں یقین کرتا تھا کہ اب یہ ہضم نہ ہوگا اسلئے میں جلد ہی رُخصت ہو کر چل دیا۔ سکیسر کے راستہ میں ایک پُل آتا ہے جس کے نیچے پانی بہتا ہے وہاں پہنچکر مجھ کو گونہ تکلیف محسوس ہوئی میں اُتر پڑا اور ایک بہت بڑی صفراوی اجابت ہوئی اور طبیعت بالکل صاف ہو گئی۔ سکیسر پہنچے قاضی علی احمد صاحب (جو سودرہ کے باشندے تھے اور بنی اسرائیل کہلاتے تھے) سررشتہ دار نے ایک آدمی بھیجا کہ آپ کو جو ضرورت ہو حکم کر کے بھیجیں میں خود اس لیے حاضر نہیں ہوا کہ مقدمہ کے متعلق اشتباہ نہ ہو۔ جب میں سرائے کے اندر گیا تو ایک عمدہ چارپائی پر نہایت عمدہ بستر بچھا ہوا تھا چارپائی خالی تھی اور ملک صاحب ایک چٹائی پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے مجھے چارپائی پر بٹھانا چاہا۔ چونکہ وہ میرے مخلص اور عمر میں مجھ سے بڑے تھے میں نے کہا کہ یا تو آپ ہی چارپائی پر بیٹھیں یا ہم دونوں بیٹھیں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں آپ بیٹھ جائیں مصلحت اسی میں ہے خیر میں اُس وقت تو ان کی مصلحت کو نہیں سمجھا اور چارپائی پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی آیا جس کے چہرہ پر بڑا غضب تھا مگر وہ ملک صاحب کو دیکھ کر ٹھنڈا ہو گیا اور اُس ملک کے رواج کے موافق ملک صاحب کے گھٹنوں کو ہاتھ لگانے لگا تو ملک صاحب نے کہا کہ نہیں آپ ہمارے پیر صاحب کے قدم لیں۔ چنانچہ میری طرف بڑھا اور مراسم تعظیم بجالایا۔ تھوڑی دیر کے بعد ملک صاحب نے اُس سے کہا کہ میاں سلطان علی کہاں ہیں (یہ میانوالی کے رئیس تھے) اس نے کہا کہ میں

ابھی جاتا ہوں اور ان کو اطلاع کرتا ہوں چنانچہ میاں سلطان علی صاحب آئے اور ملک صاحب نے اُن سے بھی اسی طرح میری طرف جھکنے کو کہا اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ گویا میرا بیٹا ہے آپ اس کو کچھ وعظ کریں۔ تھوڑی دیر کے بعد سلطان علی ہاتھ باندھ کر میرے سامنے کھڑے ہو گئے کہ کچھ مجھے ارشاد کرو۔ چونکہ وہ مولوی عبداللہ چکڑالوی کے مقدمہ میں آئے ہوئے تھے اور ان کا ارادہ کچھ عظیم الشان تھا میں نے کہا کہ آپ چلے جائیں بس یہی ارشاد ہے۔ پیر ابو احمد صاحب کا احسان میں اور میری اولاد کبھی نہیں بھول سکتی یہ پیر ابو احمد صاحب شاہ رؤف احمد صاحب کے بیٹے تھے۔ ملک صاحب کے ساتھ تو ہمارے تعلقات طبیبانہ بھی تھے مگر پیر صاحب کے ساتھ کوئی اس قسم کا تعلق نہ تھا یہ صرف ان کا احسان ہی احسان تھا۔ وَالْاَجْرُ مِنَ اللّٰہِ پیر صاحب نے مجھ سے ایام طالب علمی میں بھی بڑے بڑے نیک سلوک کئے اور بہت بہت میری امداد طالب علمی میں کی تھی میں ان سب کے بدلہ میں ان کے لیے دُعا کرتا ہوں۔

بھیرہ

بھیرہ میں ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا کہ ایک مسجد ہے اس میں کنواں کوئی نہیں ہے میں چاہتا ہوں کہ اُس میں کنواں بن جائے وہ چونکہ ملّا تھا اس لیے مجھکو تعجب ہوا کہ یہ ملّا ہو کر ایسے ہمّت اور رفاہ عام کا کام کرتا ہے۔ میں خود اس کے ہمراہ اس محلّہ میں اُٹھا ہوا چلا گیا۔ میں نے اُس محلّہ والوں کو کہا کہ میں تم کو مبارک باد دیتا ہوں کہ اس شخص کے دل میں خدائے تعالےٰ نے یہ ڈال دیا کہ تمہارے محلّہ میں کنواں بنوانا چاہتا ہے۔ تم کنواں بنوالو۔ کنوئیں کے نہ ہونے سے تم کو پانی دُور سے لانا پڑتا ہے نیز تمہاری جوان العمر بہو بیٹیاں پانی لینے کے لیے بازار میں ہو کر جاتی ہیں یہ خرابی اور تکلیف بھی جاتی رہے گی۔ اُس محلّہ کے نمبردار نے نہ تو میری وجاہت کا خیال کیا اور نہ خود دل میں شرمایا بے ساختہ مجھ کو جواب دیا کہ مولوی صاحب انسان کے جسم میں ایک مقعد ہوتی ہے اس میں پاخانہ بھرا رہتا ہے اسی طرح ہمارا محلّہ بھی بھیرہ شہر کی مقعد ہے لہٰذا ہر قسم کی گندگیاں ہم میں ہونی چاہئیں۔ اور یہ جو آپ کہتے ہیں کہ ہماری بہو بیٹیاں بازار میں ہو کر جاتی ہیں سو جب ہماری مائیں اور دادیاں بھی بازار میں ہو کر ہی پانی لاتی رہی ہیں تو بہو بیٹیاں ان سے زیادہ معزز نہیں۔ میں وہاں سے چلا آیا مگر مجھ کو یقین تھا کہ خدا تعالےٰ میری اس محنت کو ضائع نہ کریگا۔ بعد میں مجھ کو معلوم ہوا کہ ملّا اس مسجد کی امامت کا بھوکا تھا اور اسی لیے کنواں بنواتا تھا کہ مسجد کی امامت مل جائے۔ چند ہی روز کے بعد میونسپلٹی نے حکم دیا کہ شہر کی گلیاں سب پختہ بنوائی جائیں اور اس محلّہ میں سڑک اس طرح نکالی گئی کہ کہ ان کے دروازوں کے سامنے ذرا بھی صحن نہ رہا وہ پنکھے بنانے والوں کا محلّہ تھا ان لوگوں کو بڑی تکلیف

ہوئی اور سڑک سے دُوسری طرف کی تمام زمین پر اہل ہنود نے قبضہ کر لیا۔ اس نمبردار سے سب نے کہا کہ اب تو اس کی ایک ہی سبیل ہوسکتی ہے کہ اگر نورالدین تمہاری مدد کرے تو وہ تم کو زمین دلا سکتا ہے۔ وہ نمبردار میرے پاس آیا کہ حضرت آیئے اس کنوئیں کی اینٹ آپ اپنے ہاتھ سے رکھیں۔ مجھ کو بڑی حیرت ہوئی میں نے اس سے کہا کہ صاف بات بتاؤ۔ تم تو کنواں بنوانے کے اس قدر مخالف تھے یا اب خود مجھ سے درخواست کرتے ہو؟ کہنے لگا کہ حضور آپ کا فرمان بھلا کہیں بغیر پورا کئے تھوڑا ہی ہم رہ سکتے ہیں۔ خیر اس کو تو اس وقت میں نے رخصت کر دیا اور اس مُلّا کو بُلوایا اس نے بتایا کہ اصل بات یہ ہے۔ اور اب جبتک آپ کا قدم درمیان نہ ہو نہ کنواں بن سکتا ہے نہ زمین ان کو ہندو دے سکتے ہیں۔ ہندو میرا بڑا لحاظ کرتے تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ نصف زمین ان کو دیدو کہ یہ کنواں وغیرہ بنوالیں انہوں نے میرے کہنے سے مان لیا۔ کنواں بن گیا اور مُلّا صاحب بھی اس مسجد کے امام بن گئے چونکہ مُلّا صاحب کے ارادہ میں دنیا کی ملونی تھی اس لیے اس کام میں اس قدر دیر ہوئی۔

طب کے پیشہ میں دوبارہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے مار مار کر توفیق سکھائی اور دونوں واقعوں سے اعتماد علی المخلوق اللہ تعالیٰ نے میرے دل سے بالکل نکال دیا۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص کو تپ محرقہ تھی اور وہ ایک بڑا امیر کبیر آدمی تھا میں نے اس کے علاج میں بہت ہی زور لگایا اور مجھ کو یقین تھا کہ ساتویں دن اس کو بحران ہو جائیگا۔ ساتویں روز کی رات میں شام ہی سے اس کو خوب اضطراب شروع ہوا اور میں نے اس کو فال نیک سمجھا۔ اسکے گھر والے تو اس علم سے ناواقف تھے انہوں نے رات ہی کو ایک اور طبیب کو بلایا[1] وہ آخر شب وہاں پہنچا بڑا تجربہ کار آدمی تھا اس کو یقین ہوگیا کہ مریض کے عوارض تو روبانحطاط ہیں اب بحران شروع ہونے والا ہے۔ آتے ہی اپنے پاس سے ایک پڑیہ بہت جلدی نکال کر وہاں بیدمشک رکھا ہوا تھا اس کے ساتھ کھلائی۔ میری طرف دیکھ کر ہنسا اور ان سے کہا کہ یہ کیا تپ ہے ابھی ہماری پڑیہ سے ٹوٹ جائیگا۔ کچھ وقفہ کے بعد اس کو بحران شروع ہوا۔ گھر والوں نے سمجھا کہ اس حکیم کے پاس اکسیر کی پڑیہ تھی والا نورالدین کو آج چھ روز ہوئے کس قدر اس نے زور لگایا ہے اور ذرا بھی فائدہ نہ ہوا اور آج کی رات تو بڑی تکلیف کی تھی۔ اس حکیم نے بھی بحران کے بعد بہت بڑا انعام مانگا۔ مجھ کو یہ انعام ملا کہ مخلوق پر بھروسہ نہ کرنا! اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ میرے ایک دوست تھے جن کی عمر اسّی کے قریب تھی میرے ساتھ وہ بڑی ہی محبت کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ میں نے

---

[1] اس طبیب کا نام حکیم کرم علی تھا جو پنڈ دادنخان کا ایک خاندانی طبیب تھا۔

ان کو بہت ترغیب دی کہ آپ شادی کر لیں مگر وہ مضائقہ کرتے تھے۔ میری وجاہت بھی ان کے دل پر پڑی تھی۔ آخر مجھ سے کہا کہ مجھے شہوانی تحریک ہوتی ہی نہیں میرے خیال میں تھا کہ ایک باکرہ نوجوان کے ساتھ شادی کی تو تحریک ہو جائیگی لیکن ظاہر میں مَیں نے سم الفار۔ پارہ۔ افیون کا مرکب معجون فلاسفہ کیساتھ دیا۔ اُنہوں نے شادی بھی کر لی۔ اللہ تعالیٰ کے عجائبات قدرت میں سے ہے کہ ان کے گھر میں حمل ہو گیا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی وہ تو بہت ہی خوش ہو گئے چونکہ بہت بڑے امیر تھے مَیں نے کہا آپ اس لڑکی کو کسی اور کا دُودھ پلوائیں لیکن اس کو انہوں نے مانا نہیں۔ بہرحال دُوسرے سال پھر حمل ہوا اور لڑکا پیدا ہوا جو اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے محمّد حیات نام اکسٹرا اسسٹنٹ ہے اور مجھے ہمیشہ اپنا چچا ہی لکھا کرتا ہے خدائے تعالیٰ اس کی حیات میں بہت برکت دے وہ میرے نہایت پیارے دوست کی یادگار ہے۔ میری طبّی آمدنی اسوقت اتنی قلیل تھی کہ ہم میاں بیوی دو آدمیوں کیلیے بھی گو نہ مشکلات پڑ جاتے تھے جب ان کے لڑکا پیدا ہوا تو انہوں نے بعض آدمیوں کو مبارکباد کے لیے میرے پاس روانہ کیا۔ میری حالت تو خود بہت کمزور تھی مگر مجھے کچھ نہ کچھ دینا ہی پڑا۔ پھر ایک دفعہ مَیں چھاؤنی شاہ پور میں گیا۔ وہاں سے مجھے کچھ روپے مل گئے تھے مَیں اس خیال سے کہ انہوں نے مجھے کچھ مالی امداد نہیں دی۔ ان کے گاؤں میں چلا گیا وہ اپنے گاؤں کے بہت سے وہ لڑکے جو اُنکے لڑکے کے قریب قریب پیدا ہوئے تھے جمع کر کے لائے اور سب کو کہا کہ تم سلام کرو۔ مجھ کو ان لڑکوں کی تعداد اور جیب کے روپوں میں کچھ مناسبت معلوم نہ ہوئی تو مَیں نے جو کچھ میری جیب میں تھا سب ان کے لڑکے کو دیدیا اس کو انہوں نے فال نیک سمجھا گویا یہ لڑکا امیر ہو گا اور باقی لڑکے اس کے دستِ نگر رہیں گے وہ روپیہ اسکے ہاتھ سے ان بچّوں کو تقسیم کرا دیا جب مَیں گھر میں پہنچا تو میرے ایک مکرم دوست اللّٰھم اغفرہ وارحمہ جو میری آسائش کو بہت ضروری سمجھتے تھے حکیم فضل الدین ان کا نام تھا اور قسم قسم کی امدادوں میں وہ لگے رہتے تھے اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ یہ تو یوں کچھ دیتے نہیں آپ اس لڑکے کے لیے ایک لباس بنوا کر بھیج دیں۔ وہ لباس بمبئی میں تیار کرایا گیا جیسا وہ قیمتی تھا ویسا ہی وہ عمر کے لحاظ سے جوان آدمی کے قابل تھا۔ وہ لباس مَیں نے کسی آدمی کی معرفت ان کو بھیجدیا۔ اس لباس کی وسعت مقدار کو دیکھ کر اس رئیس نے یہ تفاول لیا کہ یہ لڑکا جوان ہو گا اور وہ لباس اس جوانی کے وقت کے لیے محفوظ رکھا۔ جب وہ آدمی واپس آیا تو میں نے حکیم فضل الدین صاحب سے کہا کہ مال کا نام قرآن کریم نے فضل رکھا ہے یہ فضل سے حاصل ہوتا ہے مجھ کو تو یہ فائدہ حاصل ہوا کہ مَیں مخلوق پر قطعاً اب کبھی بھروسہ نہ کروں گا اور خدائے تعالیٰ اب مجھ کو اپنے خاص کارخانہ سے رزق بھیجے گا اور مَیں آئندہ ارادہ

بھی نہ کروں گا کہ کسی کو قیمتاً دوائی دوں۔ یہ ایک امارت اور دولتمندی کی راہ تھی جو مجھ کو اس دن عطا ہوئی الحمد للہ رب العلمین۔

مجھے ان دنوں تاریخ ابن خلدون کا شوق تھا کوئی تاجر لایا۔ ستر روپیہ اس نے قیمت کہی میں نے کہا کہ باقساط تو روپیہ میں دے دوں گا یکدم میرے پاس نہیں ہے۔ لیکن اس تاجر نے قسطوں کو پسند نہ کیا۔ جب میں ظہر کی نماز کے لیے مطب میں آیا تو وہ کتاب وہاں رکھی دیکھی ہر چند میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون رکھ گیا ہے لیکن کسی نے پتہ نہ بتایا۔ نہ تاجر کا کچھ پتہ چلا۔ کبھی کبھی میں مطب میں ذکر کر دیا کرتا تھا۔ آخر ایک دن ایک بیمار نے کہا یہ کتاب ایک سکھ رکھ گیا تھا جس کو میں صورت سے تو پہچانتا ہوں لیکن نام نہیں جانتا۔ وہ یہاں تحصیل میں بہت آتا جاتا رہتا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد وہ اس سکھ کو لے آیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ نے یہ کتاب کس طرح رکھی۔ اُس نے کہا کہ "آپ کی مجلس میں ذکر ہوا تھا کہ آپ کے پاس روپیہ نہیں لہذا میں نے ستر روپیہ دیکر کتاب خرید لی اور یہاں رکھ دی تھی اور یہ ستر روپیہ میں نے فلاں امیر سے وصول کر لیا تھا کیونکہ ان کا ہم کو حکم ہے کہ نورالدین کو جب کوئی ضرورت ہوا کرے بلا ہمارے پوچھے روپیہ خرچ کر دیا کرو۔ چنانچہ مجھ کو یہ موقع مل گیا اور میں نے اُن کے حکم کے موافق روپیہ خرچ کیا۔" میرے پاس بھی چونکہ ستر روپے آ گئے تھے میں نے ستر روپے اس امیر کے واپس کر دیئے میرا آدمی دوپہر کے وقت وہاں پہنچا اور روپے پیش کیے جنکو انہوں نے بڑے غضب اور رنج سے لیا اور اس آدمی کو روٹی بھی نہ کھلائی۔ پھر میرے بڑے بھائی کو بلایا اور کہا کہ ہم نے نوردین کے لیے جب سوچا تو کوئی حد نذرانہ کی ہم کو نظر نہ آئی اس لیے ہم نے یہ تجویز کیا تھا کہ ہم سارے ہی اس کے ہیں اور ہم نے اپنے نوکروں کو حکم دیا تھا کہ جب ان کو کوئی ضرورت پیش آئے تو بلا دریغ روپیہ خرچ کر دیا کریں مگر انہوں نے ستر روپیہ واپس بھیجا ہم کو اس سے بہت رنج ہوا ہے اب کیا کریں؟ ہمارے بھائی صاحب نے ستر روپیہ تو آپ لے لیا اور اس رئیس سے کہدیا کہ ہم اس کو سمجھا دیں گے۔ مجھ کو آ کر ملامت کی اور بتا دیا کہ وہ ستر روپیہ ہم نے لے لیا ہے گویا یہ ایک رقم تھی جو ہم کو وصول ہوئی۔ توکل علی اللہ کی خوشی کے مقابلہ میں یہ رقم مجھ کو واپس لینی گوارا بھی نہ تھی۔

ان دنوں میں ایک بیمار ایسے فالج میں گرفتار ہوا جس کا فالج پاؤں کے اطراف عصابہ سے شروع ہوا اور روزمرہ بڑھتا گیا پھر ہاتھ بھی مفلوج ہو گئے اس کے باپ نے میری طرف رجوع کیا۔ طب یونانی اس مرض سے جہاں تک میرا علم ہے خاموش ہے قواعد کلیہ سے کام لینا اس وقت میری طاقت سے باہر تھا تیماردار ڈاکٹروں کا منکر تھا۔ ڈاکٹری مسودہ بھی اس وقت میری سمجھ میں پورا نہ آیا غرض میں نے کسٹرائل۔ کلونجی۔ شہد پلایا

اور مسہل کے بعد اس کے فقرات ظہر پر ایک بلسٹر لگا دیا جس سے اس کا سانس ٹھہر گیا پھر اسے کچھ کونین اور فولاد دو تین روز جب فرفیون ہفتہ میں دوبارہ دینا شروع کیا یہی اصول علاج تھے جو اُس وقت کیے اور کامیابی ہوئی۔ ہماری نواح کے گاؤں میں میری طب کا غیر معمولی چرچا پھیل گیا۔ جموں سے ایک شخص جو اسوقت بھی افسر پولیس ہیں مدقوق ہو کر علاج کے لیے میرے پاس آئے شہر میں وہ ہمارے پڑوسی تھے ان کا نام لالہ متھرا داس ہے ان کے علاج میں کامیابی ہوئی۔ اسی اثنا میں دیوان کرپارام وزیر اعظم جموں کا گذر پنڈ دادنخان میں ہوا بہر حال دیوان صاحب اور لالہ متھرا داس کے ماموں بخشی صاحب نے سرکار جموں سے میرا ذکر کیا۔

ان دنوں مجھ کو ایک بیوہ کا پتہ لگا کہ جس کو مختلف اسباب سے مَیں پسند کرتا تھا مَیں نے اس کے یہاں نکاح کی تحریک کی وہ عورت تو راضی ہوگئی مگر ملک کا رواج جو بیواؤں کے نکاح کا نہیں ہے اس کے متعلق اس نے عذر کیا اور پھر یہ بھی کہا کہ آپ نکاح کرلیں کچھ دنوں کے بعد میرے والی راضی ہو جائیں گے۔ مَیں نے ان والیوں کو اس خیال پر کہ وہ بیوہ کے نکاح کو روکتے ہیں معزول سمجھا اور اس نکاح میں جرأت کرلی قبل اس کے وہ ہمارے گھر میں آئے مَیں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کا چہرہ زرد ہے۔ زمین پر لیٹے ہیں اور داڑھی منڈی ہوئی ہے۔ مَیں ہوشیار ہوا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ نکاح سنت کے خلاف واقع ہوا ہے۔ تب مَیں نے ایک خط میاں نذیر حسین دہلوی اور ایک خط شیخ محمد حسین بٹالوی کو لکھا اور اس میں لکھ دیا کہ وہ بیوہ بالغ ہے ولی مانع ہے۔ یہ تو اب مجھ کو یاد نہیں کہ ان دونوں میں سے کس کا خط آیا تھا جس میں لکھا تھا کہ ایسے والی معزول ہو جاتے ہیں اور ایسی بیوہ اپنے اختیار سے نکاح کرسکتی ہے کیونکہ حدیث لَا نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ میں کلام ہے۔ میرے تو مطلب کے مطابق تھا مَیں بڑا خوش ہو کر اُٹھا کہ اب اس کو گھر میں بُلاؤں بیٹھک کے پھاٹک پر پہنچا تو ایک شخص ایک حدیث کی کتاب لایا اور کہا کہ یہ حدیث سمجھا دو اَلْاِثْمُ مَا حَاکَ فِی صَدْرِکَ وَلَوْ اَفْتَاکَ الْمُفْتُوْنَ۔ اس کے دیکھتے ہی میرا بدن بالکل سُن ہو گیا اور مَیں نے کہا کہ تم لے جاؤ پھر بتا دیں گے۔ مَیں نے یہ سمجھا کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو آگاہ کیا ہے کہ ان مفتیوں کے فتووں کی طرف توجہ نہ کر۔ مَیں نے وہ پھاٹک بند کر دیا بیٹھک کے اندر دالان میں آیا میرے دل میں یہ بھی خیال آتا تھا کہ اوّل تو حدیث میں کلام ہے دوسرے مفتی نے فتوے دے دیا ہے بہر حال دالان میں آتے ہی مجھ پر نوم غیر طبعی طاری ہوگئی میں لیٹ گیا تو مَیں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا اس وقت آپ کی عمر پچیس برس کے قریب معلوم ہوتی تھی گویا وہ عمر تھی جب آپ کی شادی ہوئی ہوگی مَیں نے دیکھا کہ بائیں جانب سے آپ کی داڑھی

خشخشی ہے اور داہنی جانب بال بہت بڑے ہیں اور مَیں حضور میں بیٹھا ہوں مَیں نے دل میں سوچا کہ بال دونوں طرف کے برابر ہوتے تو بہت خوبصورت ہوتے پھر معًا میرے دل میں آیا کہ چونکہ اس حدیث کے متعلق تجھ کو تأمل ہے اسی لیے یہ فرق ہے تب مَیں نے اسی وقت دل میں کہا کہ اگر سارا جہان بھی اسکو ضعیف کہے گا تب بھی مَیں اس حدیث کو صحیح سمجھوں گا یہ خیال کرتے ہی مَیں نے دیکھا کہ دونوں طرف داڑھی برابر ہوگئی اور حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہنس پڑے اور مجھ سے کہا کہ کیا تو کشمیر دیکھنا چاہتا ہے مَیں نے کہا ہاں یارسول اللہ آپ چل پڑے اور مَیں پیچھے پیچھے تھا۔ بانہال کے رستے سے ہم کشمیر گئے (یہ بھیرہ چھوڑنے اور کشمیر کی ملازمت کی تحریک ہے اس لیے اب مَیں بھیرہ کا اور کوئی حال نہیں لکھواتا۔

ریاست جموّں و کشمیر

جموّں ریاست میں پہنچ کر سب سے عجیب نظارہ یہ دیکھنے میں آیا کہ مَیں نے ایک مختصر بالاخانہ ایسے موقع پر کرایہ لیا جہاں سے مجھ کو دربار آنے جانے میں سہولت ہو وہ مکان اصل میں سرکاری اور اُس کا مہتمم ایک ضعیف العمر آدمی تھا لوگوں نے مجھ سے کہا کہ یہ شخص بدعہد ہے آپ سال کے لیے اس سے اشٹامپ لکھا لیں چنانچہ مَیں نے اُس سے اشٹامپ بھی لکھا لیا۔ دوسرے تیسرے دن وہ میرے پاس آیا اور کہا کہ جو کرایہ آپ دیتے ہیں اس سے دُوگنا کرایہ دوسرا آدمی دیتا ہے۔ مَیں نے کہا کہ تم تو ہم کو تحریر دے چکے ہو۔ اُس نے کہا کہ مَیں اس تحریر کا کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ مَیں نے کہا اچھا ہم ہی دُوگنا کرایہ دیدینگے۔ تھوڑی دیر کے بعد آیا اور کہا کہ وہ آدمی چوگنا کرایہ دیتا ہے۔ مَیں نے کہا بہت اچھا ہم چوگنا کرایہ ہی دیدیں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد آیا کہ وہ بارہ گنا کرایہ دیتا ہے۔ مَیں نے اس کی پیرانہ سالی، تمام شہر کے سرکاری مکانوں کی افسری اور اس بدعہدی کو خیال کیا تو مجھے اس شہر سے نفرت ہوگئی۔ مَیں نے اپنے آدمی سے کہا کہ ہم ایسے شہر میں رہنا پسند نہیں کرتے ابھی سب اسباب باندھو اور یہاں سے چلو۔ چنانچہ میرے آدمیوں نے تمام اسباب باندھ کر نیچے اتار دیا اور مَیں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ اس شہر کو ابھی چھوڑ دینا چاہیے جہاں ایسا ضعیف العمر اور سرکاری مکانات کا افسر ایسا بدعہد ہے تمام اسباب نیچے اُتر گیا تھا اور مَیں ابھی اوپر تھا کہ اسطرف سے ایک شخص فتح محمد نام رئیس گذرے اور کھڑے ہو کر دریافت کرنے لگے کہ یہ کس کا اسباب ہے۔ اتنے میں مَیں بھی وہاں آگیا مجھ سے کہنے لگے کہ آپ تو ابھی آئے ہیں جاتے کہاں ہیں؟ مَیں نے سختی سے جواب دیا کہ تم لوگ بدعہد ہو۔ بدعہدوں میں رہنا مجھے پسند نہیں۔ وہ اس بھید کو سمجھ گئے کہ افسر نزول ایک بدعہد آدمی ہے۔ انکے ساتھ آدمی بہت تھے۔ انہوں نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ سب اسباب کو اٹھا کر ہمارے مکان میں لیجاؤ۔ مَیں نے کہا کہ مجھے اس شہر میں رہنا پسند ہی نہیں لیکن انہوں نے ایک نہ مانی اور سب اسباب اپنے مکان پر بھجوا دیا۔ مَیں نے ان سے کہا کہ میرے رکھنے میں آپ کو بڑی

تکلیف ہوگی کیونکہ یہاں دو فلاں فلاں آدمی ہیں جن کو مجھ سے نقار ہے اور چونکہ دونوں بڑے آدمی ہیں اور میرے ساتھ خاص طور پر نقار رکھتے ہیں پس مناسب نہیں کہ میرے سبب آپ درباری آدمیوں سے مخالفت پیدا کریں میں نے مختلف پہلوؤں سے سمجھایا لیکن وہ کہنے لگے کہ ہم کچھ پرواہ نہیں کرتے چنانچہ وہ مجھ کو اپنے گھر لے گئے اور دس برس اپنے مکان میں رکھا مجھ کو یا میرے طالبعلموں یا میرے مہمانوں کو اس دس برس میں کوئی بھی شکایت کا موقع نہ ملا۔ میں اب تک ان کے وسعت حوصلہ پر حیران ہوں اور مجھ کو افسوس ہوتا ہے کہ میں اتنا ذی حوصلہ نہیں۔ اور یہ بات ان کی ذات ہی سے وابستہ نہیں تھی بلکہ اُن کے گھر کے تمام چھوٹے بڑے سب ایک ہی رنگ میں رنگین دیکھے۔ جب میں وہاں تھا تو میں نے ایک شادی اس زمانہ میں کی جب میری بیوی گھر میں آئی تو ان کی بہن نے اس کے ساتھ ایسے نیک سلوک کیئے جیسے ایک ماں اپنی بیٹی سے کرتی ہے۔

جموں میں میاں لعل دین نام ایک ممتاز رئیس تھے ان کی لڑکی کو زحیر کاذب ہوئی اور اطبّاء نے قوابض سے کام لیا مریضہ کی حالت بہت ردّی ہوگئی۔ میاں لعل دین کو مجھ سے مذہبی رنج تھا ادھر بیمار کی نسبت پاس کچھ اطباء نے بھی مدد ہی کی ہوگی مجھے علاج کے لیے بُلایا۔ ع عدو شود سببِ خیر گر خدا خواہد۔ میں نے اس کو اس حال میں دیکھا کہ پٹ پڑ (جیسا جب اپنے خول میں ہوتا ہے تو اس کو پٹ پڑ کہتے ہیں) کی طرح اس میں غلاظت ہے مجھے یقین ہوا کہ زحیر کاذب ہے اور علاج میں غلطی ہوتی ہے مگر میں خطرناک حالت میں جرأت نہ کر سکا کہ کوئی امر ظاہر کروں۔ اس وقت مجھے طب جدید نے یہ فائدہ دیا کہ موجودہ طبیب جو اسوقت وہاں حاضر تھے سب طب انگریزی سے ناواقف تھے میں نے ایک مرکب ایسا بتا دیا جس میں پوڈافلین تھی اور وہ تشخیص کارگر ہوگئی اگر تنلودست تھے تو گیارہ رہ گئے۔ دُوسرے دن بھی میں نے وہی ترکیب استعمال کی جس پر انہوں نے باوجود کدُورت مجھکو ایک یارقندی یابو مع زین دیا اور خلعت بھی دیا۔ دُوسری تقریب یہ ہوئی کہ جنگی کے افسر کو قولنج شدید ہوا اور آدھی رات کے وقت مجھے بُلایا۔ میں نے یہ سوچ لیا کہ شدّتِ درد کے باعث مسہل مفید نہیں ہوتا اس لیے میں نے افیون۔ مکبوج۔ نوشادر کا مرکب اپنے پاس سے دیا جس سے اس کا درد قولنج دُور ہوگیا۔

دُوسری عجیب بات یہ ہوئی کہ وہاں ایک دفعہ بہت شدید ہیضہ پھیلا۔ وہاں کے راجہ باہو نام ایک قلعہ میں تشریف لے گئے۔ اس سبب سے مجھے بھی وہاں جانا پڑا راجہ موتی سنگھ جی بھی تشریف لے گئے وہاں پہنچکر ان کو ذوسنطاریا (جسے ڈسنٹری کہتے ہیں) کا شدید مرض لاحق ہوا ساتھ ہی ان کو پیچش بھی تھی اور وہ ہیضہ کے دن تھے اس لیے اس قلعہ میں ان کو میرے طبّی مشورہ کی ضرورت پڑی۔ بہت دنوں کی آمد رفت سے انکے ساتھ ایک

گہرا تعلق پیدا ہو گیا۔ انہوں نے جو رقم اس وقت بطور شکریہ مجھ کو دی تھی وہ سال ہا سال برابر دیتے رہے۔ مہاراج کے ساتھ ان کے تعلقات میں کسی قدر کدورت تھی ان دنوں ایک شاہزادہ کی شادی تھی مجھ سے انہوں نے اس کدورت اور شادی کا ذکر کیا میں نے انکو صلاح دی کہ اب شادی کا موقع ہے آپ اس شادی میں ضرور ساتھ چلیں اس میں آپ کے اور ان کے تعلقات انشاء اللہ ضرور صاف ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ بھی جو مناسب تھا مشورہ دیا۔ چنانچہ سمت ۳۷ بکرمی میں مصالحت ہو گئی اور وہ اس شاہزادہ کی شادی میں شریک ہو گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ پہلی ہی منزل میں ایک ہاتھی میری سواری میں تھا جس پر ایک عماری اور اس میں دو آدمیوں کے بافراغت بیٹھنے کی جگہ تھی اور اس سواری میں ایک اسپرنگ کے صدمہ سے مجھ کو بہت تکلیف ہوئی پھر دوسری منزل میں تو ایسی حالت ہوئی کہ میں سفر کے قابل نہ رہا۔ میں نے رات دس بجے کے قریب ایک ڈاکٹر کو بلایا جو بنگالی تھا میں نے کہا کہ مجھے ڈر لگتا ہے یہاں کبھی کبھی ناسور ہو جاتا ہے آپ اس کچے ورم کو چیر دیجئے۔ اُس نے عذر کیا کہ میں اوزار اور سامان سب کچھ ابھی بند کر چکا ہوں کہ مبادا صبح کے سفر میں کوئی چیز رہ نہ جائے۔ لیکن جب میں نے بہت سختی سے کہا اور چاقو نکال کر دیا کہ اس سے چیر دیجئے تو ڈاکٹر نے کہا کلوروفارم نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ کلوروفارم کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے دل میں بھی طیش پیدا ہوا۔ اس نے بڑی سختی سے شگاف دیا میں نے کہا زخم کے دونوں کنارے خوب دبا کر لہو نکال دو اور دونوں لب زخم کے ملا کر باندھ دو۔ اس سے جس قدر سختی ہو سکی کی مجھے قدرتی کلوروفارم یہ ملی کہ غشی طاری ہو گئی اور ڈاکٹر نے اپنا کام اچھی طرح کیا۔ صبح کو ڈاکٹر صاحب سویرے ہی بغیر معائنہ کیے چل دیے۔ میں نے آئینہ نیچے رکھ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ زخم خدا تعالیٰ کے فضل سے مل گیا ہے لیکن اپنے قویٰ کے گھمنڈ پر میں ایک گھوڑی پر سوار ہو گیا۔ اگرچہ میں نے بڑی احتیاط کی اور زین کے ایک طرف رہا لیکن چار میل پہنچ کر مجھ میں یہ طاقت نہ رہی کہ میں اُس سواری پر رہ سکوں۔ چنانچہ میں اُتر گیا۔ باریک سی شرک کی بُو مجھ میں یہ تھی کہ آخر مہتمان کیمپ یہاں سے گذریں گے وہ ضرور ہمدردی کریں گے۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ولی عہد صاحب آتے انہوں نے کہا کیوں اُتر پڑے؟ میں نے کہا کہ میں سواری نہیں کر سکتا میری طبیعت اچھی نہیں۔ ولیعہد صاحب یہ کہہ کر کہا کہ اچھا کیمپ میں آؤ وہاں بندوبست ہو جائے گا اور سرپٹ گھوڑا دوڑا کر چلے گئے۔ میں نے کہا کہ ایک بت تو ٹوٹ گیا۔ لیکن نفس امارہ نے پھر بھی یہ سمجھا کہ اس کے دوسرے بھائی آئیں گے چونکہ وہ میرا ہی علاج کرتے تھے اور مجھ سے ان کا بہت تعلق تھا وہ آئے اور بڑی ہمدردی سے کھڑے ہو گئے۔ میں نے کہا کہ میں سوار نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کیمپ میں پہنچئے اور سرپٹ گھوڑا دوڑا کر چل دیئے پھر ان کے تیسرے

بھائی آئے اور وہ بھی بدستور دریافت کر کے چل دیئے۔ پھر راجہ صاحب آئے اُنہوں نے بڑی محبت سے میرا حال دریافت کیا اور کہا کہ آپ سوار ہو جائیں میں نے کہا کہ میں گھوڑے کی سواری نہیں کر سکتا انہوں نے فرمایا کہ یہاں سے دو چار میل کے فاصلہ پر کیمپ ہے آپ وہاں پہنچیں سب بندوبست ہو جائیگا یہ فرما کر وہ بھی روانہ ہو گئے۔ پھر کیمپ کے مہتمم صاحب جو وہی ایک سب سے پیچھے تھے آئے اور اُنہوں نے سابق رؤسا کی طرح کام لیا۔ اب میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی طرف متوجہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ کے سوا جو دوسرے پر اُمیّد رکھتا ہے بڑی غلطی کرتا ہے۔ اب میری امیدگاہ صرف اللہ تعالےٰ ہی تھا۔ اتنے میں دیوان لچھمن داس نام جو اُن دنوں فوجی افسر تھے گذرے۔ اُنہوں نے جب مجھے دیکھا تو معاً اُتر پڑے اور کہا کہ کیا تکلیف ہے؟ میں نے کہا کہ میرے ایک پھُنسی ہے اسلیئے میں سوار نہیں ہو سکتا آپ تشریف لے چلیں لیکن انہوں نے کہا کہ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کو یہاں اس حالت میں چھوڑ کر ہم آگے چلے جائیں غرضکہ وہ اُتر کر میرے پاس ہی بیٹھ گئے اور باتیں کرتے رہے۔ اتنے میں انکی پالکی آئی اُنہوں نے میرے پاس سے اُٹھ کر اپنے آدمی کو علیحدہ لے جا کر کچھ حکم دیا اور اس کے بعد خود گھوڑے پر سوار ہو کر چلے گئے۔ ان کا آدمی پالکی لے کر میرے پاس آیا اور کہا آپ پالکی میں سوار ہو جائیں اور یہ پالکی جموّں واپس ہونے تک آپ کے ساتھ رہے گی۔ میں نے اس کو خدا تعالےٰ کا فضل سمجھا اور سوار ہو گیا۔ اس میں خوب آرام کا بستر بچھا ہوا تھا میں اس میں لیٹ گیا اور شکریہ میں قرآن شریف کی تلاوت شروع کی۔ وہ ایک مہینہ کا سفر تھا۔ میں الحمدللہ جلدی ہی اچھا ہو گیا اور میں نے پالکی کو رُخصت کرنا چاہا لیکن پالکی برداروں اور انکے ہمراہی افسر نے کہا کہ ہم کو دیوان جی کا حکم ہے کہ جب تک آپ جموّں واپس نہ پہنچیں ہم آپ کی خدمت میں رہیں۔ میں نے اس ایک مہینہ میں چودہ پارہ قرآن شریف کے یاد کر لیے جب ہم جموّں واپس پہنچ گئے تو میں نے پالکی برداروں اور ان کے افسر کو انعام دینا چاہا لیکن انہوں نے کہا کہ ہم انعام لے چکے ہیں ہم کو اسی دن دیوان جی نے انعام اور خرچ کے لیے کافی روپیہ دیدیا تھا اور ان کا حکم ہے کہ آپ سے کچھ نہ لیں۔ میں نے اُس افسر کو بہت سمجھایا کہ انکو اطلاع کرنے کی ضرورت نہیں مگر اس نے تو اور اپنے پاس سے کسی قدر روپیہ نکال کر میرے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ جو روپیہ اُنہوں نے خرچ کے لیے دیا تھا وہ بھی سب خرچ نہیں ہوا اور اب ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ ان کو واپس دیں چنانچہ اس نے وہ روپیہ واپس نہ لیا اور میں نے خدا تعالےٰ کا فضل یقین کر کے وہ روپیہ لے لیا۔ پھر اس کے بعد دیوان لچھمن داس نے میرے ساتھ اس قدر نیکیاں کیں کہ ان کے بیان کرنے کے لیے بڑے وقت کی ضرورت ہے۔

ایکدفعہ وہ وزیر اعظم ہو گئے ان کو پشتو بولنے کا بڑا شوق تھا اور ہمیشہ اپنے اردل میں پشتو بولنے والے ہی رکھتے تھے۔ وزیر اعظم ہو کر انہوں نے اپنے یہاں ایسے پشتو بولنے والوں کو مقرر کیا جو کوئی دُوسری زبان نہیں جانتے تھے اور حکم دیا کہ پرائیویٹ ملاقات کے لیے کوئی ہمارے مکان پر نہ آئے۔ مَیں نے ایک روز شیخ فتح محمد صاحب سے کہا کہ آپ وزیر صاحب کے پاس جائیں اور ضرور ملاقات کریں۔ اُنہوں نے کہا کہ وہاں تو پشتون لوگ ہیں جو کسی کی سُنتے ہی نہیں ٹھوکریں مار مار کر لوگوں کو نکال دیتے ہیں اور بڑے بڑے لوگ وہاں جا کر ذلیل ہو چکے ہیں اس وقت رات کے دس بجے تھے مَیں نے کہا اچھا مَیں دیوان جی کو ابھی ایک خط لکھتا ہوں شیخ صاحب نے کہا آپ خط ہرگز نہ لکھیں لیکن مَیں نے ان کی بات کو نہ مانا اور اسی وقت خط لکھا کہ یہاں کے لوگ ملاقاتوں کے عادی ہیں مَیں نے سُنا ہے آپ نے خطرناک پہرہ بٹھایا ہے۔ مہربانی کر کے ایک وسیع کمرہ جس میں ایرانی قالین بچھا ہوا ہو ملاقات کے لیے مقرر فرمائیں کہ لوگ وہاں جا کر بیٹھ سکیں باقی جب آپ کا جی چاہے اس کمرہ میں ملاقات کے لیے آئیں اور جس سے چاہیں ملاقات کریں جس سے چاہیں نہ کریں مگر پشتونوں سے شریف آدمیوں کو دھکے دلوانا آپ کی شان کے خلاف ہے۔ یہ خط اسی وقت ڈاک میں ڈالا اور ڈاک والے نے فوراً وہاں پہنچایا۔ ابھی ہم بیٹھے ہی تھے کہ ان کا حقیقی بہنوئی جو ان کا پرائیویٹ سکرٹری بھی تھا لالٹین لیے ہوئے خود ہی میرے پاس پہنچا اور کہا کہ آپ کا ایک خط دیوان صاحب نے پڑھا ہے اور آپ کو بُلایا ہے شیخ فتح محمد صاحب نے منع کیا اور کہا کہ اس وقت نہ جاؤ لیکن مَیں چلا گیا۔ اور اس وقت وہاں کوئی پہرہ نظر نہ آیا۔ دیوان صاحب نے فرمایا کہ دیکھیں کہیں پہرہ کا پتہ نہیں مَیں نے اسی وقت موقوف کر دیا ہے اور فلاں کمرہ کو دیکھو اس میں ایرانی قالین بچھا ہوا ہے اور وہ شرفاء کی ملاقات کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ مَیں نے ان کا شکریہ ادا کیا جس کا انہوں نے ان لفظوں میں مجھ کو جواب دیا کہ ریاست میں اس طرح صفائی سے کہنے والا انسان بھی ضروری ہے اور اس لیے مَیں آپ کی بڑی قدر کرتا ہوں۔ اب مَیں کسی کو نہ روکوں گا اور آپ کے لیے تو کوئی وقت مقرر نہیں آپ جس وقت چاہیں بلا تکلف تشریف لائیں۔

مَیں جب حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو مَیں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کی مُریدی میں کیا مجاہدہ کرنا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ کی محبت میں ترقی ہو آپ نے فرمایا کہ مَیں یہ مجاہدہ بتاتا ہوں کہ آپ عیسائیوں کے مقابلہ میں ایک کتاب لکھیں۔ مجھ کو عیسائی مذہب سے واقفیت نہ تھی ان کے اعتراضوں کی بھی خبر نہ تھی کہ کیا کیا اعتراض ہوتے ہیں۔ پھر یہ کہ مَیں اپنے آپ کو کبھی فرصت میں نہیں رکھتا اور اس کام کے لیے فراغت و فرصت کی بھی ضرورت تھی۔ جموں میں تو مجھ کو فرصت ہی کم تھی۔ جب مَیں قادیان سے یہ حکم لیکر اپنے وطن پہنچا تو وہاں میرا ایک ہم مکتب

حافظ قرآن مسجد کا پیش امام تھا وہ میرے سامنے تقدیر کا مسئلہ لے بیٹھا اور اس نے اس مسئلہ کے پیش کرنے میں بڑی شوخی سے گفتگو کی اور میں حیران اس کے مُنہ کو دیکھتا رہا کہ فرفر بولتا تھا حالانکہ مسجد کے ملّاؤں میں اس قدر شوخی نہیں ہوتی۔ جب لوگ چلے گئے تو میں نے اس کو اپنے پاس بُلا کر کہا کہ حافظ صاحب مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ عیسائی ہو گئے ہیں۔ اس نے کہا کہ عیسائی ہو گئے ہیں تو ہرج ہی کیا ہے؟ میں نے کہا اپنے گرُو سے ذرا مجھ کو بھی ملاؤ چنانچہ وہ مجھ کو پنڈ دادنخاں لے گیا۔ دریا سے اُترے تو ایک گاؤں کے نمبردار نے کہا تمہاری دعوت ہے۔ میں نے کہا شہر سے واپس آکر دعوت کھائیں گے۔ چنانچہ میں اور حافظ صاحب دونوں ایک انگریز کی کوٹھی میں جا دھمکے۔ حافظ صاحب تو پہلے ہی واقف تھے۔ پادری صاحب ملاقات کے کمرہ میں تشریف لائے میں نے کہا کہ پادری صاحب میرے آنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہمارے ہم مکتب آپ کے مُرید ہو گئے ہیں آپ ہم کو بھی کچھ سنائیں۔ مطلب میرا یہ تھا ان کے مذہب کا پتہ لگے۔ اگر وہ اس وقت اعتراض پیش کرتا تو کوئی ایک دو ہی اعتراض کرتا کیونکہ میں نے پادری صاحب سے یہ بھی کہدیا تھا کہ لمبی بحث نہ کریں اپنے مذہب کا خلاصہ ہمارے مذہب کا خلاصہ اور صرف ایک اعتراض بطور خلاصہ پیش کریں مگر پادری صاحب کچھ ایسے مرعوب ہوئے کہ میری بات کو ٹال کر ہمارے لیے چاء بسکٹ کا اہتمام کرنے لگے۔ میں نے کہ میں اس شہر میں چار برس ہیڈ ماسٹر رہ چکا ہوں اور یہاں میری کافی واقفیت ہے ہم کو چائے وغیرہ کی ضرورت نہیں آپ ہم سے گفتگو کریں۔ میں نے حافظ صاحب سے بھی کہا کہ تم اس کو اکساؤ چنانچہ حافظ صاحب اس کو علیحدہ لے گئے اور بہت دیر تک باتیں کر کے واپس آئے اور کہا کہ میں نے بہت زور لگایا مگر یہ تو آگے چلتا ہی نہیں یہ کہتا ہے کہ میں ان سے زبانی گفتگو نہ کروں گا ہاں بعد میں اعتراضات لکھکر بھجوا دُونگا۔ میں نے حافظ صاحب سے کہا کہ جبتک ان کے اعتراضات ہمارے پاس پہنچیں اور ہماری طرف سے جواب نہ ہو لے اس وقت تک آپ بپتسمہ نہ لیں۔ حافظ صاحب نے کہا ہاں یہ تو ضرور ہو گا۔ میں نے پادری صاحب سے بھی کہہ دیا کہ یہ ایسا کہتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا ہاں یہ مناسب ہے پھر میں نے حافظ صاحب سے کہا کہ بتاؤ اور کون ہے جو شل تمہارے ہو۔ حافظ صاحب نے کہا کہ ایک اسٹیشن ماسٹر ہے۔ چنانچہ ہم اسٹیشن پر آئے اسٹیشن ماسٹر صاحب نے تو بڑی ہی دلیری سے کہا مذہب عیسائی کا مقابلہ تو کسی مذہب سے ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نے حافظ صاحب سے کہا کہ یہ تو پھنس گئے۔ جب اسٹیشن ماسٹر نے حافظ صاحب سے سُنا کہ پادری صاحب خاموش ہو گئے تو وہ حیران ہو گیا۔ آخر اس پادری نے ایک بڑا طومار اعتراضوں کا لکھ کر بھیجا۔ میں نے حافظ صاحب سے کہا کہ بتاؤ یہ کوئی ایک دن کا کام ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے کہا تم ہی مدت مقرر کرو۔ حافظ صاحب نے کہا کہ ایک

برس تک کتاب چھپ کر ہمارے پاس پہنچ جائے۔ مَیں جموّں آیا اُس زمانہ میں زلزلے بہت آئے تھے۔ راجہ پونچھ کا بیٹا زلزلوں کے سبب پاگل ہوگیا تھا۔ اُس نے جموّں کے راجہ کو لکھا کہ ہم کو ایک اعلےٰ درجہ کے طبیب کی ضرورت ہے۔ چنانچہ مَیں وہاں گیا مجھ کو شہر سے باہر ایک تنہا مکان دیا گیا بس ایک مریض کا دیکھنا اور تمام دن تنہائی میں وہاں بائیبل اور قرآن شریف پڑھنے لگا۔ ان تمام اعتراضوں کو پیش نظر رکھ کر بائیبل پر نشان کرتا رہا پھر اس کے بعد قرآن شریف پڑھا اور نشان کرتا رہا۔ اسکے بعد کتاب لکھنی شروع کی اور چار جلد کی ایک کتاب (فصل الخطاب) لکھی۔ اِدھر کتاب تیار ہوئی اُدھر راجہ کا لڑکا اچھا ہوا۔ اب روپیہ کی فکر تھی کہ کتاب چھپے۔ راجہ پونچھ نے کئی ہزار روپیہ دیا۔ جب جموّں آیا تو راجہ صاحب جموّں نے پوچھا کیا دیا۔ مَیں نے وہ تمام روپیہ آگے رکھ دیا وہ بہت ناراض ہوتے کہ بہت تھوڑا روپیہ دیا۔ چنانچہ اسی وقت حکم دیا کہ ان کو سال بھر کی تنخواہ اور انعام ہماری سرکار سے ملے۔ مَیں نے وہ روپیہ اور دو جلدیں دلّی بھیج دیں وہاں سے چھپ کر آئیں تو حافظ صاحب اور مثل ان کے دُوسرے لوگوں کو بھیج دیں انہوں نے جواب میں لکھا کہ ہم سچے دل سے مُسلمان ہو گئے۔ باقی کی ضرورت نہیں۔

چونکہ پونچھ کے راجہ سے مجھے پہلے ہی بڑا تعلق تھا اور اب اس کے لڑکے کے علاج سے جس میں مجھ کو بڑی کامیابی ہوئی راجہ اور اس کے ولی عہد سے بہت تعلق بڑھ گیا۔ ایک دفعہ راجہ پونچھ جموّں تشریف لائے اور علیل ہو گئے۔ مجھے بلا بھیجا۔ مَیں نے دیکھ کر علاج کا انتظام کر دیا۔ جب مَیں ان کے مکان سے باہر نکلا راستہ میں ان کے سپاہیوں کے مکانات تھے۔ اُن میں سے ایک شخص نے مجھ سے آکر کہا کہ فلاں خدمتگار آپ کو بُلاتا ہے۔ مَیں نے کہا کہ اس خدمتگار کا گھر ایسے موقع پر ہے کہ جب وہ گھر جائیگا تو میرے مکان کے پاس سے ہی گذریگا۔ وہ وہاں آجائے ہم دوائی دیدینگے۔ لیکن اس خدمتگار نے جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا کسی آدمی سے کہا کہ نورالدّین تو بہت متکبّر ہوگیا ہے اب ہم اس کو اپنے راجہ کے پاس نہیں آنے دیں گے۔ میری عادت تھی کہ مَیں کسی امیر کے گھر بدوں اس کے بلائے نہیں جاتا تھا۔ دُوسرے دن راجہ صاحب کا کوئی آدمی نہ آیا اور مَیں بھی اپنی عادت کے موافق نہ گیا کئی مہینے اسی طرح گذر گئے۔ ایک دن میں اپنے مکان کے دروازہ پر کھڑا تھا کہ وہ خدمتگار کسی اور طبیب کو ہمراہ لیے جا رہا تھا۔ ہمارے پڑوس میں چند معزّز میاں صاحبان رہتے تھے وہ بہت ہی ہنسے اور میری طرف متوجہ ہو کر کہا کہ آج اس کی محنت ٹھکانے لگی۔ مَیں نے دریافت کیا کہ آپ کیوں ہنستے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مدت سے یہ اس طبیب کو اس طرف سے اس لیے لے جایا کرتا تھا کہ آپ کو دکھلائے کہ ہم نے اور طبیب رکھ لیا ہے۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد مہاراج کشمیر لاہور تشریف لے گئے مَیں بھی ہمراہ تھا اور قدرتِ الٰہی سے وہ دوسرا طبیب جو وہ بھی مہاراج کشمیر کا ملازم

تھا لاہور میں ساتھ نہ آسکا راجہ پونچھ بھی جو بدستور بیمار تھے ہمراہ تھے کیمپ میں چونکہ ایک ہی طبیب تھا اس لیے مجھے عین دوپہر کے وقت راجہ پونچھ نے بلوایا اس وقت وہ تنہائی میں تھے اور طبیعت بہت مضمحل تھی۔ مجھ سے فرمایا کہ سرکار نے (ہم نے) اس سال کا مقرری روپیہ آپکو نہیں دیا اس لیے ہم دو سال کا روپیہ آپ کو بھیج دینگے اور آپ کوئی دوائی بتائیں میں نے کہا کہ آپ نے دوپہر کے وقت شاید اسلیئے بلایا کہ آپ کا وہ خدمتگار جس کے بلانے سے میں اس کے پاس نہیں گیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ ہم اپنے راجہ کے پاس نہ آنے دیں گے یہ دوپہر کا وقت اس کی حاضری کا وقت نہیں ہے چونکہ آپ اسکے رُعب میں آئے ہوئے ہیں لہٰذا خطرہ ہے کہ اگر میں آپ کا علاج شروع کردوں اور اس کو پتہ لگ جائے تو آپ کو کوئی ضرر پہنچے اور چوری کا علاج مجھے پسند بھی نہیں ہے۔ تب انہوں نے کہا کہ ہم تو ان لوگوں سے ڈرتے ہی رہتے ہیں کیونکہ یہ کمینے زہر بھی دے دیتے ہیں خیر لاہور سے ہم بہت جلد واپس گئے اور وہاں میں نے سُنا کہ راجہ صاحب دن بدن مضمحل ہوتے جاتے ہیں آخر ایک دن ان کا انتقال ہوگیا لیکن ابھی اُس خدمتگار کا گونہ عروج مصلحتاً باقی تھا اور میرا تعلق ان دنوں ایک ایسے شہزادے سے تھا جس کے ساتھ ولیعہد پونچھ کو کسی قدر تکدر رہتا۔ میرے ایک دوست نے مجھ سے ذکر کیا کہ آپ پر ایک مقدمہ ہونیوالا ہے اور اس کا باعث اس شہزادہ کا تعلق ہے ولیعہد پونچھ کا منشاء ہے کہ آپ پر یہ مقدمہ بنایا جائے کہ ان کا والد آپ کے علاج کی کسی غلطی سے فوت ہوا ہے اور اس علاج میں ایک زہر بھی ہے۔ مجھے بہت ہی ہنسی آئی کہ اہلِ دنیا کے تعلق کیا اور ان کی خدمتیں کیا! اور ان کے معاہدات کیا؟ میں نے کسی موقعہ پر اس شاہزادہ سے ذکر کیا تو اُس نے کہا افسوس آپ کو خبر ہوگئی معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ بات زیادہ کھُل گئی ہے۔ میرا بھی منشاء تھا کہ یہ نالش کرے تو پھر ہم اس کا سارا قرضہ مع سود کے ادا کردینگے آپ مطمئن رہیں یہ لوگ بہت ناعاقبت اندیش ہوتے ہیں۔ یہ کمینہ خدمتگاروں کے ماتحت بڑی مجبوری سے کام کرتے ہیں اور قابلِ رحم گروہ ہے۔ تب مجھے یاد آیا کہ جن دنوں میں اس کا علاج کرتا تھا میں نے اس سے کہا کہ آپ مقدمات سُنا کریں اور ان کے فیصلوں میں لگے رہا کریں اس طرح آپ کو ایک اچھا موقع آرام کا مل جائے گا۔ میرے کہنے سے وہ صرف عرضیاں سُن لیتا تھا۔ ایک دفعہ عرضی سنانے والے نے عرضی سناتے سناتے اسکے چہرہ کو بہت غور سے دیکھا اور عرضی کو بہت فحش گالی کے ساتھ زمین پر پھینک دیا اور لگا اس کی نبض دیکھنے چونکہ بارعب آدمی تھا اس نے جب سب لوگوں سے جو وہاں بیٹھے تھے کہا کہ دیکھو ہمارے سرکار کی طبیعت مضمحل ہوتی جاتی ہے تو سب نے اس کی ہاں میں ہاں ملادی اور ساتھ ہی اس نے یہ نسخہ بنا دیا کہ تم لوگ بڑے شریر

ہو حضور کے یہاں عرضیاں نہ دیا کرو اس سے سرکار کو تکلیف ہوتی ہے دیکھو اس وقت کیسی خراب حالت ہوگئی ہے۔ پھر کیوڑہ اور بید مشک منگایا اور میرے پاس سوار دوڑایا اس سوار نے میرے پاس پہنچ کر بڑی خطرناک حالت بیان کی اور یہ بھی کہا کہ میں نہیں جانتا کہ آپ کے پہنچنے تک زندہ رہیں یا نہ رہیں۔ میرا مکان فاصلہ پر تھا۔ میں سرپٹ گھوڑا دوڑا کر پہنچا تو وہ مکان سے اتر رہے تھے سیڑھیوں پر ہی ملاقات ہوئی وہیں میں نے نبض دیکھی۔ مجھ سے کہا کہ مولوی صاحب آپ تو دور رہتے ہیں کہیں قریب آجائیں تو اچھا ہے۔ اب بھی یہ سب لوگ کہتے ہیں کہ میری بہت ہی خراب حالت ہوگئی تھی مگر میں نے کیوڑہ اور بید مشک پیا تو اب یہ سب کہتے ہیں کہ ذرا طبیعت ٹھیک ہوگئی ہے۔ میں نے کہا کہ اب آپکا کیا ارادہ ہے؟ کہا کہ اس وقت تو میں شکار کے لیے جاتا ہوں۔ میں نے کہا میں بھی چلتا ہوں چنانچہ ہم شکار کے لیے روانہ ہوگئے خوب فاصلہ پر شکار تھا وہاں پہنچ کر ایک موقع پر میں نے دریافت کیا کہ آپکو خود بھی کچھ معلوم ہوا تھا کہ طبیعت خراب ہے؟ کہا کہ مجھکو تو کچھ معلوم نہیں ہوا مگر لوگ کہتے تھے کہ تمہاری طبیعت بہت خراب ہوگئی ہے۔ میں نے دو آدمیوں سے جو پاس تھے پوچھا انہوں نے کہا کہ ہم کو تو کوئی بات معلوم ہوئی نہیں مگر جو عرضیاں سنایا کرتے ہیں انہوں نے کہا تھا ہم نے بھی ہاں میں ہاں ملادی تھی تب میں سمجھا کہ یہ ملاجی کے شاگردوں والا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال وہاں ایک ریچھ ملا وہ بھاگا اس کے پیچھے دوڑے میں تو چند قدم پر رہ گیا مگر ہمارے مریض صاحب جس طرح ہرن دوڑتا ہے اس کے تعاقب پہاڑ پر چڑھ گئے۔ جب میں واپس آیا تو ان کے بڑے چہیتے اور معتمد شخص جنکو وہ وزیر کے لفظ سے پکارا کرتے تھے میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ یہاں علاج کرنے آئے ہیں یا ہمارے ولیعہد کو حکومت سکھانے آئے ہیں۔ آپ صرف دوا وغیرہ بتادیا کریں اور حکومت کرنی نہ سکھائیں ورنہ آپ کو بڑی تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ یہ لوگ اگر ایسے ہوجائیں جیسا آپ چاہتے ہیں تو ہم لوگ روٹی کہاں سے کھائیں غرض میں اصلیت کو پہنچ گیا۔ خدائے تعالیٰ ہمارے ملک کے رئیسوں پر رحم کرے اور ان کو ہدایت کرے۔

مہاراج کشمیر مجھ سے بہت ہی بمدارات پیش آتے تھے بعض وقت میں خود بھی تعجب کیا کرتا تھا ایک دن مجھ سے تنہائی میں کہا کہ جانتے ہو میں تم سے ڈرتا ہوں میں نے کہا کہ آپ تو بادشاہ ہیں میں ایک غریب آدمی ڈرنا کیا معنی۔ کہا میں تم سے بہت ڈرتا ہوں اور بعض اوقات میں ایسی چشم پوشی کرتا ہوں کہ میری طبیعت کے وہ بالکل خلاف ہوتی ہے آج میں تمہیں اس کی وجہ بتاتا ہوں وجہ یہ ہے کہ سلطان محمود غزنوی کوئی ذلیل آدمی نہ تھا۔ وہ ایک شاہی خاندان کا شاہزادہ تھا اور ایسی سلطنت جیسی کہ محمود کی تھی ایک کمینہ انسان کو کبھی میسر نہیں ہوسکتی۔

میں محمود کے حسب اور نسب کو خوب جانتا ہوں وہ شاہانِ ایران کی نسل سے تھا۔ مگر نیک نامی کا جینا اور بدنامی کا مرنا دونوں کیسے عجیب ہیں کہ ملا فردوسی نے دو شعر کہکر کہ ؎

اگر مادرِ شاہ بانو بُدے ۔۔۔ مرا سیم و زر تا بزانو بُدے

اگر شاہ را شاہ بودے پدر ۔۔۔ بہ سر بر نہادے مرا تاج زر

ایک ایسا خطرناک ٹیکا لگایا ہے کہ ہم بادشاہوں کی مجلسوں میں اس کا ذکر آتا ہے اس لیے میں مصنف لوگوں سے بہت ڈرتا ہوں تمہارا میں اسی لیے زیادہ خیال کرتا ہوں۔

ان رؤسا میں بعض وجود بڑے نیک اور مخلوق الٰہی کے واسطے بہت ہی مفید ہوتے ہیں اور بعض اس کے خلاف۔ اس قسم کی باتوں کو صرف اس وجہ سے بیان کرنا مناسب سمجھا گیا ہے کہ شاید کسی کو نفع پہنچے۔

کشمیر میں ایک مولوی عبدالقدوس صاحب رہتے تھے۔ وہ بڑے بزرگ آدمی تھے اور میرے پیر بھائی بھی تھے کیونکہ وہ شاہ جی عبدالغنی صاحب کے مرید تھے اور میں بھی شاہ صاحب کا مُرید تھا۔ ان کو مجھ سے خاص محبّت تھی اور باوجود ضعفِ پیری کے میرے مکان پر ترمذی کا سبق پڑھنے آتے تھے۔ میں نے ایک رؤیا دیکھا کہ انکی گود میں کئی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں میں نے ایک جھپٹا مارا اور سب بچے اپنی گود میں لیکر وہاں سے چل دیا۔ رستہ میں میں نے اُن بچوں سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا نام کٓھیٰعٓصٓ ہے۔ میں اپنے اس رؤیا کو بہت ہی تعجب سے دیکھتا تھا جب میں حضرت مرزا صاحب کا مُرید ہوا تو میں نے اُن سے اپنے اس خواب کا ذکر کیا۔ مرزا صاحبؑ نے فرمایا کہ آپ کو اس کا علم دیا جائیگا اور وہ لڑکے فرشتے تھے۔ دھرم پال نے جب ترکِ اسلام کتاب لکھی تو اس سے بہت پہلے مجھے ایک خواب نظر آیا تھا کہ اللہ تعالیٰ مولا مجھ سے فرماتا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن شریف کی کوئی آیت تجھ سے پُوچھے اور وہ تجھ کو نہ آتی ہو اور پوچھنے والا منکرِ قرآن ہو تو ہم خود تم کو اس آیت کے متعلق علم دیں گے" جب دھرم پال کی کتاب آئی اور خدا تعالیٰ نے مجھ کو اُس کے جواب کی توفیق دی۔ حرف مقطعات کے متعلق اعتراض تک پہنچکر ایک روز مغرب کی نماز میں دو سجدوں کے درمیان میں نے صرف اتنا ہی خیال کیا کہ مولا! یہ منکرِ قرآن تو ہے گو میرے سامنے نہیں یہ مقطعات پر سوال کرتا ہے۔ اسی وقت یعنی دو سجدوں کے درمیان قلیل عرصہ میں مجھ کو مقطعات کا وسیع علم دیا گیا جس کا ایک شمہ میں نے رسالہ نورالدین میں مقطعات کے جواب میں لکھا ہے اور اس کو لکھ کر میں خود بھی حیران ہو گیا (دیکھو رسالہ نورالدین)

جموں میں ٹھٹیروں کی دکان کے پاس جُلاکا کے محلّہ میں ایک مندر ہے میں نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا

کہ اُس مندر کے سامنے آٹے۔ نمک تیل وغیرہ یعنی پرچون کی ایک دُکان ہے وہاں ایک لکڑی کی چوکی پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے ہیں۔ میں وہاں سے گذرا تو آپ نے فرمایا کہ تم ہمارے یہاں سے آٹا لے لو چنانچہ انہوں نے ایک لکڑی کی ترازو میں آٹا تولا جو بظاہر ایک آدمی کی خوراک کے قابل تھا۔ میں نے اپنے دامن میں اسکو لے لیا۔ جب وہ آٹا میرے دامن میں ڈال چکے تو لگفہ ترازو کو زور سے ڈنڈی پر مارا تاکہ سب آٹا میرے دامن پر گر جائے۔ جب میں آٹا اپنے دامن میں لے چکا تو میں نے سوال کیا کہ آپ نے حضرت ابوہریرہؓ کو کوئی ایسی بات بتائی تھی جس سے وہ آپ کی حدیثیں یاد رکھتے تھے؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں"۔ میں نے عرض کیا کہ وہ بات مجھے بھی بتا دیں تاکہ میں آپ کی حدیثیں یاد کروں۔ کہا کہ ہم کان میں بتاتے ہیں میں نے کان آگے کیا اور آپؐ نے اپنا مُنہ میرے کان سے لگایا کہ اتنے میں خلیفہ نورالدین نے میرے ایک پاؤں کو زور سے دبایا اور کہا کہ نماز کا وقت ہے۔ میری سمجھ میں آیا کہ حدیث پر عمل کرنا ہی حدیثوں کے یاد کرنے کا ذریعہ ہے۔ اُٹھانے والا بھی خواب ہی کا فرشتہ ہوتا ہے اور نورالدین کے لفظ سے یہ تعبیر میری سمجھ میں آئی۔ وہاں بعض اوقات مجھے خاص خدمتگاروں میں بیٹھنے کا موقع ملتا تھا ایک دفعہ میں نے اُن سے کہا آؤ ہم تمہیں قرآن سنائیں۔ وہ سب ہندو تھے۔ میں نے ایک دو روز انہیں قرآن سنایا۔ ایک شخص جس کا نام رتی رام تھا اور وہ خزانہ کا افسر تھا اور افسر خزانہ کا بیٹا بھی تھا اس نے عام مجلس میں کہا کہ دیکھو انکو قرآن شریف سُنانے سے روکو ورنہ میں مسلمان ہو جاؤنگا قرآن شریف بڑی دلربا کتاب ہے اور اس کا مقابلہ ہرگز نہیں ہوسکتا اور نورالدین کے سُنانے کا انداز بھی بہت ہی دلفریب اور دلربا ہے۔

وہاں کے وزراء میں سے دیوان گوبند سہائے۔ دیوان اننت رام اور دیوان کرپا رام دنیوی اخلاق کی رُو سے بہت ہی بے نظیر آدمی تھے۔ وسعت خیالات کے ساتھ عام مروت کا مادہ بھی ان لوگوں میں تھا۔ دیوان لچھمن داس اور سردار روپ سنگھ۔ سردار لال من۔ سردار موتی رام ایسے اشخاص ہیں جنکو میرے طبّی مشوروں کے علاوہ مجھ سے خاص طور پر خطرناک معرکوں میں سلوک کرنے کا موقعہ ملا ہے میں ان کا ہمیشہ شکرگزار رہوں گا۔

ایک دفعہ وہاں کے گورنر پنڈت رادھا کرشن صاحب نے راجہ امر سنگھ کے مکان پر مجھ سے کہا کہ لیکھرام کے بعض اعتراضات جو اسلام پر کئے گئے ہیں بالکل لاجواب ہیں مُسلمان ان کا جواب نہیں دے سکے۔ میں نے کہا بات تو بڑی سہل ہے آپ اُن اعتراضوں میں سے اعلیٰ درجہ کا اعتراض میرے سامنے اس وقت پیش کریں اور راجہ صاحب کو ہم حج بنائیں گے۔ تب انہوں نے اسکندریہ کے کتب خانہ کے متعلق یہ اعتراض کیا وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے جلایا گیا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کے نزدیک دُنیا میں کوئی صحیح تاریخ ہے؟

جس میں اسلامی پہلی صدی یا دوسری یا چوتھی صدی کے درمیان اس قصہ کو کسی مورخ نے بیان کیا ہے آپ اسکا نام لیں انہوں نے کہا کہ میں نے عربی تاریخیں نہیں پڑھیں میں نے کہا آپ جانتے ہیں میں نے انگریزی تاریخیں نہیں پڑھیں مگر خیر اب آپ کسی انگریزی تاریخ کا نام لیں جو نسبتاً قابل اعتماد ہو تب انہوں نے گبن کی تاریخ ڈکلائن اینڈ فال آف دی رومن امپائر (تاریخ زوال سلطنت روما)
DECLNE AND FALL OF THE ROMON EMPIRE BY GIBBON کا ذکر کیا۔ میں نے کہا بس یہی ایک کتاب ہمارے اور آپ کے درمیان فیصلہ کن ہوگی۔ منگوائی جائے چنانچہ دیوان امرناتھ صاحب کے کتب خانہ سے وہ کتاب منگوائی گئی اور کتب خانہ کے متعلق جو کچھ کہ اس مصنف کا خیال تھا گورنر صاحب کے سامنے پیش کیا گیا انہوں نے کیسا تعجب کے قابل جواب دیا کہ چونکہ ہم کو ابتدا سے تعلیم دی جاتی ہے کہ اسلام کا مذہب بہت بُرا ہے اس واسطے جو اعتراض اس پر کیا جائے ہم کو وہ عظیم الشان ہی معلوم ہوتا ہے۔ تب میں نے راجہ صاحب سے کہا کہ آپ کی مسلمان رعایا پنڈت جی سے کیا فائدہ اُٹھا سکتی ہے جبکہ یہ اسلام کے لیے خیر خواہ ہیں (کشمیریوں کے محاورہ میں خیر خواہ بدخواہ کو کہتے ہیں) گورنر صاحب نے کہا کہ میں ہندو نہیں بلکہ بدھ ہوں کیونکہ میں لداخ کا گورنر رہا ہوں وہاں بدھوں کی تعلیم مجھ کو بہت پیاری معلوم ہوئی۔ مجھ کو ایک طمع بھی تھی موقع بھی تھا اور بات بھی بن گئی میں نے کہا کہ آپ کے محکمہ میں فتح محمد اور فتح چند دو امیدوار ہوں اور لیاقت میں بھی فتح محمد دوسرے سے بڑھا ہوا ہو تو آپ کس کو جگہ دینگے انہوں نے جواب دیا کہ ہم فتح چند کو جگہ دینگے گو وہ لیاقت میں کم ہی ہو۔ میں نے کہا آپ کی بات تو متضاد ہو گئی کیونکہ فتح چند بدھ نہیں ہے۔ گورنر صاحب نے کہا کہ مجھ پر اپنے باپ کی تعلیم کا یہ اثر ہے۔ اس پر میں نے راجہ صاحب سے کہا کہ آپ توجہ کریں کہ کیا حال آپ کی مسلمان رعایا کا ہو سکتا ہے۔ اس طرح کے بہت سے نظارے وہاں دیکھنے میں آئے۔ اللہ تعالیٰ سے رحم کا امیدوار ہوں۔

جب راجہ پونچھ کو قلعہ باہو میں ذوسنطاریا نے آدبایا تھا وہاں سیوس اسیغول انجبار اور شیرہ بکن نے مجھے تحریک دی کہ میں ہندی طب پڑھوں کیونکہ بکن کی نسبت صرف ہندی طب راہ نما ہوئی تھی۔ اس کام کے لیے پنڈت ہرنام داس بوڑھے پنڈت انتخاب کیے اور ان سے امرت ساگر اور سسرت سبقاً پڑھا اور طب جدید کی بہت سی مصری کتابیں منگوا کر مطالعہ کیں۔ پنڈت صاحب کی میں ایسی خدمت کرتا تھا کہ بعض وقت انکے لیے حقہ کی عمدہ قسم کی نلیاں کشمیر سے منگواتا تھا اور وہ بھی مجھ کو بچوں سے کم عزیز نہ سمجھتے تھے۔ اس میرے پڑھنے کی خبر مہاراج جموں کو کی گئی کہ یہ شخص ابھی پنڈت ہرنام داس سے طب پڑھتا ہے جو آپ کا ادنیٰ نوکر ہے۔ مجھ سے جب پوچھا گیا کہ تم دربار میں پنڈت ہرنام داس کی تواضع زیادہ کیوں کرتے ہو تو میں نے کہا کہ وہ میرے

اُستاد ہیں۔اس میری گفتگو نے رئیس کے دل پر بہت ہی اثر کیا اور مجھ کو بڑی عظمت سے دیکھنے لگا۔

ان دنوں میرے مولا نے جو میری نخوت کا علاج کیا وہ بھی عجیب ہے کہ میاں لعل دین کا بیٹا فیروزالدین جو مجھ سے دلی تعلق اور اخلاص اور گہری محبت رکھتا تھا وہ عالم شباب میں مبتلائے چیچک ہوا اور مر گیا میرے سامنے ہی اُس نے جان دی۔اس صدمہ کو اللہ تعالےٰ بہتر جانتا ہے کہ مجھ پر کیا کیا گذری اور مجھ کو یہ واقعہ اب تک بھی تکلیف دیتا کہ کوئی تدبیر وہاں کام نہ دے سکی۔بہت ہی ٹکریں ماریں مگر ناکامی رہی۔یہ سب خدا تعالیٰ کے فضل کی باتیں ہیں۔

مَیں نے شیخ فتح محمد اور اُن کے تمام کنبہ والوں اور ان کے بھائی شیخ امام الدین کو خلوص ومحبت کا نہایت ہی پاک نمونہ پایا۔شیخ علی محمد تاجر وزیرآباد مقیم جموّں کو بھی مجھ سے بڑی محبت تھی۔راجہ عطا محمد خاں رئیس یاڑی پورہ اور راجہ فیروزالدین خان اور راجہ قطب الدین خاص ذکر کے قابل ہیں اور ان میں طبی تذکرے بھی موجب ذکر ہیں مگر بات لمبی ہوتی جاتی ہے صرف اتنا بتائے دیتا ہوں کہ ان میں سے ایک شخص جو خطرناک ضعف باہ میں گرفتار تھا اس نے مجھ سے کہا کہ کوئی خاص طور کی دوائی آپ مجھے دیں میں نے اس کو نسخہ زد جام عشق بنا کر دیا جسکے استعمال کے بعد اُس نے میری اور میری بیوی کی دعوت اپنے گھر میں کی اور اس کی بیوی نے میری بیوی کے ہاتھ میں سونے کے بڑے بڑے کنگن بہت محبت سے ڈال دیئے اور خود اس شخص نے مجھ کو قیمتی گھوڑے باصرار دیئے۔

ایک شخص بڑے عملیات کے مدعی تھے اور وہ اپنے آپ کو شاہ عبدالغنی صاحب کا مُرید بھی ظاہر کرتے تھے۔ انہوں نے عملیات پر کتاب بھی لکھی تھی۔مَیں نے شاہ صاحب کے تعلقات کی بنا پر ان کو ایک خط لکھا جس پر انہوں نے مجھ کو ایک عمل لکھ کر بھیجا کہ اس سے پانچ روپیہ روز آدمی کما سکتا ہے چونکہ وہ شاہ صاحب کیطرف اپنے آپ کو منسوب کرتے تھے اس لیے مَیں نے اُس عمل کا تجربہ کیا۔مَیں طبّ کا پیشہ بھی کرتا تھا تھوڑے دنوں کے بعد مجھ کو یہ خیال ہوا کہ یہ جو مجھ کو آمدنی ہوتی ہے آیا اس عمل کا نتیجہ ہے یا طبّ کا۔ان دونوں میں تشخیص کرنے کے لیے یا تو عمل چھوڑ دیا جائے یا طبّ۔سو مَیں نے طبّ کو چھوڑنا پسند نہ کیا عمل کو چھوڑ دیا۔اس مہینہ میں مجھ کو بارہ سو روپیہ کی آمدنی ہوئی اس لیے مجھ کو رنج ہوا کہ اس عمل کی نحوست سے بارہ سو کی بجائے ڈیڑھ سو ہی ملتا تھا۔جب مَیں جموّں گیا تو ایک روز علی الصباح وہ عامل صاحب میرے مکان پر پہنچے۔میرے دل میں خیال گذرا کہ شاید یہ اپنے دل میں خیال کرتے ہوں گے کہ یہ میرے عمل کے سبب یہاں نوکر ہے اس لیے مَیں نے اپنے نفس پر بہت ہی جبر کر کے اپنی عادت کے خلاف اُن کی طرف مطلق توجہ نہیں کی۔چائے اور کھانا وغیرہ

تو بڑی بات ہے۔ میں نے ان کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ آخر دس بج گئے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟ میں نے کہا کہ نہیں میں آپکو پہچانتا ہوں آپ فلاں کتاب کے مصنف ہیں۔ اس سے زیادہ میں نے اور کوئی تعارف ظاہر نہ کیا۔ وہ میرے اس روکھے پن سے بہت ہی متعجب ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ کہیں تو میں میاں لعل دین کے مکان پر جا ٹھہروں۔ میں نے کہا کہ آپ شوق سے جائیں۔ چنانچہ وہ اُٹھ کر میاں صاحب کے یہاں پہنچے۔ تھوڑی دیر کے بعد میاں صاحب کا ایک خاص خدمتگار میرے پاس دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ ابھی میاں صاحب کے مکان پر ایک عامل آیا ہے جس نے ایک تعویذ لکھ کر آگ میں ڈالا اور وہ اشرفی بن گیا۔ وہاں اُس عامل کی بڑی خاطر مدارت ہو رہی ہے پلاؤ اور زردے پک رہے ہیں۔ دو ایک روز کے بعد وہ عامل پھر میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ آپ اگر میرے لیے کوشش کریں تو یہاں دُعاگویوں کی ایک مد ہے ساٹھ روپیہ تنخواہ ہوتی ہے مجھے اس میں ملازم کرا دیں۔ یہ سنکر مجھ کو اور بھی شُبہ ہوا کہ مجھ کو انہوں نے ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کا عمل بتایا اور خود ساٹھ روپیہ ماہوار کے لیے سفارش چاہتے ہیں۔ میں نے کہا اس قسم کی نوکریاں میاں صاحب اور حافظ حکیم فدا محمد صاحب کی معرفت مل سکتی ہیں میری نسبت اس رئیس کا خیال ہے کہ یہ شخص اس قسم کے لوگوں سے بہت تعلق نہیں رکھتا جو گنڈے تعویذ کرتے ہیں۔ مجھے ان کی تصنیف اور ان کے حالات اور اس تعلق پر جو انہوں نے حضرت شاہ عبد الغنی صاحب سے ظاہر کیا بہت ہی افسوس و رنج ہوا کہ دنیا میں مسلمانوں نے اپنا کیسا حال بنایا ہے! پھر وہ پندرہ روپیہ ماہوار تک بھی آ گئے لیکن میں نے اُن کو کچھ ملامت نہ کی۔

پونچھ میں مجھ کو ایک فقیر ملا جو بازاروں میں عجیب طرح کی آوازیں کسا کرتا تھا۔ میں نے اس کو بلا کر کہا کہ تم یہ کیا حرکت کیا کرتے ہو۔ جب میں نے اس کی بہت مدارت کی تو اس نے کہا کہ میں چالیس برس سے ایک فقیر کا معتقد ہوں اور اس نے مجھے ایک عمل بتایا ہے میں اسی کی مشق کیا کرتا ہوں۔ تین باتوں کا اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا مگر ابھی اُن تینوں باتوں میں سے کوئی ظاہر نہیں ہوئی لیکن میں عمل برابر کئے جاتا ہوں۔ میں نے کہا ان باتوں میں سے تم ایک بات تو بتاؤ۔ اس نے کہا کہ فقیر نے بتایا تھا کہ تم جب آنکھیں بند کرو گے تو تم کو سب حقیقت کا پتہ لگ جائیگا۔ میں نے کہا یہ تو میں تم کو ابھی بتائے دیتا ہوں تم اپنی آنکھیں بند کرو۔ چنانچہ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے کہا تم کو کچھ نظر آتا ہے کہا اندھیرا نظر آتا ہے۔ میں نے کہا حقیقت تو معلوم ہو گئی کہ اس عمل میں سوائے اندھیرے کے اور کچھ نہیں۔ اس نے کہا کہ مجھ سے یہ بھی کہا تھا مرے لوگوں کی برائیوں اور بھلائیوں سے آگاہ ہو سکتے ہو۔ اس وقت میں ایک ایسی جگہ تھا کہ سامنے شاہ عبد الغفور نام ایک بزرگ کی خانقاہ تھی اور اس کے قریب

ہی ایک کنجڑی کی قبر تھی میں نے اس بزرگ کی خانقاہ کی طرف اشارہ کرکے کہاکہ یہ کس کی قبر ہے؟ اس نے کہا یہ تو بڑے بزرگ ولی گذرے ہیں پھر میں نے دوسری قبر کی طرف اشارہ کرکے کہاکہ کس کی قبر ہے کہاکہ یہ ایک بدکار کنجڑی کی قبر ہے۔ میں نے کہابس یہ بات تو تم کو حاصل ہے وہ بہت حیران سا ہو گیا اور میرے ہاتھ پاؤں چومنے لگا اور آئندہ اپنی حرکات سے باز رہنے کا وعدہ کرکے ایک بھلا آدمی بنکر میرے پاس سے چلا گیا۔ میں نے ایک مرتبہ (جبکہ اس کو میرے موجود ہونیکا علم نہ تھا) اُس کو بازار میں پھر ویسی حرکت کا مرتکب دیکھا لیکن میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اس کو چالیس برس کی عادت جس کام کی پڑی ہوئی ہے یکلخت اس کا چھوٹنا مشکل ہی ہے۔

ایک شیعہ طبیب بھی وہاں تھے جن کو اپنے مذہب میں بہت غلو تھا چونکہ وہ میرے ہم پیشہ تھے اور ولی عہد صاحب کے وہ خاص طبیب تھے۔ ایک دن انہوں نے مطاعن صحابہؓ کا ذکر شروع کیا۔ میں نے ان کی خدمت میں مختصراً اتنا ہی عرض کیا کہ عمرؓ نام صحابی کی اولاد میں سے میں بھی ہوں۔ ہاں! اب آپ اعتراض کریں۔ ان کی شرافت کا یہ عجیب حال ہے کہ جب تک ہم وہاں رہے انہوں نے مذہبی چھیڑ چھاڑ میرے سامنے کبھی نہ کی۔ صرف میں نے ولیعہد کی تحریک پر ایک خط لکھا تھا جو مطبوع موجود ہے مگر اس کا بھی اُنہوں نے جواب نہ دیا۔

ایک مرتبہ دیوان انت رام صاحب وزیر اعظم کے استاد مولوی عبداللہ صاحب نے سرکار میں میری شکایت اس بنا پر کی کہ یہ اس شخص کی اولاد ہے جس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی گدّی پر غاصبانہ حملہ کیا چونکہ میرے سامنے کا واقعہ نہیں ہے مجھے اس کی تفصیل سے آگاہی نہیں۔ صرف سرکار نے مجھ سے کہاکہ پیغمبر صاحب کا جانشین ان کی اولاد کو کیوں نہیں کیا گیا۔ میں نے اس کو مذہبی جھگڑا نہ سمجھا۔ عرض کیا کہ آپؐ کی نرینہ اولاد نہ تھی اور بیٹی کی اولاد میں بھی کوئی بالغ لڑکا نہ تھا اور آپؐ کی گدّی کوئی دنیوی رسُومات کی گدّی نہ تھی اس لیے دنیوی رسُومات کے مطابق کوئی گدّی نشین نہیں بنایا گیا لیکن انہوں نے جب مجھ سے یہ کہاکہ مولا مرتضیٰؓ آپؐ کے بیٹے تھے لیکن عمرؓ نے غاصبانہ رنگ میں اس گدّی کو حاصل کیا۔ تب مجھے معًا خیال آیا کہ یہ مولوی عبداللہ صاحب کی تحریک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہی ڈالا کہ حضرت علیؓ داماد تھے اور حضرت عمرؓ آپؐ کے بلافصل جانشین نہیں تب اُنہوں نے پُوچھا کہ کیا حضرت علیؓ بیٹے نہیں تھے۔ وہاں خود رئیس کا ایک داماد بیٹھا تھا میں نے کہا ایسا ہی دامادی تعلق تھا جیسا اس راجہ کو حضور سے ہے۔ تب اُنہوں نے بہت گرم ہو کر اور جھنجھلا کر کہاکہ اب میں مباحثہ کی بنا کو سمجھ گیا ہوں۔ دیکھو ہم لوگ داماد اور وزیر ایسے لوگوں کو نہیں بناتے جو سلطنت کا استحقاق رکھتے ہوں۔ دیکھو یہ ہمارے سابڑوں (سابڑوں یا سانبوں ان کی زبان میں داماد کو کہتے ہیں) غدر میں انہوں

نے انگریزوں کا مقابلہ کیا اس لیے ان کو پورٹ بلیر (کالا پانی) بھیجا گیا۔ جب ہم نے غدر میں انگریزوں کی خدمات کیں تو اس کے بدلہ میں اُنہوں نے ہم کو کوئی ملک دینا چاہا لیکن ہم نے بجائے علاقہ لینے کے ان کو اور ان کے باپ کو پورٹ بلیر سے بلایا اور ان کی ریاست ان کو دلوا کر اپنی لڑکی اُن سے بیاہ دی اب اگر یہ ذرا بھی کوئی حرکت کریں تو پورٹ بلیر موجود ہے۔ اور یہ اننت رام جی ہمارے وزیر اعظم ہیں اگر اب ہم موقوف کر دیں تو یہ نون تیل کی دوکانداری کریں۔ پھر مجھے معلوم نہیں کہ مولوی عبداللہ صاحب کو اُنہوں نے کیا کہا۔

ایک دفعہ مجھے کتاب عبقات الانوار کے دیکھنے کا بڑا شوق ہوا جو حدیث مَن کُنتُ مَولَاہُ فَعَلِیٌّ مَولَاہُ کی بحث پر ہے اور میر حامد حسین صاحب نے سات سو صفحات سے زیادہ پر لکھی ہے۔ ایک میر نواب نام لکھنؤ کے شیعہ وہاں طبیب تھے اور مَیں نے سُنا یہ کتاب ان کے پاس ہے۔ مَیں نے ان سے طلب کی تو انہوں نے کہا کہ رات کے دس بجے آپ لیں اور صبح کے چار بجے واپس کر دیں تو مَیں دے سکتا ہوں مَیں نے سمجھا کہ یہ میری دن بھر برابر کام کرنے کی عادت سے واقف ہیں انہوں نے سوچا ہوگا کہ دن بھر کا تھکا ہوا رات کو سو جائیگا کتاب کیا دیکھ سکے گا؟ بہرحال مَیں نے رات کے دس بجے وہ کتاب منگوائی اور محض خدا تعالےٰ کے فضل سے مَیں جب اس کے مطالعہ اور خلاصہ اور نقل سے فارغ ہو گیا تو مَیں نے اپنے ملازم کو آواز دی اور پوچھا کہ اب کیا بجا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ابھی چار نہیں بجے۔ مَیں نے کہا کہ حکیم نواب صاحب کی یہ کتاب دے آؤ۔ اُس خلاصہ کو مَیں نے ایک نظر پھر بھی دیکھ لیا۔ مَیں حیران تھا کہ اتنی بڑی محنت کیوں کی گئی ہے۔ اُس خلاصہ کے مکرّر دیکھنے میں مَیں نے اس کے کچھ جوابات بھی سوچ لیے تھے۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد ایک دن شیخ فتح محمد صاحب نے کہا کہ میری اور آپ کی آج الٰہی بخش نام ایک رئیس کے ہاں ضیافت ہے۔ مَیں اور شیخ صاحب دونوں اکٹھے ضیافت کو چلے تو رستہ میں شیخ صاحب نے مجھ سے ذکر کیا کہ میاں الٰہی بخش ایک جوشیلے شیعہ ہیں انہوں نے کوئی مجتہد بلوایا ہے جس کی آپ کے ساتھ بحث ہوگی اور شرط یہ ٹھہری ہے کہ ہم جس قدر سُنّی وہاں دعوت میں ہوں گے اگر مباحثہ میں آپ ہار گئے تو ہم کو شیعہ ہونا پڑے گا۔ اور پہلے سے اس کا ذکر آپ سے اس لیے نہیں کیا کہ تیاری کر کے جاتے تو مزا نہ آتا۔ مَیں نے شیخ صاحب کو بہت ملامت کی کہ ایسی شرطیں نہیں کیا کرتے۔ مگر انہوں نے میری باتیں ہنسی میں ہی اُڑا دیں۔ جب وہاں پہنچے تو شیخ فتح محمد صاحب نے جو بڑے ہی بے تکلف بھی تھے کہا کہ ارے او شیعو! لاؤ کہاں ہیں وہ تمہارے بحث کرنیوالے چنانچہ کتاب عبقات الانوار میرے سامنے پیش کی گئی۔ ابھی تک مَیں نے مجتہد صاحب کو بھی نہیں پہچانا تھا کیونکہ وہ اس وقت تک میرے سامنے نہیں

ہوئے تھے میں نے اپنے مولا کا بڑا ہی شکر ادا کیا کہ یہ وہی کتاب ہے جو میں دیکھ چکا ہوں. میں نے اس کتاب کے جلد جلد ورق الٹنے شروع کیے چند منٹ میں اس کے سب ورقوں کو الٹ گیا پھر میں نے وہ کتاب میاں الٰہی بخش کے سامنے رکھ دی اور عرض کیا کہ منشاء کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ آپ اس کتاب کو بہت غور سے پڑھیں. میں اپنے مولا کی غریب پروری کی کوئی حد نہیں سمجھتا اس وقت مجھ کو بڑی خوشی ہوئی میں نے کہا میں نے یہ کتاب پڑھ لی اگر آپ کہیں تو میں اس کا خلاصہ سنا دوں اور پھر اس کا جواب نہایت مختصر طور پر عرض کر دوں. وہاں بہت سے شیعہ مولوی موجود تھے سب نے کہا کہ آپ خلاصہ سنائیں میں نے اللہ تعالیٰ کے محض فضل سے خلاصہ سنایا جس کے سننے کے بعد ان شیعوں نے علیحدہ جا کر سرگوشی کی کہ اس شخص سے مباحثہ کرنا ہمارا کام نہیں. الٰہی بخش نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ کھانا لاؤ. بس پھر کیا تھا! ہمارے شیخ فتح محمد صاحب نے خوب اچھل اچھل کر کہا کہ ہم کھانا نہیں کھاتے مباحثہ ہو جائے اور بلاؤ کہاں ہیں تمہارے مباحثہ کرنیوالے میرے اس خلاصہ کے سنانے سے یہ فائدہ ہوا کہ مباحثہ کے لیے کوئی سامنے نہ آیا اور اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے وہ مباحثہ ٹال دیا.

میں نے ریاست کے معاملات میں بہت ہی غور کیا ہے وہاں چار نقص بڑے ہیں. اوّل یہ کہ رئیس کے خدمتگار جس قدر اجہل ہوں اسی قدر ان کا زیادہ رسوخ ہوتا ہے اور بہت تھوڑی طمع پر ایک شریف کی ہتک کرنے میں دریغ نہیں کرتے. میں نے خود ایک دفعہ اس موجودہ رئیس سے کہا کہ آپ ان خدمتگاروں سے اس قدر ڈرتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ یہ بڑے خبیث باطن ہوتے ہیں ان کی دو دو چار چار روپیہ تو تنخواہ ہوتی ہے. تھوڑی سی طمع پر یہ اپنے آقا کو زہر دیدیتے ہیں. ان کو دو روپیہ کی بجائے سو روپیہ مل جائیں اور یہ قتل کر دیں تو ان کا کیا کر سکتے ہیں. میں نے کہا کہ آپ ان کو موقوف کر سکتے ہیں کہا کہ وہ جو دوسرے آئیں گے وہ بھی انہیں کے بھائی بند ہوں گے یہ ایک بڑی خطرناک قوم ہے جو ہمارے ارد گرد رہتی ہے. پھر کہا کہ میری ولیعہدی کے زمانہ میں ان لوگوں نے مجھے ایسا لوٹا جس کی کوئی حد نہیں ہے.

دوسرا نقص یہ ہے کہ یہ لوگ چونکہ شرفا کو زیر و زبر کرتے رہتے ہیں اس واسطے ارکان و عمائد میں رئیس کی نسبت بھی اور آپس میں بھی بدظنی بہت پھیل جاتی ہے. اس بدظنی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ کسی کام کو وہ دل لگا کر نہیں کرتے بلکہ ایام گذاری ہی کرتے ہیں.

تیسرا نقص یہ ہوتا ہے کہ اپنی ناپائداری کو دیکھ کر طمع کا دامن بہت دراز کر لیتے ہیں.

چوتھا نقص یہ ہوتا ہے کہ ایجنٹوں اور رزیڈنٹوں کے کانوں میں عجیب در عجیب متضاد باتیں پہنچتی ہیں جس سے

ان کو رئیس سے بڑا تنفر پیدا ہو جاتا ہے۔

ایک معزز کو ذلیل کر دینا اور ایک ذلیل کو معزز بنا دینا یہ لوگ اپنے بائیں ہاتھ کا کھیل سمجھتے ہیں۔ میرے سامنے جو شرفا بگڑے اور جو جو غربا امیر بنے وہ ایسے واقعات ہیں جن کے بیان سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دو چار روپیہ کے ملازم لاکھوں روپیہ کے مالدار بن جاتے ہیں اور لاکھوں روپے والے خاک میں مل جاتے ہیں۔

میاں لعل دین جو وہاں کے بڑے رئیسوں اور امرا میں سے تھے اور اصل میں خدمتگاری ان کا عہدہ تھا مجھ سے کسی سبب سے ان کو بہت رنج تھا۔ میں ایک روز ان کے مکان پر چلا گیا ان کا مکان حاجتمندوں سے بھرا پڑا تھا وہ ایک کھڑکی میں اُونچے بیٹھے ہوئے اپنے منشی سے کچھ حکم لکھا رہے تھے کیونکہ وہ خود لکھے پڑھے نہ تھے۔ جُوں جُوں حاجتمند اُٹھتے گئے اور مکان خالی ہوتا گیا میں بھی آہستہ آہستہ آگے بڑھتا گیا۔ آخر اُن کا خدمتگار اور منشی ہی رہ گیا اور میں بھی بہت ہی قریب جا پہنچا اُن کو معلوم تھا کہ میں ان کے مکان پر کبھی نہیں جاتا تھا اس واسطے بہت متعجب ہو کر پوچھا کہ آپ کس واسطے آئے ہیں۔ اُن کے نوکر اور منشی بھی اُس وقت یہ سمجھ کر کہ اس کو کوئی خاص بات خلوت میں کہنی ہے چلے گئے تھے صرف ہم دونوں ہی موجود تھے میں نے کہا کہ آپ کا جاہ و جلال ایسا ہے کہ عام علماء تو آپ کو کچھ کہہ نہیں سکتے اور ہر آدمی کے لیے ایک واعظ کی ضرورت ہے میں اس واسطے آیا ہوں کہ آپ سے دریافت کروں کہ آپ کا واعظ کون ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں اَن پڑھ آدمی ہوں باریک باتیں میں سمجھ نہیں سکتا۔ میں نے کہا ہر آباد شہر کے قریب کوئی اجڑا شہر ضرور ہوتا ہے اور ہر ایک امیر کے مکان کے قریب حوادث زمانہ کے مارے ہوئے امیر کا ویران گھر ضرور ہوتا ہے اور وہی ویرانہ اس کا واعظ بن سکتا ہے۔ اس پر وہ کچھ متغیر ہو کر کہنے لگے کہ مولوی صاحب آگے آئیں چونکہ میں اُن کے گھٹنے کے بالکل قریب ہی تھا اور آگے کوئی جگہ نہ تھی اس لیے میں نے اپنا سر ہی آگے کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ دیکھو میرا بیٹھنے کا گدیلا تو وہ ہے اور میں ہمیشہ اس کھڑکی ہی میں بیٹھتا ہوں۔ آپ دیکھیں اس کھڑکی کے سامنے ایک محراب دار دروازہ ہے اور اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ یہ میرے لیے واعظ ہے۔ اس گھر کا مالک ہماری ہی قوم کا ایک شخص تھا اور اتنا بڑا آدمی تھا کہ سُرخ چھاتا اس کے لیے مہاراج کے سامنے لگایا جاتا تھا اور ہم لوگ تو کالی چھتری بھی سرکار کے سامنے نہیں لگا سکتے۔ اب اس گھر کا مالک ایسا ویران ہوا ہے کہ خود اس کی بیوی میرے گھر میں برتن مانجھنے پر ملازم ہے۔ میں یہ سُنتے ہی فوراً کھڑا ہو گیا اور یہ کہہ کر کہ آپ کے لیے یہ واعظ بس ہے وہاں سے چل دیا۔ پھر میں نے یہ مضمون سرکار کے سامنے دوہرایا تو انہوں نے کہا کہ میرے لیے تو کئی واعظ موجود

ہیں۔ اوّل جہاں ہم لوگوں کو راج تلک لگایا جاتا ہے اس کے گرد جو بڑا ویرانہ اور کچے مکانات ہیں یہ سب اصل مالکوں کے مکانات ہیں اور وہ لوگ اب تک بھی ہم لوگوں کو سلام کرنے کے مجوز نہیں۔ دُوسرے میں جہاں کچہری لگاتا ہوں اس کے سامنے دھار انگر ایک مشہور شہر تھا جو بالکل ویران ہے۔ تیسرا باہو کا قلعہ میرے سامنے ہے اور وہ بھی بہت بڑے طاقتور راجوں کا قلعہ تھا۔ ہمارے لیے ان سے بڑھ کر کوئی واعظ ممکن نہیں۔ پھر جن لوگوں کے ہم نے ملک لیے وہ بھی کچھ کم واعظ نہیں ہیں۔

ایک شخص راجہ سورج کول نام وہاں کونسل کے سینیئر ممبر تھے۔ اُن کے گُردے میں بہت مدّت سے درد تھا مجھ کو انہوں نے بُلایا میری تشخیص میں اُن کے گردہ میں پتھری ثابت ہوئی۔ جب میں نے بے تکلفی سے اُن سے کہہ دیا تو انہوں نے بہت ہی رنج ظاہر کیا اور کہا کہ کیا آپ نہیں جانتے کہ سات انگریز میرے ماتحت رہے ہیں۔ میں نے کہا انگریزوں کے ماتحت رہنے سے گُردے کی پتھری نہیں رک سکتی پھر انہوں نے کہا کہ میرا ایک بیٹا ڈاکٹر ہے میں نے کہا کہ بیٹے کے ڈاکٹر ہونے سے بھی باپ کی پتھری نہیں رُک سکتی۔ اس پر وہ بہت ہی ناراض ہو گئے۔ کچھ مدت کے بعد پیری نام ایک انگریز جو لاہور میڈیکل کالج میں پروفیسر تھا وہاں گیا اور مہاراج نے ان راجہ صاحب کے درد گردہ کا ذکر کیا اور تاکید کی کہ آپ ضرور علاج کریں۔ ڈاکٹر نے انکو جا کر دیکھا اور فکر کرنے لگا کہ اتنے میں راجہ صاحب نے کہا کہ ایک دیسی طبیب نے یہ بھی کہا تھا کہ تمہارے گردہ میں پتھری ہے۔ یہ سُنتے ہی انگریز نے دوسرے انگریز سے کہا کہ فوراً گردے کو چیر دو اس انگریز نے شگاف دیا مگر پتھری اس کو نظر نہ آئی۔ اس پر پیری صاحب نے نشتر خود ہاتھ میں لیا اور شگاف کو وسیع کیا تو گُردے کی نالی کے پاس پتھری نظر آئی اسکو نکالا اور بہت بڑی خوشی کی اور میرے متعلق بھی جو کچھ اُن سے بن پڑا بہت کچھ تعریفی لفظ بولے۔ راجہ صاحب نے پھر مجھے بُلایا مگر میں نے جانا پسند نہ کیا اس پر وہ پھر ناراض ہو گئے گو مجھے پورا علم نہیں ہے مگر قرائن قویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے پھر میرا وہاں رہنا اور مجھ کو دیکھنا پسند نہ کیا۔ وہاں کے دُوسرے ممبر نے جن کا نام باگ رام تھا مجھ سے کہا کہ آپ استعفا دیدیں تو اس میں بڑے مصالح ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ بنے ہوئے روزگار کو خود چھوڑنا ہماری شریعت میں پسند نہیں کیا گیا۔ الاقامت فی ما اقامہ اللہ ضروری ہے۔ باگ رام صاحب نے مجھ کو استعفے کی ترغیب دی لیکن میں نے شرعی امر کو مقدم سمجھا۔ آخر ایک روز میری علیحدگی کا پروانہ آیا۔ اور جب پھر مجھے کسی تقریب پر وہاں جانا پڑا تو موجودہ مہاراج صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ آپ پر بھی بہت بیجا ظلم ہوا ہے آپ معاف کر دیں میں نے کہا یہ تو خدائے تعالےٰ کا گناہ ہے۔ خداتعالیٰ کا گناہ خداتعالیٰ ہی معاف کر سکتا ہے بندے

کی کیا طاقت ہے۔ ان کے والد ماجد عالم لوگوں سے خواہ وہ کسی مذہب کے ہوں جیسے میں نے ذکر کیا ہے ڈرتے تھے ان دنوں میں مہاراج کو اپنے چھوٹے بھائی صاحب سے کدورت بھی اور میرا ان کے ساتھ بڑا تعلق تھا اس لیے اور بھی ممبر صاحب کو موقع مل گیا۔

جموں میں حاکم نام ایک ہندو پنساری تھا۔ وہ مجھ سے ہمیشہ نصیحتاً کہا کرتا تھا کہ ہر مہینہ میں ایک سو روپیہ آپ پس انداز کر لیا کریں یہاں مشکلات پیش آجاتی ہیں۔ میں ہمیشہ یہی کہہ دیا کرتا ایسے خیالات کرنا اللہ تعالیٰ پر بدظنی ہے ہم پر انشاءاللہ تعالیٰ کبھی مشکلات نہ آئیں گے۔ جس دن میں وہاں سے علیحدہ ہوا ہوں اس دن وہ میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا کہ آج شاید آپ کو میری نصیحت یاد آئی ہوگی۔ میں نے کہا میں تمہاری نصیحت کو جیسا پہلے تجارت سے دیکھتا تھا آج بھی ویسا ہی تجارت سے دیکھتا ہوں ابھی وہ مجھ سے باتیں کر رہا تھا کہ خزانہ سے چار سو اسی روپیہ میرے پاس آئے کہ یہ آپ کی ان دنوں کی تنخواہ ہے۔ اس پنساری نے افسروں کو گالی دیکر کہا کہ کیا نوردین تم پر نالش تھوڑا ہی کرنے لگا تھا۔ ابھی وہ اپنے غصہ کو فرو نہ کرنے پایا تھا کہ ایک رانی صاحبہ نے میرے پاس بہت سا روپیہ بھجوایا اور کہا اسوقت ہمارے پاس اس سے زیادہ روپیہ نہ تھا یہ ہمارے جیب خرچ کا روپیہ ہے جس قدر اس وقت موجود تھا سب کا سب حاضر خدمت ہے۔ پھر تو اس کا غضب بہت ہی بڑھ گیا۔ مجھ کو ایک شخص کا ایک لاکھ پچانوے ہزار روپیہ دینا تھا اس پنساری نے اس طرف اشارہ کیا کہ بھلا یہ تو ہوا جن کا آپ کو قریباً دو لاکھ روپیہ دینا ہے وہ آپ کو بدوں اس کے کہ اپنا اطمینان کر لے کیسے جانے دینگے۔ اتنے میں انہیں کا آدمی آیا اور بڑے ادب سے ہاتھ باندھ کر کہنے لگا کہ میرے پاس ابھی تار آیا ہے میرے آقا فرماتے ہیں کہ مولوی صاحب کو تو جانا ہے انکے پاس روپیہ نہ ہوگا اس لیے تم ان کا سب سامان گھر جانے کا کر دو اور جس قدر روپیہ کی ان کو ضرورت ہو دیدو اور اسباب کو وہ ساتھ نہ لے جاسکیں تو تم اپنے اہتمام سے بحفاظت پہنچوا دو۔ میں نے کہا کہ مجھ کو روپیہ کی ضرورت نہیں خزانہ سے بھی روپیہ آگیا ہے اور ایک رانی نے بھی بھیج دیا ہے میرے پاس روپیہ کافی سے زیادہ ہے اور اسباب میں سب ساتھ لے جاؤں گا۔ غالباً اس وقت میرے پاس بارہ سو یا اس سے بھی کچھ زیادہ روپیہ آگیا تھا۔ وہ ہندو پنساری کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا کہ پرمیشروں کے یہاں بھی کچھ لحاظ داری ہی ہوتی ہے۔ ہم لوگ صبح سے لیکر شام تک کیسے کیسے دُکھ اُٹھاتے ہیں تب کہیں بڑی دقت سے روپیہ کا مُنہ دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔ بھلا اور تو ہوا اس احمق کو دیکھو اپنے روپیہ کا مطالبہ تو نہ کیا اور دینے کو تیار ہوگیا۔ میں نے کہا کہ خدائے تعالیٰ دلوں کو جانتا ہے ہم اس کا روپیہ انشاءاللہ تعالیٰ بہت ہی جلد ادا کر دیں گے۔ تم ان بھیدوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے بھیرہ میں پہنچکر میرا ارادہ ہوا کہ

میں ایک بہت بڑے پیمانہ پر شفاخانہ کھولوں اور ایک عالیشان مکان بناؤں۔ وہاں میں نے ایک مکان بنوایا ابھی وہ ناتمام ہی تھا اور غالباً سات ہزار روپیہ اس پر خرچ ہونے پایا تھا کہ میں کسی ضرورت کے سبب لاہور آیا اور میرا جی چاہا کہ حضرت صاحب کو بھی دیکھوں اس واسطے میں قادیان آیا۔ چونکہ بھیرہ میں بڑے پیمانہ پر عمارت کا کام شروع تھا اس لیے میں نے واپسی کا یکہ کرایہ کیا تھا یہاں آکر حضرت صاحب سے ملا اور ارادہ کیا کہ آپ سے ابھی اجازت لیکر رخصت ہوں آپ نے اثنائے گفتگو میں مجھ سے فرمایا کہ اب تو آپ فارغ ہو گئے میں نے کہا ہاں اب تو میں فارغ ہی ہوں۔ یکہ والے سے میں نے کہدیا کہ اب تم چلے جاؤ آج اجازت لینا مناسب نہیں ہے کل پرسوں اجازت لیں گے۔ اگلے روز آپ نے فرمایا کہ آپ کو اکیلے رہنے میں تو تکلیف ہوگی آپ اپنی ایک بیوی کو بلوالیں میں نے حسب الارشاد بیوی کے بلانے کے لیے خط لکھ دیا اور یہ بھی لکھ دیا کہ ابھی میں شاید جلد نہ آسکوں اس لیے عمارت کا کام بند کر دیں۔ جب میری بیوی آگئی تو آپ نے فرمایا کہ آپ کو کتابوں کا بڑا شوق ہے لہٰذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ اپنا کتب خانہ منگوالیں تھوڑے دنوں کے بعد فرمایا کہ دوسری بیوی آپ کی مزاج شناس اور پرانی ہے آپ اس کو ضرور بلالیں لیکن مولوی عبدالکریم صاحب سے فرمایا کہ مجھ کو نورالدین کے متعلق الہام ہوا ہے اور وہ شعر حریری میں موجود ہے ؎

لَا تَصْبُوَنَّ اِلَی الْوَطَنِ فِیْهِ تُهَانُ وَتُمْتَحَنُ

خدائے تعالیٰ کے بھی عجیب تصرفات ہوتے ہیں میری واہمہ اور خواب میں بھی پھر مجھے وطن کا خیال نہ آیا پھر تو ہم قادیان کے ہو گئے ؛؛

خاتمہ

مجموعۂ عطر

حضرت امیر المومنینؓ کی خود نوشت سوانح عمری کا یہ پہلا حصہ ختم کرنے کے بعد میرے دل میں خیال آیا کہ آپ کے متعلق آپ ہی کے الفاظ میں اپنی نوٹ بکوں سے مندرجہ ذیل سرخیوں کے تحت میں کچھ لکھوں مثلاً:

دعا۔ قرآن کریم کی عظمت۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت و عظمت۔ تعظیم لامر اللہ۔ شفقت علی خلق اللہ۔ توکل علی اللہ۔ غیرت اسلام۔ آپؓ کا خاص علم کلام۔ قوت ایمان۔ قرآن کریم کے درس کا شوق۔ نکات قرآنی۔ قدر علم۔ قدر دانی اہل کمال۔ کتابوں سے محبت۔ شوق کتب بینی۔ جفاکشی۔ اولوالعزمی۔ شجاعت۔ سخاوت فراست۔ دیانت و امانت۔ محبت۔ اتفاق کی قدر۔ عربی زبان سے محبت۔ رعب و ہیبت۔ بعض کرامات و خوارق۔ اپنے استادوں کی عظمت۔ مرشدوں سے محبت۔ عفو و درگذر۔ کشوف والہامات۔ مذاہب غیر پر نظر۔ جامعیت علوم۔ معرکۃ الآراء مسائل پر تسکین بخش محاکمہ۔ طرز معاشرت۔ وفاداری۔ گورنمنٹ کی وفاداری۔ ہمیشہ خوش رہنا۔ تجربات جو ہر شخص کے لیے کیمیا سے بڑھ کر ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

اور الحمد للہ میرے پاس آپ کے اس قدر کلمات طیبات محفوظ ہیں کہ میں اپنی طرف سے ایک حرف بھی لکھے بدوں مندرجہ بالا عنوانوں کے تحت میں بہت کچھ درج کر سکتا ہوں لیکن چونکہ یہ شائع ہونیوالی کتاب حضرت کی لائف کا قادیان تشریف لانے سے پہلے پہلے حالات کا حصہ یعنی پہلا حصہ ہے لہذا مذکورہ بالا باتوں کے متعلق دوسرے حصہ میں (جو قادیانی زندگی سے متعلق ہوگا) درج کرنا مناسب سمجھا گیا۔ اسجگہ اپنی نوٹ بکوں سے صرف وہ چند واقعات انتخاب کر کے لکھتا ہوں جو پہلی زندگی سے تاریخانہ تعلق رکھتے ہیں اور مسلسل سوانحعمری میں (جو حضرت نے لکھوائی ہے) مذکور نہیں ہوئے (میری نوٹ بکوں (یادداشتوں) میں بہت سے واقعات بھی

ہیں جو حضرتؓ نے اپنے سلسلہ سوانح عمری میں لکھوا دیئے ہیں ان کو ہاتھ لگانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ (وہ تاریخانہ واقعات جو قادیانی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں دُوسرے حصّہ میں نقل ہونے کے لیے میری نوٹ بکوں میں محفوظ ہیں)۔ اسطرح یہ قادیانی زندگی سے پہلے کا حصّہ ایک حد تک کامل کیے جانے کی قابل ہوجائے گا۔ ہاں مذکورہ بالا سُرخیوں کے تحت میں جو کچھ دُوسرے حصّہ میں درج ہوگا اس کو پہلی زندگی سے بھی ایسا ہی تعلق ہے جیسا قادیانی زندگی سے لیکن اسکے اندراج کے لیے دُوسرا حصّہ ہی بہتر مقام ہے۔

یہ بات پھر یاد دلائی جاتی ہے کہ حضرت امیر المومنینؓ کی لائف سے متعلق میں نے احتیاط کی ہے کہ جو کچھ لکھا جائے خود حضرتؓ ہی کے الفاظ ہوں اپنی طرف سے کچھ نہ لکھا جائے اور یہ امتیاز اس کتاب کا اپنے لیے باعث اعزاز سمجھتا ہوں الحمد للہ رب العلمین۔

میں نے یہ بھی احتیاط کی ہے کہ کسی حکایت کو اپنی یادداشتوں سے (جو بطور روزنامچہ لکھی ہوئی ہیں) نقل کرتے وقت پیشانی پر تاریخ بھی لکھدی جائے جس سے یہ معلوم ہوتا رہے کہ حضرتؓ نے یہ واقعہ کس تاریخ میں بیان فرمایا تھا اور اس سے میرے اس کام کی عظمت بھی ظاہر ہوگی جو میں حضرتؓ کے کلمات طیّبات کے محفوظ کرنے میں کما ینبغی احتیاط سے کرتا رہا ہوں۔ بحولہٖ وقوتہٖ تعالےٰ

المرتب

اہلِ خاندان - ایّامِ طفولیّت

(۸- فروری ۱۹۱۰ء در مسجد مبارک بعد نماز ظہر)

ہمارے باپ کے نہ کوئی بھائی تھا نہ بہن تھی۔ ہمارے دادا کے نہ کوئی بھائی تھا نہ بہن۔ اسی طرح ہمارے پردادا کے۔ غرضکہ ہماری گیارہ پشتوں تک ایک ہی ایک شخص ہوا ہے۔ پھر دیکھو ہم کتنے بھائی اور بہن ہوتے اور ہماری اولاد تو اور بھی زیادہ۔

(۲۳- ستمبر ۱۹۰۹ء بعد نماز عصر در مسجد مبارک)

ہم نو بھائی بہن تھے۔ میں اپنے تمام بھائی بہنوں سے چھوٹا ہوں۔ میں اپنے ماں باپ کی سب سے آخری اولاد

ہوں۔ ہمارے باپ نے ہم سب کو پڑھانے کی بجد کوشش کی۔ ہمارے ایک بڑے بھائی تھے جو ہم سب میں بڑے خوبصورت تھے۔ ہمارے باپ کے حکم کے موافق وہ مدن چند ایک جذامی کے پاس پڑھنے جاتے تھے اُسوقت فارسی زبان کا عام رواج تھا اور مدن چند فارسی کا ماہر تھا۔ شہر والوں نے کہا کہ آپ اپنے لڑکے کو کوڑھی کے پاس پڑھنے کے لیے بھیجتے ہیں؟ ہمارے باپ نے فرمایا کہ کوڑھی ہو اور عالم ہو تو جاہل تندرست سے اچھا ہے۔ ہم سب بھائی بہن بحمد للہ پڑھے لکھے تھے۔ ہماری بہنیں بھی خوب لکھ پڑھ سکتی تھیں۔ ہمارے باپ علم کے بڑے ہی قدردان تھے۔ جب ہماری سب سے بڑی بہن کی شادی ہوئی تو ہمارے باپ نے جہیز میں سب سے اوپر قرآن شریف رکھ دیا اور کہا کہ ہماری طرف سے یہی ہے۔ اُس قرآن شریف کا کاغذ حریری باریک بڑی محنت اور صرف زر سے میسّر ہوا تھا۔ جلال پور جٹاں کے مولوی نور احمد صاحب نے ستو روپیہ میں صرف لکھکر دیا جدول۔ رول۔ آیتیں بنانا۔ رنگ بھرنا۔ سونے کا پانی پھیرنا وغیرہ علاوہ۔

(دسمبر ۱۹۰۶ء در مطب)

بچوں کو مارنا اچھا نہیں اکرموا اولادکم بھی آیا ہے۔ جب شریعت نے ان کو مکلف نہیں کیا تو ہم کون جو مکلف کریں۔ اولاد کے نیک بنانے کے لیے دعائیں کرو میری اور میرے بھائی بہنوں کی تربیت زدوکوب کے ذریعہ سے نہیں ہوئی۔ میرے والدین ہم سب پر اور بالخصوص مجھ پر بہت ہی زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ ہماری تعلیم کے لیے وہ کبھی بڑے سے بڑے خرچ کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ میں نے اپنے والد یا والدہ سے کبھی کوئی گالی نہیں سُنی۔ والدہ صاحبہ جن سے ہزاروں لڑکیوں اور لڑکوں نے قرآن شریف پڑھا ہے وہ اگر کسی کو گالی دیتی تھیں۔ تو یہ گالی دیتی تھیں "محروم نہ جاویں" "نامحروم"

اپریل ۱۹۰۷ء بعد درس قبل مغرب اُس میدان میں فرش پر بیٹھے ہوئے جہاں اب دفتر بدر ہے اور اس کی مشرقی اُفتادہ زمین بوجہ طاعون بجائے مسجد کلاں وہاں ہوا تھا۔ تاریخ درج نہیں۔

میرے باپ کو چلنے کی بہت عادت تھی لیکن میں تو زیادہ دُور نہیں چل سکتا سخت گرمی اور پیاس محسوس ہونے لگتی ہے۔ میری ماں بھی بہت کم چل سکتی تھیں یہ مجھ میں انہیں کا اثر ہے۔ میری ماں پڑھی لکھی اور مذہب سے خوب واقف تھیں۔ نہایت صحیح عقائد رکھتی تھیں۔ فقہ کے بہت مسائل یاد تھے۔

(۱۵؍ مارچ ۱۹۰۷ء)

میری ماں اچھی پڑھی ہوئی اور قرآن شریف کو خوب سمجھتی سمجھاتی تھیں۔ وہ اعوان قوم سے تھیں میری بھاوج بگہ والے مشہور خاندان میں سے تھیں۔ دُودھ چھڑانے کا زمانہ مجھ کو یاد ہے۔ دُودھ چھڑانے کے بعد میری بھاوج نے مجھ کو اکثر اپنے پاس رکھا وہ مجھ کو کھلاتے اور بہلاتے ہوئے اکثر یہ کہا کرتی تھیں اَنْتَ الْھَادِیْ اَنْتَ الْحَقُّ لَیْسَ الْھَادِیْ اِلَّا ھُوْ۔

(۴؍ اگست ۱۹۰۸ء)

اللہ تعالیٰ میرے باپ پر رحم فرمائے انہوں نے مجھ کو اس وقت جبکہ مَیں تحصیل علم کے لیے پردیس کو جانے لگا فرمایا اتنی دُور جاکر پڑھو کہ ہم میں سے کسی کے مرنے جینے سے ذرا بھی تعلق نہ رہے اور تم اس بات کی اپنی والدہ کو خبر نہ کرنا۔

(۸؍ فروری ۱۹۱۰ء)

مَیں اپنے ماں باپ کے لیے دُعا مانگنے سے تھکتا نہیں۔ مَیں نے ابتک کوئی جنازہ ایسا نہیں پڑھا جس میں اُن کے لیے دُعا نہ مانگی ہو۔

خدائے تعالیٰ رحم کرے میری والدہ پر انہوں نے اپنی زبان میں عجیب عجیب طرح کے نکاتِ قرآن مجھکو بتائے۔ منجملہ اُن کے ایک یہ بات تھی کہ تم اللہ تعالیٰ کی جس قسم کی فرمانبرداری کروگے اسی قسم کے انعامات پاؤ گے اور جس قسم کی نافرمانی کروگے اُسی قسم کی سزا پاؤ گے ؎ از مکافاتِ عمل غافل مشو ٭ گندم از گندم بروید جو ز جو ھَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔ ؎

از مذاہب مذہب دہقان قوی اے مولوی ٭ مذہب دہقان چہ باشد ہرچہ کشتی بدروی

وہ اکثر فرمایا کرتی تھیں "جو آگ کھائیگا انگارے ہگے گا"۔

(۹۔ اپریل ۱۹۱۲ء)

مَیں نے اپنے ماں اور باپ کو ترش رو کبھی نہیں دیکھا حالانکہ مَیں عبدالحیٔ پر کبھی خفا بھی ہوجاتا ہوں۔

(۸۔ جون ۱۹۰۹ء بعد نماز عصر قبل درس۔ در مسجد مبارک)

میری ماں کو قرآن کریم پڑھانے کا بڑا ہی اتفاق ہوتا تھا انہوں نے تیرہ برس کی عمر سے قرآن شریف پڑھانا شروع کیا تھا چنانچہ یہ ان کا اثر ہے کہ ہم سب بھائیوں کو قرآن شریف سے بہت ہی شوق رہا ہے۔

(۷۔ مئی ۱۹۰۹ء)

میرے والد صاحب کو بھینس رکھنے کا بڑا شوق تھا۔ اُنہوں نے اُس کے چرانیوالے کو تاکید کر دی تھی کہ ہماری بھینس کا دُودھ نہ دوہا کر ہم تجھ کو اُجرت زیادہ دیدیں گے لیکن وہ ایک دن دُودھ دوہتا ہوا دیکھا گیا۔ تب کہنے لگا حضور میرا بیٹا مر گیا ہے آج اس کی جمعرات ہے میں نے بہت سوچا۔ پھر یقین ہو گیا آپ کی بھینس طیب حلال ہے اسی کا دُودھ اس کی فاتحہ میں دُوں۔

(۲۷۔ اکتوبر ۱۹۰۸ء بروز عید بعد نماز ظہر جبکہ سب لوگ چلے گئے مسجد مبارک میں اس عاجز (اکبر) کو جو خدمت میں حاضر تھا مخاطب کر کے فرمایا)

ایک دن ہم اپنے گھر بھیرہ میں تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ رُوم وُرُوس میں لڑائی ہو رہی تھی اور ہندوستان میں روز خبریں مشہور ہوا کرتی تھیں۔ رات کا وقت تھا ہمارے گھر میں ہم سات بھائی اور دو بہنیں اور دونوں ماں باپ تھے۔ پھر ہر ایک بھائی کی غالباً پانچ پانچ چھ چھ اولاد تھی۔ سوائے میرے سب کی شادیاں ہو چکی تھیں گھر خوب بھر رہا تھا۔ میں نے اپنی ماں سے کہا کہ روز خبریں آ رہی ہیں کہ آج اس قدر آدمی مارے گئے آج اسقدر مارے گئے۔ آخر وہ مارے جانے والے کسی کے بیٹے اور بھائی ضرور ہوتے ہوں گے۔ دیکھو ہمارے گھر میں تو ہر طرح امن و امان ہے اور کوئی فکر نہیں۔ بس آپ اپنی اولاد میں سے ایک بیٹے کو یعنی مجھ کو خدا تعالےٰ کی راہ میں قربان کر دیجئے میری شادی بھی نہیں ہوئی نہ بیوی ہے نہ بچے۔ یہ سنکر میری ماں نے کہا کہ میرے سامنے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ غرض میں خاموش ہو رہا۔ اب سنو! تھوڑے ہی دنوں کے بعد ہمارے بھائی مرنے شروع ہوئے۔ جو مرتا اس کی بیوی جو اس کے ہاتھ آتا لیکر گھر سے نکل جاتی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یہ باقی بھائی قبضہ کر لیں گے اور اسباب میرے قبضہ میں نہ رہے گا۔ رفتہ رفتہ سب مر گئے اور سارا گھر خالی ہو گیا۔ جبکہ میرا تعلق ریاست جموّں سے تھا میں ایک دفعہ گرمیوں کے موسم میں اپنے مکان پر آیا۔ وہاں میں اُس جگہ جو ہمارے مشترکہ خزانہ کی کوٹھڑی گھر کی عام نشستگاہ کے قریب تھی دوپہر کے وقت سو رہا تھا۔ میری والدہ قریب کے کمرہ میں آئیں

انہوں نے اس قدر زور سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا کہ میری آنکھ کھل گئی میں نے اُن سے کہا کہ صبر کے کلمہ کو تو اس قدر بے صبری کے ساتھ نہیں کہنا چاہیے۔ پھر میں نے اُن سے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ تمام گھر اب ویران اور خالی کیوں پڑا ہے؟ کہا کہ ہاں مجھ کو وہ تیری اُس روز رات کی بات خوب یاد ہے۔ اسی کا یہ اثر ہے اور مجھ ہر ایک بیٹے کی موت کے وقت وہ بات یاد آتی رہی ہے۔ پھر میں نے کہا کہ اور بھی کچھ سمجھ میں آیا؟ کہاں کہ ہاں میں جانتی ہوں کہ میرا دم تیرے سامنے نہ نکلے گا۔ بلکہ میں اس وقت مروں گی جبکہ تو یہاں نہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور قاضی امیر حسین نے جو اس وقت موجود تھے کفن دفن کا کام انجام دیا۔ میں اس وقت جموں میں تھا اسکا سبب یہ تھا کہ انہوں نے چاہا تھا کہ نورالدین ہمارے کفن دفن میں شریک ہو اور ہم اس کے سامنے فوت ہونگے۔

(۵۔ جنوری ۱۹۰۷ئ در مطب)

میں سفر میں جانے لگا تو ایک بزرگ کی بات یاد آئی جس نے کہا کہ جس شہر میں جاؤ وہاں چار شخصوں یعنی ایک وہاں کے پولس افسر۔ ایک طبیب۔ ایک اہلِ دل۔ ایک امیر سے ضرور ملاقات رکھنا۔ اور جس شہر میں یہ چاروں نہ ہوں وہاں جانا نہ چاہیے۔

(۸۔ جون ۱۹۰۹ئ)

میرے بھائی مولوی سلطان احمد صاحب جو بڑے عالم متبحر تھے ہرنپور کو جا رہے تھے راستہ میں کسی گاؤں میں تھوڑی دیر کے لیے کسی درخت کے نیچے ٹھہرے تو دیکھا کہ وہاں بہت سے جاہل مسلمان جمع ہیں اور بڑے زور شور کی بحث اس بات پر ہو رہی تھی کہ مُسلمان کیا ہوتے ہیں اور مسلین کیا ہوتے ہیں۔ بھائی صاحب حیران تھے۔ فرماتے تھے کہ میں سوچتا تھا کہ مُسلمانوں کی جہالت کہاں تک پہنچ گئی ہے اور یہ اپنی اسی حالت میں خوش ہیں۔

(مئی ۱۹۰۹ئ)

بھیرہ کی جامع مسجد میں میرے بڑے بھائی مولوی سلطان احمد صاحب وعظ بیان فرما رہے تھے میری اس وقت بہت چھوٹی عمر تھی مجھ کو یاد ہے کہ انہوں نے اپنے بیان میں کسی موقعہ پر یہ حدیث پڑھی اَلدُّنیَا جِیفَۃٌ وَّ طَالِبُھَا کِلَابٌ اور اس کا ترجمہ بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہاں بجائے کلاب کے غراب کیوں نہ فرمایا کوا بھی تو مُردار خور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کتے کو کتنی ہی بڑی مقدار میں اُس کی ضرورت سے زیادہ مُردار ملجائے پھر بھی وہ دوسرے کُتے کو دیکھکر غراتا ہے اور پاس نہیں آنے دیتا لیکن کوے میں یہ بات نہیں وہ مُردار دیکھکر شور مچاتا اور اپنے تمام ہم قوموں کو خبر کر دیتا ہے۔ کتے میں قومی ہمدردی نہیں اور کوے میں اپنی قوم کی

بہت ہے۔ اسی وجہ سے کتے کو زیادہ ذلیل ٹھہرایا گیا۔

(۲۱۔ستمبر ۱۹۰۸ء)

عبدالرحمٰن کے باپ ہمارے ایک بھائی تھے وہ جب ڈیرہ غازیخاں کی طرف گئے تو وہاں سُنا کہ ایک نواب صاحب رمضان میں روزہ نہیں رکھتے اور کھانا بھی سب کے سامنے باہر بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ انہوں نے کہا تو ہم ابھی اس حرکت سے اس کو روکے دیتے ہیں۔ چنانچہ یہ گئے۔ اُس کو دیکھا کہ اُس نے پانی پی کر الحمدللہ کہا۔ انہوں نے کہا استغفراللہ آپ تو مُسلمان ہیں۔ لوگ خواہ مخواہ بازار میں چرچا کر رہے ہیں کہ نواب صاحب کرسٹان ہوگئے کیونکہ رمضان شریف کی حُرمت نہیں فرماتے کھلے طور پر باہر مردانہ میں کھانا کھاتے ہیں۔ اُس نے اپنے ملازموں سے کہا کہ تم نے مجھ کو خبر بھی نہیں کی کہ رمضان آگئے واقعی رمضان کا ضرور ادب کرنا چاہیے پھر اس نے رمضان میں باہر کھانا نہیں کھایا۔

(۸۔نومبر ۱۹۰۹ء)

میری ایک بہن تھیں ان کا ایک لڑکا تھا وہ ہیضہ کے مرض میں مبتلا ہوا اور مرگیا۔ اُس کے چند روز بعد میں گیا۔ میرے ہاتھ سے اُنہوں نے کسی ہیضہ کے مریض کو اچھا ہوتے ہوئے دیکھا۔ مجھ سے فرمانے لگیں کہ بھائی تم اگر آ جاتے تو میرا لڑکا بچ ہی جاتا۔ میں نے اُن سے کہا کہ تمہارے ایک لڑکا ہوگا اور میرے سامنے ہیضہ کے مرض میں مبتلا ہو کر مریگا۔ چنانچہ وہ حاملہ ہوئیں اور ایک بڑا خوبصورت لڑکا پیدا ہوا۔ پھر جب وہ ہیضہ کے مرض میں مبتلا ہوا ان کو میری بات یاد تھی مجھ سے کہنے لگیں کہ اچھا دُعا ہی کر دو میں نے کہا کہ خدائے تعالیٰ آپ کو اس کے عوض میں ایک اور لڑکا دیگا لیکن اس کو تو اب جانے ہی دو۔ چنانچہ وہ لڑکا فوت ہوگیا اور اسکے بعد ایک اور لڑکا پیدا ہوا جو زندہ رہا۔ ابتک زندہ برسرروزگار ہے۔ یہ الٰہی غیرت تھی۔

(جنوری ۱۹۰۷ء در درس حدیث)

میرا حافظہ کچھ اس قدر تیز ہے کہ مجھے دُودھ چھوڑنا بھی یاد ہے۔ میری ماں نے جب اپنی چھاتی پر کچھ لگایا ہے تو میں نے اپنے بڑے بھائی سے کہا تو اہے۔

(۱۱۔فروری ۱۹۱۰ء)

مجھ کو اپنے سِن تمیز سے بھی پہلے کتابوں کا شوق ہے۔ بچپنے میں جلد کی خوبصورتی کے سبب کتابیں جمع کرتا تھا۔ سِن تمیز کے وقت میں نے کتابوں کا بڑا انتخاب کیا اور مفید کتابوں کے جمع کرنے میں بڑی کوشش کی۔

(۲۲۔ اپریل ۱۹۱۲ء)

میں نے کبھی کوئی کھیل نہیں کھیلا۔ میں نے صرف ایک ہی کھیل کھیلا ہے اور وہ تیرنا ہے۔ مجھ کو تیرنا خوب آتا ہے بعض اوقات میں بڑے بڑے عظیم الشان دریاؤں میں بھی تیرتا تھا۔

(۱۳۔ فروری ۱۹۱۲ء)

میرے سامنے میرے ساتھ کھیلنے والے لڑکوں نے کبھی کوئی گالی نہیں دی بلکہ مجھ کو دُور سے دیکھ کر آپس میں کہا کرتے تھے کہ یارو سنبھل کر بولنا۔

(۱۰۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء)

سمت ۱۹۰۳ کی بات ہے جس کو اب قریباً ۶۶ برس گذر گئے ہوں گے مجھ کو اس طرح یاد ہے۔ جیسے ایک اور ایک دو کہ ایک مردانہ نام چاوہ کا ڈاکو تھا، سکھوں کا عہد تھا اس کو پکڑ کر اُس کا سر اُڑا دیا گیا تھا ہمارے شہر میں جیتی پُل دروازہ پر اُس کا سر لٹکا دیا تھا چونکہ وہ بڑا ڈاکو تھا اس کو سب دیکھنے کے لیے گئے میں بھی گیا تھا یہ یاد نہیں کہ میں خود گیا یا کوئی لے گیا میں بڑے گھمسان میں کھڑا ہوا اس کو دیکھ رہا تھا۔

(۵۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء)

ایک مرتبہ جبکہ میں بچہ تھا ایک مولوی نے کہا کہ تم بھی ختم میں چلو۔ میں چلا گیا وہاں لوگ قرآن شریف پڑھ رہے تھے میں نے بھی ایک پارہ لیا۔ ابھی میں نے آدھا ہی پڑھا تھا کہ بعض نے دو بعض نے چار پڑھ لیے قریب سے ایک نے غصّہ کیسا تھ مجھ سے پارہ لیا اور کہا کہ تم نہیں جانتے لاؤ میں پڑھ دوں اُس نے لے کر ویسے ہی ورق اُلٹنے شروع کر دیئے اور جھٹ پارہ ختم کر کے رکھ دیا۔

(۲۳ جنوری ۱۹۰۹ء بعد مغرب)

ہم مکتب میں پڑھا کرتے تھے ایک دفعہ ہمارے اُستاد نے ہم کو مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے بھیجا۔ ہم میں ایک لڑکا تھا اُس نے وضو کر لینے کے بعد سب کو مخاطب کر کے کہا یارو کیسی نماز! ؟ کون نماز پڑھتا ہے۔ یہ کہکر اُس نے اپنی پیشانی ایک کچی دیوار سے رگڑی مٹی کا نشان ماتھے پر نظر آنے لگا جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ مسجد میں نماز پڑھ کر آیا ہے اس نے ہم سب کو نماز نہ پڑھنے اور جھوٹ بولنے کی ٹکل سکھائی پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بڑا نامی گرامی چور ہوا اور ہمارے شہر کے تمام چوروں اور بدمعاشوں میں اس کا نمبر سب سے اوّل تھا ایک مرتبہ وہ ایک قلعہ کی دیوار سے کُودا اور اس کو قید کی سخت تکلیف اُٹھانی پڑی۔ میری اس نصیحت کو یاد

رکھو کہ ، از دل سے پڑھو۔

(۶۔ جنوری ۱۹۱۲ء)

میں جب بچہ تھا تب مجھ کو ایک کتاب پڑھائی گئی تھی جس میں لکھا تھا کہ ؎

شب چو عقد نماز بربندم　　چہ خورد بامداد فرزندم

یہ کوئی ساتویں صدی کی بات ہے۔ اب تو چودھویں صدی ہے میں کبھی اس آیت کو پڑھا کرتا ہوں کہ اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ وَالنَّھَارَ مُبْصِرًا اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ اور پھر تعجب کے ساتھ اس شعر کو پڑھتا ہوں رات کے وقت بھی دنیا کے تفکرات کو نہ چھوڑنا فضول ہے مومن کو چاہیے کہ رات کو سکون کرے۔

(۷۔ مارچ ۱۹۱۲ء)

ہمارے شہر میں ایک بڑا پہلوان عظیم شاہ آیا۔ ہمارے ایک دوست نجم الدین کے بھائی نے ہم سے کہا کہ آؤ اکھاڑے میں چلیں کشتی لڑیں گے ہم جب وہاں پہنچے تو میں نے دیکھا کہ عظیم شاہ پہلوان پاؤں آسمان کی طرف اُٹھائے ہاتھوں سے چل رہا ہے مجھ کو یہ نظارہ دیکھ کر بڑی نفرت ہوئی کہا اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْھِہٖ ہمارے دوست تو لنگوٹا باندھ کر دھڑام سے اکھاڑے میں داخل ہوئے اور میں وہاں سے چلا آیا۔

۱۰۔ نومبر ۱۹۰۸ء

مجھ کو بچپنے میں شوق تھا کہ اس دریا پر جو ہمارے شہر کے قریب ہے جا کر بہت تیرتا تھا۔ میں نے سردیوں کے موسم میں ایک مرتبہ اُس دریا کے قریب ایک فقیر کو ننگے بدن صرف ایک کھال کے اوپر بیٹھے ہوئے دیکھا میں اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور اس سے دریافت کیا کہ تم کو سردی کیوں نہیں معلوم ہوتی۔ اس نے کہا کہ سنکھیا کھاتا رہتا ہوں اور اور بھی گرم چیزیں استعمال کرتا ہوں۔ جلد پر راکھ ملتے ملتے ایک تہ جم گئی ہے۔ جلد کے مسامات بھی بند ہو گئے ہیں اس لیے سردی نہیں معلوم ہوتی۔ اس قسم کے لوگوں کا خدائے تعالےٰ کے حصول اور تقرب کے متعلق کوئی مدعا نہیں ہوتا۔

(۹۔ اپریل ۱۹۱۲ء)

میں مدرسہ میں پڑھنے جایا کرتا تھا اُس کے راستہ میں ایک شخص بٹیر لڑایا کرتا تھا۔ میں نے وہ اُس سے خرید لیا۔ گھر لایا تو بڑا خراب تھا۔ میں اُس کے پاس لے گیا اُس نے کہا کہ تم نے خراب کر دیا ہے۔ دوسرا لے جاؤ۔

وہ بھی بڑا تیز معلوم ہوتا تھا مگر جا کر وہ بھی بہت خراب تھا۔ ایک شخص نے مجھ کو بتایا کہ یہ لوگ شراب پلا کر ان کو ایسا بنا دیتے ہیں۔ وہ شخص اب بھی میرا ادب کرتا ہے مَیں اس کو بھی اپنا استاد ہی سمجھتا ہوں۔ کہ اس نے مجھے بتا دیا کہ دھوکوں سے بچو۔

(۳۰- مئی ۱۹۰۹ء)

جب مَیں راولپنڈی میں آیا تو ہمارے مکان کے قریب ایک انگریز الگزنڈر کی کوٹھی تھی ایک شخص مجھ کو وہاں لے گیا۔ اس نے میزان الحق اور طریق الحیواۃ دو کتابیں بڑی خوبصورت چھپی ہوئی مجھ کو دیں۔ مَیں نے ان کو خوب پڑھا مَیں بچہ ہی تھا لیکن قرآن کریم سے اُس زمانہ میں بھی مجھ کو محبّت تھی۔ مجھ کو وہ دونوں کتابیں بہت لچر معلوم ہوئیں۔ اس وقت ان کے رُوح القدس کو بھی نہیں جانتا تھا۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ خدائے تعالیٰ سے دُعائیں مانگنے والے مباحثات میں کبھی عاجز نہیں ہوتے۔

(۲۰- مئی ۱۹۰۹ء)

ہمارے خاندان کی ایک عورت بیوہ ہو گئی۔ اُس نے کسی شخص سے شادی کرنی چاہی۔ اُس شخص نے جس کے ساتھ شادی ہونے والی تھی مجھ کو لکھا کہ کیا آپ خوشی سے اجازت دیتے ہیں کہ مَیں اس سے شادی کر لوں۔ مَیں نے کہا ہاں بڑی خوشی سے۔ اور بڑی مبارک کی بات ہے۔ وہ پڑھ کر حیران رہ گیا کہ دیکھو انہوں نے اپنی عزّت کا خیال نہیں کیا۔ مَیں نے کہا اس شخص کو جس کی یہ بیوی تھی جب خدا تعالےٰ نے مار دیا تو اب خدائے تعالیٰ کی مرضی ہی یُوں تھی۔

(۱۵- اکتوبر ۱۹۰۸ء)

حکیم فضل الدین میرے نہایت بچپنے کے دوست ہیں جبکہ ہمارے شہر میں کوہاٹ کے علاقہ سے محمد حجی نام ایک مولوی آ کر وعظ کیا کرتے اور ہم دونوں بڑے شوق سے اُن کا وعظ سُننے جایا کرتے۔

متعلق بہ اہل و عیال

(۲۲۔ مئی ۱۹۰۹ء)

میرا نکاح جب ہونے لگا تو میرے اُستاد جو نکاح پڑھانے والے تھے میں نے اُن سے کہا کہ مہر مجھ کو تو ادا کرنا پڑیگا۔ آپ کو تو ادا کرنا پڑیگا نہیں۔ عورتوں میں ایک شور مچ گیا کہ لڑکا بول پڑا۔ ہمارے اُستاد صاحب بھی ناراض ہوگئے۔ عورتیں بھی ناراض ہوگئیں لیکن میں نے تو پانسو روپیہ سے زیادہ منظور نہیں کیا۔

(۱۶۔ مئی ۱۹۰۹ء در مسجد مبارک)

میری تین بیویاں ہوئیں جن میں دو آپس میں لڑتی بھی تھیں۔ میں نے اس بات کے معلوم کرنے کی کہ لڑائی کی بنیاد کیا ہے بہت کوشش کی لیکن بعض بعض باتوں کا مجھ کو آج تک بھی پتہ نہیں چلا۔ جب اپنے گھر کے متعلق اور اپنے متعلق واقعہ کی یہ حالت ہے تو دوسرے واقعات اور تاریخ پر کیا اعتماد ہوسکتا ہے۔

(۸۔ جون ۱۹۰۹ء بعد نماز عصر قبل از درس در مسجد مبارک)

میری بیوی کو جب میرے لڑکے محمد احمد کا حمل ہوا تو میں نے اس سے کہا کہ تم لکھا بہت کرو۔ مدعا اس سے یہ تھا کہ تجربہ کروں یہ بچہ لکھنے کا شوقین ہوگا یا نہیں چنانچہ جس وقت محمد احمد کے انتقال کا زمانہ قریب تھا میں نے ایک قلم لیا اور ایک روپیہ لیا دونوں اس کے سامنے کئے اُس نے ہر مرتبہ قلم ہی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

(۱۴۔ جون ۱۹۰۹ء)

میری نئی نئی شادی ہوئی تھی میری بیوی کی عمر چھوٹی تھی۔ میرے ایک دوست تھے انہوں نے کہا کہ ہماری بیوی تمہاری بیوی سے ملاقات کرنا چاہتی ہے۔ میں نے کہا کہ شوق سے وہ آئیں۔ چنانچہ وہ آئی میری بیوی کو دیکھتے ہی ایک بڑا ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا کہ ہائے تیری تو قسمت پھوٹ گئی۔ تو تو ابھی بچی ہے اور تیرے ماں باپ اور بھائیوں نے مولوی صاحب کے ساتھ تیری شادی کردی جو تیرے باپ کے ہم عمر ہیں۔ میں نے تو اپنی بیٹی کی شادی ایک نہایت خوبصورت اور جوان شخص کے ساتھ کی ہے۔ میری بیوی نے مجھ سے کہا کہ یہ کون عورت ہے۔ میں نے کہا کہ ہمارے ایک دوست کی بیوی ہے۔ میری بیوی نے کہا کہ یہ مجھ سے ایسا ایسا کہتی

ہے اور اس کی سب باتیں اس کے سامنے ہی نقل کردیں۔ وہ سنتے ہی فوراً وہاں سے چل دی مجھ کو کچھ کہنے کی نوبت بھی نہ پہنچی۔ اس کی لڑکی کی جس شخص سے شادی ہوئی تھی یعنی اس کا داماد تپ دق سے جلد مرگیا۔ پھر دوسرے کے ساتھ شادی کی چند روز کے بعد قریباً ایک ہزار روپیہ دیکر اس سے طلاق حاصل کی۔ اب بھی وہ لڑکی موجود ہے۔ قرآن کریم میں اسی واسطے علی العموم عورتوں کو گھروں میں آنے سے روکا گیا ہے۔ دیکھو سورۂ نور۔

(۹ اگست ۱۹۰۸ء)

لدھیانہ میں میری اس موجودہ بیوی کے کان میں درد ہوا ایک عیسائی ڈاکٹرنی کو بُلایا اس نے علاج کیا۔ آرام ہو گیا۔ چونکہ اُس نے بہت خدمت کی تھی لہٰذا وہ بڑی دوست بن گئی اور روزانہ آنا جانا شروع کیا ایک روز اس نے کہا بیوی تمہارا مذہب اسلام تو بہت اچھا ہے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ دو بیویاں کیوں کر لیتے ہیں چونکہ میری بڑی بیوی زندہ تھی لہٰذا ڈاکٹرنی کی بات کا میری اس چھوٹی بیوی کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ پھر ایک دن وہ اپنی کوٹھی میں بطور سیر لے گئی اور پردہ کے متعلق اعتراض کیا میری بیوی اس کا جواب نہ دے سکی۔ اس کے بعد میں لدھیانہ گیا بیوی کو ہمراہ لیکر مالیر کوٹلہ پہنچا۔ وہاں ایک عیسائی عورت کے نام جو مالیر کوٹلہ کے ولیعہد کی اتالیق تھی اُسی لدھیانہ والی ڈاکٹرنی کی چٹھی آئی۔ جس میں میری بیوی کے مالیر کوٹلہ آنے اور اس سے ملاقات کرنے کی بابت اشارہ تھا۔ مجھ کو اس کا حال معلوم ہوگیا میں نے اپنی بیوی سے دریافت کیا کہ تمہاری کسی عیسائی عورت سے لُدھیانہ میں ملاقات ہوئی تھی؟ اُس نے کہا کہ ہاں ایک مس ڈاکٹرنی سے کان کے درد کا علاج کرایا تھا اور تمام قصہ سُنایا۔ میں نے ہر چند نصیحت کی مگر تعدد ازدواج کے متعلق میری بیوی کی تشفی نہ ہوئی۔ میں نے دُعائیں کیں جس کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ ایک ناول کسی نے میرے پاس اسی عرصہ میں بھیجا جس کا نام شاید "فلورا فلورنڈا" تھا وہ میری بیوی نے دیکھا اور اول سے آخر تک بغور پڑھا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ میری بات کو بھی مان گئی اور اسی روز سے اس کو عیسائی عورتوں سے اب نہایت سخت نفرت ہے وہ ناول عبدالحلیم شرر کا تھا۔

(۱۸۔ مئی ۱۹۱۲ء)

میں نے جب سے شادیاں کی ہیں آج تک اپنی کسی بیوی کا کوئی صندوق کبھی ایک مرتبہ بھی کھول کر نہیں دیکھا۔

(۱۷۔ دسمبر ۱۹۱۱ء)

میں ایک مرتبہ ایک عیسائی عورت سے شادی کرنے لگا تھا لیکن صرف پردہ کے مشکلات کے باعث باز رہا۔

(۱۰۔ نومبر ۱۹۱۰ء)

میرے بہت سے لڑکے مرے جب کوئی لڑکا مرتا تو میں یہی سمجھتا کہ اس میں کوئی نقص ہو گا خدا تعالیٰ اس سے بہتر بدلہ دیگا۔ خدائے تعالیٰ کی نعمتوں سے مایوس ہونا تو کافروں کا کام ہے۔ خدا تعالےٰ کی نعمتوں کی جب قدر نہیں کی جاتی تو وہ نعمتیں چھن جاتی ہیں اللہ تعالےٰ کی نعمتیں جاتی ہی نہیں مگر ناشکری سے جب نعمت چلی جائے تو آدمی مایوس نہ ہو۔

(۴ مارچ ۱۹۰۹ء)

میرے بچے جب مرے تو میرے دل میں یہی ڈالا گیا کہ اگر تم مرتے تب بھی یہ تم سے جُدا ہو جاتے۔

(۲۰ اکتوبر ۱۹۱۲ء)

مجھ کو شاہ ولی اللہ صاحب کا فارسی ترجمہ قرآن کریم کے تمام ترجموں میں پسند ہے میں نے ایک مرتبہ اپنی لڑکی امامہ کو وہ پڑھانا چاہا اس لیے اوّل اُس کو فارسی پڑھانی شروع کی۔ وہ لڑکی بڑی ہی ذہین اور پڑھنے لکھنے میں بہت ہوشیار تھی۔ میں نے اُس کو اوّل کریما شروع کرائی۔ میں خود ہی اُس کو پڑھایا کرتا تھا ایک دن سبق میں آیا کہ ؏

بدہ ساقیا آب آتش لباس

اب میں حیران تھا کہ اس کو کس طرح پڑھاؤں میں نے کہا امامہ آج تو رہنے دو سبق کل پڑھائیں گے اگلے روز میں نے وہ آب آتش لباس والا ورق پھاڑ دیا اور اس طرح پھاڑا کہ یہ بھی معلوم نہ ہو کہ کوئی ورق علیحدہ کیا گیا ہے لیکن جب وہ پڑھنے بیٹھی تو کہنے لگی کہ وہ آتش لباس والا ورق کہاں گیا پھر اس نے ورق پھاڑنے والے کو بہت بُرا بھلا کہا۔ غرض میں نے آب آتش لباس والے ورق کے سوا کریما اُس کو پڑھائی۔ اس کے بعد نہ گلستان اس قابل تھی نہ بوستان کہ اس کو پڑھاتا۔ انوار سہیلی ان سے بھی بدتر نکلی۔ جب کوئی کتاب نہ ملی تو مجبوراً میں نے کہا کہ تم شاہ ولی صاحب کا ترجمہ ہی پڑھو۔

عہدِ جوانی ۔ طلبِ علم

(۱۵۔ مارچ ۱۹۱۰ء)

میں ایک مرتبہ آگرہ سے بھوپال پیادہ پا گیا اور معلوم بھی نہ ہوا۔ اب تو نواب صاحب کی کوٹھی تک جانے سے کئی دن تک تکان کا اثر باقی رہتا ہے۔

(۲۹۔ اکتوبر ۱۹۱۰ء)

میں جوانی کے عالم میں جبکہ جہلم کا دریا خوب چڑھا ہوتا تھا تیر کر پار چلا جاتا تھا۔

(۱۷۔ مارچ ۱۹۱۲ء بعد نماز ظہر)

قویٰ مختلف ہوتے ہیں۔ میں زمانہ طالب علمی میں کئی کئی وقت تک کھانا نہیں کھاتا تھا اور کوئی ضعف و نقاہت قطعاً محسوس نہیں ہوتا تھا۔

(۱۱۔ مئی ۱۹۰۹ء بعد نماز ظہر)

میں نے حج میں اکیلے دو مرتبہ سات سات دفعہ طواف کر کے دو دو رکعتیں پڑھیں یہ خدائے تعالیٰ کا فضل ہے ورنہ یہ موقع کسی کو بڑی مشکل سے مل سکتا ہے بلکہ نہیں ملتا مطاف میں دن رات ہر وقت ہی خدائے تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے۔ دُنیا میں کوئی جگہ نہیں جہاں اس کثرت سے ہر وقت خدائے تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہو پس نزولِ رحمت جس قدر وہاں ہوتا ہے دُوسری جگہ ہو ہی نہیں سکتا۔

(۱۶۔ فروری ۱۹۱۲ء)

میرے استاد نے مجھ سے کہا کہ تم قانون (قانون شیخ) کس طرح پڑھو گے؟ میں نے کہا کہ میں تو قرآن شریف پڑھ سکتا ہوں قانون کی کیا حقیقت ہے۔

(۲۷۔ مئی ۱۹۰۹ء)

یہ بھی ایک شرک ہے کہ آدمی ڈپلومے یا سند پر بھروسہ کرے ایک مرتبہ ایک شخص نے جو افسر مدارس تھا اور پہلے پنڈ دادنخاں میں مدرس تھا مجھ سے کسی بات پر کہا آپ کو ڈپلومے کا گھمنڈ ہے۔ میں نے اپنے آدمی سے کہا ڈپلومہ لاؤ جس کو یہ خدا سمجھے ہوئے ہے وہ ہمارے پاس بھی ایک ہے۔ منگا کر اسی وقت اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

وہ آدمی بڑا حیران ہوا۔ مجھ سے کہا آپکو کوئی خوشی ہے؟ مَیں نے کہا نہیں۔ کہا کوئی رنج ہے؟ مَیں نے کہا نہیں۔ آپ نے اسکو باعثِ غرور و تکبر و موجب روزی سمجھا ہے۔ مَیں نے اس کو پارہ کر کے دکھایا ہے کہ میرا ان چیزوں پر بحمد اللہ بھروسہ نہیں۔

(۲۔ نومبر ۱۹۱۰ء)

مَیں نے بائبل۔ دساتیر۔ وید وغیرہ تمام مذاہب کی کتابیں پڑھی بھی ہیں سُنی بھی ہیں۔ مجھ کو سب سے زیادہ قرآن کریم ہی کی عظمت نظر آئی اور کوئی چیز بھی گمراہی کا موجب نہیں ہو سکی۔ فَالحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِین۔

(۲۔ نومبر ۱۹۱۲ء)

مَیں نے عنفوانِ شباب میں لوگوں کو بہت نصیحت کی ہے۔ ایک شخص کو مَیں نے بہت نصیحت کی تو وہ چیخ مار کر رونے لگا۔ مَیں نے کہا روتے کیوں ہو کہا تمہاری باتیں زبان کو تو خاموش کیے دیتی ہیں لیکن دل نہیں مانتا۔ اسی طرح ایک شخص کو مَیں نماز کے لیے بار بار کہتا تھا۔ مَیں نے ایک اور شخص سے کہا کہ تم اس کو نماز کے لیے نصیحت کرو۔ جب اس نے نماز کے لیے کہا تو اس بے نماز نے اس کو جواب دیا کہ نماز تو ہم پڑھتے مگر نورالدین ہم کو نماز نہیں پڑھنے دیتا کیونکہ ہم نے عہد کیا ہے کہ جو نورالدین کہے گا وہ نہ کریں گے۔ اُس شخص نے مجھ سے آکر کہا کہ تم اُس کو یہ کہو کہ نماز نہ پڑھ تو پھر وہ پڑھنے لگے گا۔ مَیں نے کہا کہ ممکن ہے وہ یہ کہدے کہ ساری عمر تو ہم نے تمہاری بات مانی نہیں لاؤ یہ ایک بات تو مان لیں۔ اِس لیے مَیں تو ڈر ہی گیا اور چُپ ہو رہا۔

(۱۲۔ جنوری ۱۹۱۰ء قبل مغرب در مسجد مبارک)

مَیں نے حضرت خواجہ شاہ سلیمان صاحب تونسوی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت شاہ غلام علی صاحب اور صحابہؓ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو ایک عالم میں خود دیکھا ہے۔ حضرت شاہ سلیمان صاحب بائیس برس کے تھے جب خلیفہ ہوتے اور پورے ۸۰ برس خلافت کی۔ سو برس کی عمر پائی۔ شاہ سلیمان صاحب قوم سے پٹھان روہیلے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ فقیہہ محدث اور حکیم صوفی ہیں شاہ غلام علی صاحب بٹالہ کے باشندہ سید تھے۔

(۲۶۔ جنوری ۱۹۱۰ء بعد نماز فجر)

مَیں نے دُنیا کے جملہ مذاہب کی کتابیں پڑھی اور سُنی ہیں ژند۔ پاژند۔ سفرنگ۔ دساتیر۔ بائبل۔ وید۔ گیتا وغیرہ کتابوں پر بہت ہی غور کیا ہے دُنیا کی تمام کتابوں کی اچھی باتوں کا خلاصہ اور بہتر سے بہتر خلاصہ قرآن کریم ہے۔ مولانا مولوی فضل الرحمان صاحب گنج مرادآبادی کے ملفوظات میں مَیں نے پڑھا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ ہم نے

مولانا شاہ عبدالقادر صاحب سے دو سو برس پہلے کا ایک تہا کا ترجمہ دیکھا ہے جس میں اللہ کا ترجمہ من موہن لکھا تھا۔ مجھ کو تو بڑا شوق ہوا کہ اُس ترجمہ میں بڑے بڑے مفید الفاظ ہوں گے۔ مگر ملا نہیں۔

(یکم جنوری ۱۹۰۶ء)

میں نے بہت روپیہ۔ محنت۔ وقت خرچ کر کے احادیث کو پڑھا ہے اور اس قدر پڑھا ہے کہ اگر بیان کروں تو تم کو حیرت ہو۔ ابھی میرے سامنے کوئی کلمہ حدیث کا۔ ایک قرآن کریم کا ایک کسی اور شخص کا پیش کر دیں بتا دونگا کہ یہ قرآن کا ہے یہ حدیث کا اور یہ کسی معمولی انسان کا۔

(یکم جنوری ۱۹۰۷ء)

مجھ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ایک مرتبہ خواب میں فرمایا کہ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ بہت پڑھا کرو۔

(۲۲ مئی ۱۹۰۹ء بعد ظہر)

میں نے ایک مرتبہ ایک جگہ ڈ[illegible] کی نوکری کی اس شخص سے جس کی نوکری کی کچھ نہیں کہا کہ کسقدر علوم و کمالات سے واقف ہوں۔ کچھ عرصہ کے بعد جب کام اور نوکری کا تعلق ختم ہو گیا میں ان کے یہاں گیا اور کہا کہ میں حکیم ہوں۔ محدّث ہوں۔ ادیب ہوں وغیرہ وہ سُنکر حیران رہ گیا اور مجھ سے معافی مانگنے لگا۔

(۹۔ نومبر ۱۹۱۲ء)

میری جوانی کی عمر کا ذکر ہے ایک مقدمہ تھا فریقین نے مجھ کو منصف قرار دیا۔ میں حالات سے واقف نہ تھا ایک کمشنر ولایت سے نیا نیا آیا تھا۔ اُس کے سامنے میں گیا۔ اس نے کہا کہ ایک لڑکی نے دعویٰ ورثہ کا کیا ہے آپ اسکے متعلق کیا کہتے ہیں؟ میں نے قرآن شریف سے نکال کر آیت دکھا دی۔ اُس نے کہا قرآن شریف کو تو سب مُسلمان مانتے ہی ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ اُس نے فیصلہ کر دیا لڑکی کو حق دلا دیا اور فیصلہ میں لکھ دیا کہ رواج بھی ایسا ہی ہے۔ دُوسرے فریق نے مجھ سے کہا کہ تم نے یہ کیا غضب کیا۔ میں نے کہا تمہارے بزرگوں نے ایسا ہی کیا ہے (وہ سیّد تھے) اُنہوں نے اپیل کیا مگر کچھ ہوا نہیں کیونکہ کمشنر نے رواج بھی لکھ دیا تھا۔ ایک اور واقعہ ہے کہ لوگ مجھ کو اس لیے بُرا جانتے تھے کہ میں امام کے پیچھے الحمد پڑھتا تھا ملک فتح خان سے کسی نے کہا کہ تم نور دین سے کیوں ملتے ہو۔ اتفاق سے اُن جیسے ایک رئیس نے عدالت میں عندالاستفسار کہدیا کہ ہم قرآن شریف کے اس حصّہ کو جو حقوقِ وراثت کے متعلق یعنی بیٹیوں کو حق دلانے کے متعلق ہے نہیں مانتے۔ فتح خان نے ان سے کہا

کہ نورالدین تو الحمد پڑھتا ہے تم تو قرآن ہی کو نہیں مانتے۔

(۲۵ ۔مئی ۱۹۰۹ء بعد نماز ظہر درمسجد مبارک)

آئمہ اربعہ۔ آئمہ حدیث۔ آئمہ تصوف۔ آئمہ کلام میں سے کسی نے قرآن شریف کی پوری تفسیر نہیں لکھی۔ مجھ کو بچپنے ہی سے تفسیر کا بہت شوق ہے۔ میں نے کئی مرتبہ تفسیر لکھنی شروع کی اور پوری نہ ہوسکی۔ ایک مرتبہ میں نے بڑی دُعا مانگی کہ خدائے تعالےٰ تفسیر لکھنے کی توفیق دے۔ خواب میں دیکھا کہ مجھ کو ایک دوات دی گئی لیکن وہ خشک تھی میں سمجھا کہ اور دُعا مانگنی چاہیے کیونکہ پانی ڈالنے سے دوات کام دے سکتی ہے پھر دُوسری مرتبہ خواب دیکھا کہ ایک قلم دیا گیا ہے جو چرا ہوا تھا۔ میں نے سمجھ لیا کہ چرے ہوئے قلم کا تو کوئی علاج ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ میرے اوپر بھی امام کا لفظ آنیوالا تھا۔

۳۱۔مئی ۱۹۰۹ء

میں نے بڑی بڑی فہرستوں کو دیکھا ہے اُن میں علم رُویا کی کتابوں کو علوم متفرقات میں رکھا ہے۔ میں نے چونکہ قرآن کریم میں رُویا کا تذکرہ دیکھا تھا لہٰذا میں اس پر اپنا شرح صدر نہ پاتا تھا پھر میری سمجھ میں آیا کہ رُویا کی کتابیں قرآن کریم اور حدیث کی لُغت کی کتابوں کے ساتھ رکھنی چاہئیں چنانچہ میں نے اپنے کتب خانہ میں تعطیر الانام اور کامل التعبیر وغیرہ کو مفردات راغب۔ مجمع البحار اور فائق وغیرہ کے ساتھ رکھا اس نکتہ کو مولوی قائم الدین مرحوم (یہ نوجوان انگریزی اور عربی کا بڑا ماہر تھا) سیالکوٹی نے بہت ہی پسند کیا۔

(۳۱۔مئی ۱۹۰۹ء بعد نماز ظہر)

میں نے بڑی تحقیقات کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اصحاب میں سے کوئی ایک بھی بہرا نہ تھا۔ یہ بڑا ہی معرفت کا نکتہ ہے۔

(یکم اگست ۱۹۰۸ء)

میں نے جب مولانا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الحق الصریح فی احکام المیت والضریح پڑھی تو اس میں یہ بھی دیکھا کہ خدائے تعالےٰ کو یہ کہنا کہ وہ عرض بھی نہیں جوہر بھی نہیں وہ جسم بھی نہیں وغیرہ بدعت ہے یہ میرے بچپنے کا ذکر ہے میں ڈرا کرتا تھا کہ کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ جب خدائے تعالےٰ کو ایسا کہنا بدعت ہے تو کیا اس کو جوہر و عرض و جسم وغیرہ کہہ سکتے ہیں؟ غرضکہ جب اس کتاب کا کہیں کسی سے ذکر ہوتا تو میں خدائے تعالےٰ سے دُعا مانگا کرتا کہ یہ شخص اس جوہر و عرض والی بات پر اعتراض نہ کرے۔ میری طالبعلمی کے زمانہ میں کسی نے اعتراض

نہ کیا۔ میں جب بھوپال گیا تو وہاں ایک مفتی صاحب سے میں نے کہا کہ خواجہ محمد پارسا کی کتاب فصل الخطاب مجھ کو کہیں سے لادو۔ انہوں نے وہ کتاب مجھ کو دی۔ میں نے جب اُسکو اوّل ہی کھولا تو میری نظر اس مقام پر پڑی کہ "جو سید بادشاہ بھی ہو اس کی تعریف میں یہ کہنا کہ وہ چمار بھی نہیں وہ بھنگی بھی نہیں وغیرہ سخت حماقت ہے۔ جب ہم نے کہا اللہ تو پھر جوہر وعرض وغیرہ کی سب صفات تو خود اس کے نام اللہ ہی سے رد ہو گئیں" یہ دیکھ کر میری طبیعت بڑی خوش ہوئی۔ پھر میں نے اس کتاب کو خود مہیا کیا اور اب الحمدللہ میرے پاس کتب خانہ میں موجود ہے۔ میں نے اس کو بہت پڑھا ہے وہ تصوف کی ایک کتاب ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنی کئی کتابوں کا نام فصل الخطاب رکھا ہے۔

(۳۔ اگست ۱۹۰۸ء)

میں نے ایک مرتبہ جرمن کے عربی جاننے والے پروفیسروں کو لکھا کہ وہ کون کونسی کتابیں ہیں جن کے پڑھنے سے زبان عربی بہت اعلیٰ درجہ کی آجاتی ہے۔ انہوں نے جن کتابوں کے نام لکھ کر بھیجے ان میں یہ کتابیں بالاتفاق سب نے لکھیں القرآن۔ البخاری۔ المسلم۔ امام شافعی کی کتاب ام۔ احیاء العلوم۔ جاحظ کی کل کتابیں۔ مبرد کی کتاب کامل۔ عقد الفرید۔ سیرت ابن ھشام۔ تاریخ طبری۔ فتوح البلدان۔ تقویم البلدان۔ مقدمہ ابن خلدون۔ شفا۔ رحلت ابن بطوطہ۔ الف لیلیٰ۔ کلیلہ دمنہ۔ سبع معلقہ۔ حماسہ۔ اغانی۔ دیوان جریر۔ سقط الزند۔ قانون بوعلی سینا۔

۲۰۔ مارچ ۱۹۰۹ء

میں نے ایک نوجوان کو مدینہ کے راستہ میں دیکھا کہ پیدل سفر کر رہا تھا اس نے مجبور و مضطر ہو کر ایک جاتے ہوئے سوار کو ٹانگ پکڑ کر نیچے کھینچ لیا اور خود سوار ہو گیا۔ اس وقت مجھ کو خدائے تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد آگیا دتنز ددوا۔
(بقرہ رکوع ۲۵)

متعلق بہ اساتذہ

(۸۔ فروری ۱۹۱۰ء)

ہمارے چار مُرشد ہوئے ہیں۔ محمد حی بخاری۔ عبدالقیوم صاحب۔ شاہ عبدالغنی صاحب۔ میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود۔

(۱۲۔ اگست ۱۹۰۸ء)

مکہ معظمہ میں ہمارے ایک شیخ تھے میں نے اُن سے صحیح مسلم پڑھی ان کا نام شیخ حسین تھا مجھ سے مولوی رحمۃ اللہ صاحب کہتے کہ بیس برس ہو گئے لوگ تلاش میں ہیں لیکن آج تک یہ نہ معلوم ہوا کہ یہ کھاتے کہاں سے ہیں۔

(۱۳۔ امئی ۱۹۱۰ء)

میرے ایک پیر شاہ عبدالغنی صاحب فرماتے تھے کہ سورہ نور قرآن شریف میں ہے اور خدا فرماتا ہے کہ ہم نے اس میں بڑے ضروری احکام بیان فرمائے ہیں لیکن ہندوستان کے لوگ اس کے کسی حصے پر نہ توجہ کرتے ہیں نہ عمل کرتے ہیں۔

(۲۴۔ مئی ۱۹۰۹ء)

حکیم فضل الدین صاحب نے میری کسی بیماری میں گھبرا کر حضرت صاحب (مسیح موعود) کو لکھ دیا کہ بیمار ہیں۔ حضرت صاحب بیتاب ہو کر میرے پاس جموں تشریف لے گئے وہاں حضرت صاحب نے ایک جلسہ میں فرمایا تھا کہ انبیاء علیہم السلام بھی ناقۃ اللہ ہوتے ہیں بھلا ان کو کوئی چھیڑ تو دیکھے۔

(۲۵۔ مئی ۱۹۰۹ء)

میرے ایک اُستاد تھے مولوی رحمت اللہ ان کے عیسائیوں سے بڑے بڑے معرکۃ الآراء مباحثے ہوئے۔ وہ کرانہ کے رہنے والے تھے۔

(۳۱۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء)

میں نے اپنے اُستادوں کو دیکھا ہے وہ ذرا بھی مخالفت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ بس ایک مولوی رحمت اللہ کو دیکھا ہے کہ میں نے ان کا سخت سے سخت مقابلہ بھی کیا ہے لیکن وہ ہنستے ہی رہتے تھے میں نے کسی مولوی کا یہ دل گردہ نہیں دیکھا۔

(۷؍ دسمبر ۱۹۱۲ء)

ایک امیر آدمی تھا میرے استاد حکیم صاحب نے اُس سے کہا کہ آپ نہانے کے پانی میں یہ دوا ملا لیں۔ اس نے کہا کہ حکیم صاحب میں تین برس سے نہیں نہایا۔ میرے اُستاد نے کہا کہ آپ مُنہ بھی دھوتے ہیں کہا کہ میں رومال کو تھوک لگا کر مُنہ کو صاف کر لیتا ہوں حکیم صاحب نے کہا کہ پھر آپکا مذہب کیا ہوا اس نے کہا جو کسی بڑی حسین کنچنی کا مذہب ہو وہی ہمارا مذہب ہے کہ اُسی کا ہم مذہب ہو کر خوب لُطف آئے۔ وہ امیر آدمی کئی لاکھ آدمیوں پر حکومت کرتا اور ایک بڑے ملک کا مالک تھا۔

(۳۔ جون ۱۹۰۹ء)

میرے ایک پیر ہوتے تھے عبدالغنی اُن کا نام تھا۔ دلی میں رہتے تھے۔ مرزا کامران اُن کے ایک مُرید تھے۔ مرزا کامران نے کہا کہ شاہ صاحب قلعہ میں رات کے وقت شاہزادیاں چوہڑوں کے پاس اور چوہڑیاں شہزادوں کے

پاس ہوتی ہیں۔ شاہ صاحب نے مرزا کامران کو حکم دیا کہ تم قلعہ سے چلے آؤ۔ ایسی جگہ ہرگز نہ رہو۔ عصر کے وقت مرزا کامران قلعہ سے باہر چلے آؤ۔ شام کے وقت شاہ صاحب کو الہام ہوا کہ تم نے قلعہ والوں کو تباہ کر دیا۔ جبتک مرزا کامران قلعہ میں تھا اسوقت تک ہم نے عذاب کو روک دیا تھا۔ اب چونکہ مرزا کامران چلا آیا لہٰذا ہم قلعہ پر عذاب بھیجتے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے تھے کہ ہم کو پھر تو کچھ افسوس ہی ہوا۔ قلعہ اور دلّی شہر فتح ہوا۔ شاہ صاحب کو وہاں سے مع اہل وعیال بھاگنا پڑا۔ پھر بہزار دقّت کراچی اور وہاں سے مکّہ معظمہ پہنچے۔

مولوی اسمٰعیل شہیدؒ دہلوی کے بیٹے محمد عمر صاحب ایک بزرگ دہلی میں رہتے تھے مولوی رحمت اللہ صاحب سے میں نے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ محمد عمر صاحب ہمارے ساتھ دہلی میں جا رہے تھے۔ بادشاہ کی سواری کے ڈنکے کی آواز آئی یکلخت اُن کی رنگت زرد ہو گئی پیشاب کرنے بیٹھ گئے۔ بادشاہ کی سواری آئی اور گذر گئی بعدہٗ وہ اُٹھے تو چہرہ خوش تھا۔ دریافت کیا کہ حضرت آپ کیوں اس قدر گھبرا گئے تھے اور اب کیوں مطمئن ہیں کہا میں نے بادشاہ کی سواری سامنے سے آتی ہوئی محسوس کر کے اس بات کا خوف محسوس کیا کہ کہیں میرے ایمان کو نہ لے جائے۔ نواب وزیر الدولہ نواب ٹونک انہیں محمد عمر صاحب کے بہت معتقد تھے۔ ایک مرتبہ ان کے مکان پر ملاقات کے لیے آئے محمد عمر صاحب نے سُنا کہ وزیر الدولہ آیا ہے تو دیوار کو دکر پچھواڑے کی طرف سے مکان چھوڑ کر چل دیئے کہ امیروں کی ملاقات سے دل سیاہ ہوتا اور قلب پر غفلت طاری ہوتی ہے۔

(۹۔ نومبر ۱۹۱۲ء)

ہمارے ایک استاد مولوی تھے ہم پڑھنے کے لیے سفر میں ان کے ساتھ پھرا کرتے تھے وہ ایک علاقہ میں گئے۔ کسی کی چوری کی بھینسیں واپس کرانی تھیں ہم سب ان کے ساتھ تھے انیس دن وہاں مقیم رہے گاؤں والوں نے کہا بھینسیں یہاں نہیں ہیں۔ ہر چند کوشش کی مگر نہیں ملیں۔ آخر ایک دوسرے طالب علم نے مجھ سے کہا کہ بھینسیں تو آج شام سے پہلے آجائیں گی۔ میں نے کہا کس طرح؟ کہا کہ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جہاں کوئی قریشی اذان کہتا ہے وہ بستی ویران ہو جاتی ہے آج دائرہ (چوپال) کے سامنے چل کر میں کہوں گا آج ہی تم کہنا آج نہیں چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا ایک شخص سُنکر دوڑا ہوا آیا۔ اُس طالب علم نے دریافت کرنے پر جواب دیا کہ یہ ہمارا ساتھی قریشی ہے اور اب اذان دینے کا ارادہ ہے۔ وہ یہ سُن کر دوڑا ہوا واپس گیا اور ہم سے کہتا گیا کہ ذرا آپ ٹھہرے رہیں۔ تھوڑی دیر میں واپس آیا اور کہا کہ بھینسیں آج ہی آجائیں گی آپ اذان نہ دیں۔ چنانچہ بھینسیں آگئیں اور مولوی صاحب کے سپرد کر دی گئیں۔

(۱۴ اگست ۱۹۰۸ء اور خطبہ جمعہ)

میرے ایک پیر بھائی نے مسجد نبوی میں نماز پڑھتے ہوئے رکوع یا سجدہ میں دیکھا کر خود انہیں کا جنازہ لئے ہیں حتیٰ کہ انہوں نے خود اس جنازہ کا منہ کھول کر دیکھا۔ میرے دو پیر بھائی حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کے داماد تھے۔ انہوں نے شاہ صاحب سے کہا کہ میں نے ایسا دیکھا ہے اور جنازہ کا منہ کھول کر دیکھا تو پسینہ آرہا تھا اور اس پسینہ سے یہ پڑھا جاتا تھا مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ شاہ صاحب نے فرمایا کہ تمہاری موت کا وقت بہت قریب آگیا ہے۔ چنانچہ وہ تھوڑی دیر کے بعد مر گئے۔ میں نے شاہ صاحب سے پوچھا کہ آپ نے کیسے سمجھا۔ کہا کہ حدیث میں آیا ہے کہ مومن کو پسینہ آتا ہے۔

دوست آشنا

(۲۔ جون ۱۹۰۹ء)

میرے ایک دوست تھے جن سے مجھ کو بڑی محبت تھی ایک مرتبہ میرے پاس آئے وہ چاء پینے کے عادی تھے۔ میں نے اُن کے لیے چاء تیار کرائی اور خوشی کے ساتھ اُن سے ذکر کیا کہ میں نے آپ کے لیے چاء تیار کرائی ہے یہ سُنکر وہ تو بہت ہی ناراض ہوئے اور یہ کہہ کر چل دیئے کہ چاء تو ہم چوہڑوں کو بھی پلا دیتے ہیں چاء کا احسان ہم پر جتایا گیا۔ غرضکہ وہ چاء تیار ہونے سے پہلے ہی چل دیئے۔ جبکہ ایک انسان دُوسرے انسان کی رضامندی کا طریقہ نہیں معلوم کر سکتا تو خدائے تعالیٰ کی رضامندی کی راہ تجویز سے کیسے معلوم کر سکتا ہے۔

(۲۔ فروری ۱۹۱۰ء)

جب میں رامپور میں رہتا تھا اُس زمانہ میں میرا ایک دوست عیدالفطر کے دن مجھ سے ملنے آیا اور کہا کہ آج سوّیاں کھلاؤ۔ میں نے کہا کہ اس محلہ میں جہاں میں رہتا ہوں سب لوگ اس خیال کے ہو گئے ہیں کہ آج سوّیاں نہ پکائیں گے۔ ہاں کل ہم تم کو پکوا دینگے۔ وہ سُن کر سخت متعجب اور برافروختہ ہوا اور کہا کہ ”جا تو نے سارے محلہ کو خراب کر دیا“

(۲۶۔ ستمبر ۱۹۰۸ء)

میں نے اپنے ایک دوست کو دیکھا کہ ان کا کام نہیں چلتا۔ میں نے انکو تجارت کی ترغیب دی۔ اور تین ہزار روپے اپنے پاس سے انکو دیئے۔ انہوں نے وہ تین ہزار روپیہ لیکر کہا بھلا ان میں کیا ہو سکتا ہے؟ کچھ بھی نہ ہوگا۔ میں نے

کہا کہ تم کو شکر ادا کرنا چاہیے تھا۔ لیکن چونکہ تم نے شکر ادا نہیں کیا لہٰذا تم کو ہرگز نفع نہ ہوگا اور واقعی کچھ نہ ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۱۹۔جنوری ۱۹۱۰ء)

میرے ایک محسن بزرگ تھے وہ بہت بوڑھے تھے ان کا نام منشی جمال الدین تھا وہ جب سچے موتیوں کی مالا پہنتے تو پہنتے وقت میری طرف دیکھتے اور یہ آیت پڑھا کرتے منه حلية تلبسونها (سورہ نحل رکوع ۲)

(۱۲۔جون ۱۹۱۱ء)

میاں جمال الدین صاحب وزیر اعظم بھوپال ایک مرتبہ کہنے لگے میاں تم چلے نہ جاؤ تو ایک بات کہتا ہوں میں نے کہا فرمایئے۔ کہا کہ میں تم پر عاشق ہوں۔

(۸۔مارچ ۱۹۱۰ء)

میرا ایک آشنا تھا وہ دلّی کا رہنے والا تھا بعد غدر کے انگریزی پڑھ کر بڑا آدمی بن گیا حتّٰی کہ جج وغیرہ معزز عہدوں تک پہنچا۔ اس کا بیٹا پڑھا لکھا نہ تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو مجبوراً فوج میں بھرتی کرانا چاہا۔ ایک بڑے انگریز سے ملا اور سفارش کی اُس انگریز نے کہا کہ اگر دلّی کے رہنے والے نہ ہوتے تو ہم ضرور آپ کے بیٹے کو فوج میں بھرتی کر لیتے۔ دیکھو بغاوت کا کیسا بُرا نتیجہ ہوتا ہے۔

(۲۶۔فروری ۱۹۱۲ء)

ایک دفعہ ایک مجلس میں شفاعت کے متعلق گفتگو ہوئی میں نے کہا کہ شفاعت اذن سے ہوگی۔ میرا ایک آشنا جو میرے خیال میں بڑا نیک تھا میرے قریب ہی بیٹھا تھا اس نے مجھ سے کہا کہ یہ تم کیا کہتے ہو کہ شفاعت بالاذن ہو گی ہم نے تو شفاعت کے بھروسے بڑی بڑی بدکاریاں کی ہیں آج تم نے ہمارے سب منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔

(۸۔مئی ۱۹۰۹ء)

ایک ہمارے دوست تھے وہ بہت ہی اچھی حالت میں فوت ہوئے ہیں۔ لیکن ان کی ابتدائی عمر بڑے بڑے فسق و فجور میں گذری تھی۔ اُنہوں نے ایک مرتبہ خود ہی اپنا قصہ سنایا کہ میں لاہور میں مدرس تھا میں نے سُنا کہ امرتسر میں ایک رنڈی ہے جو کسی بڑے بھاری رئیس کی ملازم ہے اور کسی دوسرے شخص کے پاس نہیں جاتی وہ کہتے تھے کہ مجھ کو تنخواہ ملی تو میں نے تنخواہ لے کر اپنے شاگردوں سے کہا کہ دیکھو ہم اس قلعہ کو فتح کرتے ہیں چنانچہ اپنے شاگردوں کو لے کر امرتسر پہنچے (شاگرد بھی کوئی ایسے ہی ہوں گے) رنڈی کے گھر جا کر اُس کی نائکہ کے سامنے پگڑی اتار کر رکھ

دی اور ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اس نے توجہ بھی نہ کی جب بہت دیر ہو گئی تو شاگردوں نے کہا کہ مولوی صاحب آپ یہ توجہ کرتی ہی نہیں اب آپ چلیں جب اس نائکہ نے مولوی صاحب کا لفظ سُنا تو کہا کہ آپ مولوی صاحب ہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں مولوی ہوں اور یہ سب میرے شاگرد ہیں۔ آج مجھ کو تنخواہ ملی تھی وہ سب کی سب لیکر یہاں آیا ہوں یہ موجود ہے چنانچہ سب اس کے سامنے رکھ دی۔ اس پر کچھ ایسا اثر ہوا اور لفظ مولوی صاحب نے کچھ ایسا کام کیا کہ اس نے کہا کہ اچھا چاہے کچھ ہی ہو ہم تمہارا کہنا مانے لیتے ہیں ایک رات کے واسطے تم اس رنڈی کو لے جاؤ چنانچہ میں اس کو ہمراہ لے کر اُسی وقت ریل میں بیٹھ لاہور آیا اور کھلی ٹمٹم میں بیٹھ کر دلی دروازہ ہوتا ہوا سر بازار نہایت فخر و غرور کیساتھ اس رنڈی کو اپنے ساتھ بٹھا کر لایا۔ اور فخریہ شہر میں اس بات کو ظاہر کیا کہ دیکھو ہم کسی سے کم نہیں ہیں غرضیکہ ان کی حالت بہت خراب تھی ان کو ہدایت صرف ایک آیت سُن کر ہوئی وہ آیت یہ ہے اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ الخ اس آیت کو سُن کر اُن کے دل پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ پھر اُن کی حالت نہایت ہی اچھی ہو گئی اور بہت ہی اچھی حالت میں فوت ہوئے۔

(۲۰ مئی ۱۹۰۹ء)

میرے پاس ایک شخص آیا کہ میری بیوی کو آتشک ہو گئی ہے اور وہ روتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ عورت نیک ہے یعنی حرامکار نہیں ہے۔ میں نے اُس عورت کو بُلا کر اس کے زخم دیکھنا چاہے تو اُس نے اپنا ہاتھ دکھایا۔ میں نے کہا یہ ہرگز آتشک کا زخم نہیں ہے یہ آگ سے جلا ہوا ہے غرضیکہ اس نے بڑی مشکل سے مجھے بتایا کہ یہ خاوند مجھ کو پسند نہیں ہے۔ اصل بات کچھ تھی ظاہر کچھ کرتی تھی۔

(۱۲ فروری ۱۹۱۰ء)

میرے بعض دوستوں نے مجھ کو ملامت کی تو اس قدر حسن ظن سے کیوں کام لیتا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ تو میرے خدا نے بلا واسطہ مجھ کو بتایا ہے۔ میں کیوں بدظنی سے نہ بچوں۔ بدظنی سے بچنے کا طریق سورہ نور کے پہلے رکوع میں لکھا ہے۔

(۴ اکتوبر ۱۹۱۲ء)

میرے ایک دوست شہزادے تھے اور احمد سعید ایک دُوسرے دوست تھے۔ احمد سعید اپنی معرفت لوگوں کے کپڑے لاتے اور شہزادے صاحب وہ کپڑے سیتے اور اسی میں اپنا گذارہ کرتے۔ ایک روز احمد سعید صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ کو اگر کپڑے سلوانے ہوں تو مجھ کو دیدیں شہزادے صاحب سیتے ہیں میں سلوا دوں گا۔ لیکن خود

عزیز ورنہ آپ سے سلائی نہ لیں گے۔ میں نے ایک روز کہا کہ شہزادے صاحب ابھی تک اس حالت عسرت میں آپ کے امیرانہ شوق موجود ہیں۔ کہا کہ میاں بگڑی ہوئی عادتیں آسانی سے نہیں چھوٹتیں۔

(۱۷ مارچ ۱۹۱۲ء بعد نماز ظہر)

میرے ایک دوست تھے متمول آدمی تھے ان سے اکثر فجر کی پہلی رکعت رہ جاتی تھی ایک نابینا حافظ صاحب تھے وہ ہمیشہ انکو کہتے کہ تم نمازیں دیر کرکے آتے ہو یہ بے ایمانی اور نفاق کی علامت ہے جب بار بار ان کو حافظ صاحب نے شدومد کے ساتھ ٹوکا تو انہوں نے حافظ صاحب کی شادی کرادی۔ پھر تو حافظ صاحب کی اُن سے بھی بدتر حالت ہوئی۔ پہلے ہی دن کی نماز فجر قضا ہوئی۔

(۱۵ مئی ۱۹۰۹ء بعد نماز ظہر)

میں نے اس وقت تک ہزارہا لوگوں کو قرض دیا لیکن سوائے ایک شخص کے کہ اُس نے نو روپیہ قرض لیے تھے اور جس آنکھ سے لیے تھے اُسی آنکھ سے ادا کیے تھے اور کسی نے اسی آنکھ سے ادا نہیں کیے۔

(۳۰ مئی ۱۹۰۹ء)

میں لاہور کے ڈبی بازار میں جا رہا تھا۔ وہاں ایک شخص مجھ سے ملا اور کہا کہ ہم کو تم سے بڑی بڑی اُمیدیں تھیں میں نے کہا کہ یہ بات پہلے بھی کہی گئی ہے یعنی قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا۔

(۲۸ اکتوبر ۱۹۱۲ء)

میں نے اپنے ایک آشنا سے دریافت کیا سویلزیشن کا نشان کیا ہے کہا سویلزیشن کا نشان یہ ہے کہ دو روپیہ کا مقدمہ ہو تو پریوی کونسل تک پہنچائے اور جعلی نوٹ بنائے یہ باتیں بھلا جاہل اشخاص سے کہاں ہو سکتی ہیں۔

(۲۸ اکتوبر ۱۹۱۲ء)

ایک علمی مجلس میں ایک شخص نے ایک رزولیوشن پیش کیا اور ایسے پُردرد لہجہ سے تقریر کی کہ وہ تقریر کرتے ہوئے خود بھی رو پڑا مگر کسی نے اس کی بات کی تائید نہ کی میں نے چونکہ پہلے کبھی ایسا واقعہ دیکھا نہ تھا مجھ کو اس پر رحم آیا اور میں نے کھڑا ہو کر کہہ دیا کہ میں اس بات کی تائید کرتا ہوں مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ سُنکر ہنس پڑے اور سب نے سر نیچے کر لیے۔ اب مجھ کو اور بھی زیادہ تعجب ہوا۔ پھر اُس شخص نے میز پر مُکّے بھی مارے اور خوب زور شور سے تقریر کرتا رہا۔ لیکن تمام مجلس خاموش تھی۔ آخر کسی عقلمند نے مجلس برخاست کر دی۔ جب اُٹھ کر چلے تو میں حیران تھا کہ تمام اہل مجلس نے کیوں ایسی سردمہری دکھائی دروازہ کے قریب پہنچکر وہی لیکچرار دھڑام سے گر پڑا اور اس

وقت مجھکو معلوم ہوا کہ وہ شراب کے نشے میں چور تھا۔ آج کل واعظ عام طور پر خود عملی حالت میں کمزور اور دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں۔

(۲ رجون ۱۹۰۹ئ)

مَیں جموں میں تھا ایک ہندو عورت میرے ساتھ بڑا اخلاص رکھتی تھی میرے دو لڑکے تھے ایک فضل الٰہی دوسرا حفیظ الرحمان ان دونوں کا انتقال ہو گیا۔ اُس ہندنی نے مجھ سے کہا کہ مَیں دو لڑکے آپ کے واسطے خرید کرلاؤں گی جو ایسے ایسے ہوں گے مَیں نے اُس سے کہا کہ نادان! وہ لڑکے ہمارے کیسے ہو سکتے ہیں اور اس طرح کہاں تلافی ہو سکتی ہے۔

(۴ رجون ۱۹۰۹ئ)

میرا ایک بڑا بھاری دشمن تھا۔ ایک شخص جو اکثر اُس کے پاس رہتا تھا میرے پاس آیا اور کہا کہ مجھ کو تحصیلدار تک پہنچا دو مَیں تمہارے اُس دشمن پر قتل کا جُرم ثابت کئے دیتا ہوں۔ مَیں نے اپنے آدمی سے کہا کہ اس کو نکال دو۔ اس نے کہا کیوں؟ مَیں نے کہا تم جب اس کے دوست بنے ہو تو پھر اس کو مقدمہ میں کیوں پھنساتے ہو۔ کہنے لگا کہ مَیں تو اس مقدمہ کے ثابت کرنے ہی کے لیے اس کے پاس رہتا ہوں۔ مَیں نے کہا کہ پھر تو تم منافق ہو۔ مَیں ایسے شخص کا روادار نہیں۔

(۲۷ رمئی ۱۹۰۹ئ)

ایک شخص نے ایک مرتبہ میری بڑی خاطر مدارات کی اور مجھ سے کہا کہ میرے پاس نہایت اعلیٰ درجہ کی خوش رفتار ایک اُونٹنی ہے آپ اس پر سوار ہو کر سیر کو جائیں۔ ایک ملازم جو اُس اُونٹنی پر نوکر تھا وہ بھی میرے ساتھ بیٹھا کہ سیر کرا کر لائے میں نے راستہ میں اس سے پوچھا کہ تمہارا آقا کیسا آدمی ہے؟ اُس نے ایک نہایت غلیظ گالی اُس کو دی اور کہا کہ اگر یہ رات کو یا شام کو مکان سے باہر نکلے تو ہم فوراً مار ڈالیں۔

(۱۶ رفروری ۱۹۱۲ئ)

چند قومیں ہیں جن پر مجھ کو کبھی اعتبار نہیں آیا۔ ایک دہریہ دُوسرے رافضی تیسرے عیسائی اور چوتھے جو حقیقتاً منافق ہیں اور ان کو منافقوں کے علامات سے پہچان سکتے ہیں۔ دہریہ جب خدا ہی کا قائل نہیں تو اس کی قسم کا کیا اعتبار۔ رافضی تقیہ کی آڑ میں سب کچھ کر سکتے ہیں۔ عیسائی کفارہ پر اعتماد رکھتے ہیں۔ منافق کا اعتبار تو ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ظاہر و باطن یکساں نہیں۔

(۹۔ نومبر ۱۹۱۲ء)

میرا ایک آشنا تھا اس نے میری ضیافت کی۔ مجھ کو اپنا ایک بڑا باغ دکھایا اس میں ایک درخت آم کا بتا کر کہا کہ سارا باغ تو خدا کا ہے آپ کے ساتھ والے جہاں سے اور جس قدر چاہیں کھائیں مگر یہ ایک درخت سید عبدالقادر جیلانی کا ہے اس کو ہاتھ نہ لگائیں میں نے کہا سید عبدالقادر جیلانی تو خدائے تعالیٰ کے عاشق تھے وہ بھلا کیسے گوارا کرینگے کہ خدائے تعالیٰ کا نام اس پر نہ ہو اور اُن کا نام ہو۔ اُس نے کہا نہیں صاحب اس درخت پر خدا کا آپ ذکر ہی نہ کریں چند روز کے بعد دریا کا ایسا سیلاب آیا کہ اُس باغ کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ تو سب کا سب خدائے تعالیٰ ہی لے گیا چُپ ہو گیا اور کچھ جواب نہ دیا۔

وطن یعنی بھیرہ وغیرہ

(۸ر فروری ۱۹۱۰ء)

بھیرہ میں جب میری مخالفت لوگوں نے کی تو دروازوں پر لوگ بیٹھتے تھے اور میرے پاس آنیوالوں کو رد کرتے تھے اور یہی میری شہرت کا باعث ہوا۔

(۱۷ر مئی ۱۹۰۹ء بعد نماز ظہر)

بھیرہ میں دو آدمی آپس میں بڑے دوست تھے۔ ایک مر گیا اس کے وارث موجود تھے۔ دوسرا خود موجود تھا۔ اُن میں آپس میں نزاع ہوا ایک نے مجھ کو لکھا کہ حاکم سے (جو ہندو تھا) ہماری سفارش کر دو۔ میں نے ان کو جواب میں بہت نصیحت لکھی اور یہ آیت لکھی اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا۔ میرا وہ خط کہیں فریق مخالف کے ہاتھ آ گیا اس نے حاکم سے (جو کھتری یعنی ہندو تھا) میری چُغلی کھائی کہ آپ کو نور الدین نے طاغوت لکھا ہے اُس نے کہا کہ سچ لکھا ہے تم یہ بتاؤ کہ کیا تمہارے عقیدہ میں ہم ایسے نہیں؟ چغلخور لاجواب رہ گیا۔

(۱۸ر مئی ۱۹۰۹ء بعد نماز ظہر)

ایک امیر شخص نے جو راجہ کہلاتا تھا میری ضیافت کی اور بڑی ہی خاطر تواضع سے پیش آیا۔ باتوں باتوں میں

اس کو معلوم ہوا کہ یہ شخص بھیرہ کا رہنے والا ہے بھیرہ کا نام سنتے ہی اس کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ یہ ۱۸۶۰ء کے قریب کی بات ہے اُس نے کہا کہ بھیرہ کا ایک اکسٹرا اسسٹنٹ تھا اس نے ہم پر بڑے ہی ظلم کیے۔ اُس نے نہایت ہی طیش اور رنج اور حسرت کے ساتھ اس کے مظالم کا بیان کیا اور کہا کہ ہم قیامت کے دن اس سے بدلہ لیں گے۔ میں نے کہا کہ وہ ہجرت کرکے مدینہ طیبہ چلا گیا یہ سُنتے ہی اس نے کہا کہ ہم نے معاف کیا۔ اس کی ہجرت کی خبر نے ایسا اثر کیا کہ وہ شخص آبدیدہ ہوگیا۔ دیکھو خدائے تعالےٰ خود ہی اپنے بندوں کے حق العباد کو اس طرح معاف کرا دیتا ہے۔

(۲۰ مئی ۱۹۰۹ء در درس حدیث)

حکیم فضل الدین صاحب کے والد نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ ہماری مسجد میں جس قدر مولوی آتے ہیں ہم ان کو علیحدہ لے جاکر سمجھا دیتے ہیں وہ انہیں بتاتے ہوئے مسائل پر وعظ کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ پھر ہم کو تو تم اچھا جانتے ہوگے؟ کہا کہ تم تو ہمارا کہنا نہیں مانتے وہ کہنا تو مان لیتے ہیں۔

(۲۲ مئی ۱۹۰۹ء)

ایک مرتبہ پنڈ دادنخان میں کسی مقام پر یعنی ایک گاؤں میں میرا گذر ہوا وہاں ایک شخص نے میری بڑی خاطر مدارت کی معلوم ہوا کہ وہ میرے باپ کا بڑا معتقد تھا۔ بزرگوں کی اولاد سمجھ کر خدمتگذاری اور خاطرداری سے پیش آیا۔ چلتی دفعہ اُس نے کہا کہ کوئی تعویذ لکھ دو یا کوئی نصیحت کردیا کوئی بات بتاؤ۔ اسوقت مجھ کو اس آیت کا خیال آیا لَا اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰہِ وَلَا اَعْلَمُ الخ (سورہ انعام)

(۱۷ مارچ ۱۹۱۲ء قبل نماز ظہر)

بھیرہ کے قریب ایک گاؤں میں میاں حیدر نام ایک بھنگ گھونٹنے اور پینے والے فقیر رہتے تھے۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ امام مہدی کی کیا شناخت ہوگی انہوں نے کہا کہ امام صاحب جب آئیں گے تو ان کی سواری کے آگے سوا لاکھ فقیر سطہریں ہاتھ میں لیے ہوتے دھمال ڈالتے ہوئے چلیں گے۔ میں نے کہا کہ یہ مولوی لوگ تو نہ مانیں گے کہا کہ پھر تو کچھ جھگڑا ہی معلوم ہوتا ہے۔

یکم جون ۱۹۰۹ء

ہمارے شہر میں ایک لڑکا ہے طوائف قوم کا بڑا متین معلوم ہوتا ہے اور بڑی شرم کے ساتھ بات کرتا ہے لیکن اس میں حیا کا مادہ نہیں ایک شخص نے اس سے پُوچھا کہ آپ کے باپ کا نام کیا ہے؟ اس نے جیب سے ایک روپیہ نکال کر دکھا دیا کہ یہ نام ہے۔

(یکم جون ۱۹۰۹ء)

ایک مرتبہ میری مخالفت بھیرہ میں اس قدر بڑھی کہ لوگ میرے قتل کے منصوبے کیا کرتے تھے۔ یہاں تک زور ہوا کہ ایک شخص میرا دودھ شریک بھائی تھا اس نے میرے دشمنوں سے کہا کہ میں نورالدین کے چھری مار کر اس کا کام تمام کر دونگا میں نے جب سنا تو میں ایک دفعہ رات کو نماز عشاء کے بعد اس کے گھر چلا گیا۔ اس کی ماں کا چونکہ میں نے دودھ پیا تھا اس لیے وہ مجھ سے پردہ تو کرتی ہی نہ تھی وہاں جا کر لیٹ گیا اور خراٹوں تک بھی نوبت پہنچا دی — سب نے سمجھا کہ یہ سو گیا ہے۔ میرے دل میں یہ خیال اور شوق کہ دیکھوں یہ کس طرح چھری ماریگا۔ یہاں تک کہ جب آدھی رات کا وقت ہوا تو اس کی ماں نے مجھ کو جگایا کہ بیٹا اب تم اپنے گھر جاؤ۔ میں نے کہا کہ میں یہیں سو رہونگا کیونکہ آدھی رات تو گذر ہی گئی ہے۔ اُس نے کہا کہ نہیں تم اپنے گھر ہی جا کر سوؤ۔ میں نے کہا کہ اچھا میں تنہا نہ جاؤنگا اس کو (دودھ شریک بھائی کو) میرے ساتھ بھیجو کہ مجھ کو مکان تک پہنچا آئے۔ وہ میرے ساتھ ہو لیا میں نے دانستہ اس کو پیچھے رکھا اور خود آگے آگے چلا لیکن اس نے کچھ نہیں کیا۔ پھر جب میں اپنے گھر کے دروازہ پر پہنچا تو میں دروازہ کی سیڑھیوں پر اوپر کھڑے ہو کر اس کو نیچے کی سیڑھی پر کھڑا باتیں کرنے لگا کہ اب یہ اطمینان سے چھری بھونک دیگا لیکن وہ تو اس قدر گھبرایا کہ اُس نے مجھ سے کہا کہ اب اجازت دیجئے میں نے کہا اچھا۔

(۱۰ جون ۱۹۰۹ء)

جب میں پنڈدادنخاں میں تھا تو وہاں سکندر کی بیوی کا بُت نکلا تھا اسکو ایک انگریز خرید کر لے گیا تھا۔

(۱۴ جون ۱۹۰۹ء)

ہمارے شہر میں ایک عالم شخص مسجد میں رہتے تھے محمد اشرف ان کا نام تھا۔ مسجد کے اندر ہی کے حصہ میں ان کا سب سامان آٹا۔ صندوق۔ گھڑے۔ کتابیں وغیرہ سب کچھ رہتا تھا وہ جب کہیں جاتے تو سارا سامان ساتھ ہوتا بازار میں جب جاتے تو آٹے کے گھڑے اور کتابیں غرضکہ تمام سامان سب شاگرد اُٹھائے ہوئے ہوتے۔ عجیب قسم کی ان کی سواری نکلتی تھی۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر بازار میں کوئی فقیر آٹے کا سوال کرے تو کیا گھر سے آٹا لینے جائیں۔ اگر کوئی فتوےٰ منگوائے تو قلم دوات کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں وہیں قلم دوات لیا اور فتوے لکھ دیا۔ ایک مرتبہ ایک مولوی ان کے پاس آیا اور کہا کہ مولوی صاحب آپ راگ کو بُرا جانتے ہیں اور میں راگ کو جائز بلکہ ضروری ثابت کرتا ہوں راگ کے ذریعہ سے خداشناسی میسّر ہوتی ہے۔ وہ اس وقت شہر سے باہر کسی جگہ گئے ہوئے تھے وہیں یہ گفتگو ہوئی تھی۔ اُسی وقت کھڑے ہوئے اور اس مولوی کو ہمراہ لیکر چل کھڑے ہوئے۔ شہر میں آئے

اور ایک رنڈی کے مکان میں مع لاؤ لشکر اور سامان اور مع اس مولوی کے چلے گئے وہاں وہ رنڈی گا رہی تھی یہ سب خاموش کھڑے ہو گئے۔ رنڈی نے جب اس طرح ان کو کھڑے دیکھا تو وہ اپنا گانا ختم کر کے کھڑی ہو گئی اور ہاتھ جوڑ کر کہا کہ آپ تشریف لایئے اور کرم فرمایئے اُنہوں نے فرمایا کہ واہ صاحب آپ نے گانا کیوں چھوڑ دیا۔ پھر کہا کہ ان مولوی صاحب کو تو خدا مل ہی گیا ہو گا لیکن ان کی بیوی اور بیٹی محروم ہیں ان کو بھی تم بلا کر تعلیم دو تا کہ خدا شناسی سے وہ بھی محروم نہ رہیں۔

(۲۹ رمئی ۱۹۱۰ء)

میں اس بات سے ہمیشہ متعجب رہا کرتا تھا کہ عرب کے لوگ تو رحمٰن کو جانتے تھے پھر وہ کیوں چڑتے اور انکار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حکیم فضل الدین کی مسجد میں آمین بالجہر پر لوگوں میں جھگڑا ہوا۔ میں نے جا کر پوچھا تو وہاں کے لوگ کہنے لگے کہ ہم آمین کو بہت اچھا سمجھتے ہیں لیکن ہمارے یہاں کبھی بالجہر کہتے نہیں۔ اُس وقت میرا وہ تعجب دُور ہو گیا اور بات سمجھ میں آگئی۔

(۱۳ رنومبر ۱۹۱۰ء)

میں ایک مرتبہ ایک گلی میں جاتا تھا ایک فقیر نے مجھ سے ایک پیسہ مانگا۔ میں نے کہا سائیں تم سب کچھ چھوڑ بیٹھے ہو اور کہتے ہو کہ ہم سب سے آزاد ہیں۔ پھر اس قدر محتاج! میں تو دُنیادار ہوں یعنی میرے بیوی بچے بھی ہیں۔ مجھ سے تم کو التجا کرنی پڑی۔ ذرا یہ تو بتا دو کہ آزادی کیسی اور کیا چیز ہے۔ اُس نے اپنے مُرشد کو ایک بڑی گندی گالی دی کہ اس نے مجھ کو پوست پینے کی عادت ڈالی اور کہا کہ لاؤ پوست پینے کے لیے پیسہ دلواؤ۔

(۲۳ راپریل ۱۹۱۲ء)

ہمارے شہر میں ایک کنچنی رہتی تھی روزانہ میرے پاس آتی اور کہتی کہ توبہ کیا ہوتی ہے میں بہت تنگ ہوا۔ کچھ عرصہ ہوا وہ غیر حاضر اور غائب رہی پھر ایک روز خوب بن ٹھن کر آئی اور کہنے لگی کہ توبہ سے تو بھوکے مرنے لگے تھے ہولیوں میں فلاں مقام پر گئے تو اتنے روپے کما لائے۔ مجھ کو سُن کر بڑا جوش آیا میں نے کہا اُٹھ جا یہ ہمارا مکان ہے تجھ کو یہ روپیہ کھانا بھی نصیب نہ ہو گا اور توبہ بھی نصیب نہ ہو گی وہ اُٹھ کر چلی گئی۔ جاتے ہی اس پر فالج گرا۔ اس کا ایک رشتہ دار دوڑتا ہوا میرے پاس آیا۔ میں نے کہا وہ اب نہیں بچے گی۔ اس نے کہا خیر وہ نہ وہ بچے لیکن روپیہ جو وہ لائی ہے وہ ہم کو معلوم نہیں اس نے کہاں رکھا ہے۔ اتنا ہو کہ وہ روپیہ تو بتا دے کیونکہ ہمارے گھر جب کوئی مرتا ہے تو پانسو روپیہ برادری کی روٹی میں خرچ ہوتا ہے۔ میں نے کہا وہ روپیہ بھی نہ ملے گا۔ وہ سخت حیران ہوا۔ آخر

اس کے اصرار پر میں نے کہا اچھا چلو۔ جا کر دیکھا کہ بالکل بیہوش پڑی ہے۔ ایک آدمی نے بہت زور سے آوازیں دیں لیکن کچھ نہ بولی۔ میں نے آس پاس کی تمام بدکار عورتوں کو بلوایا وہ آ گئیں۔ میں نے کہا اس نے توبہ کی حقارت کی ہے دیکھو اب یہ بغیر توبہ مرتی ہے۔ تم بتاؤ تمہارا کیا منشاء ہے۔ اُن میں جو سب سے زیادہ بدکار تھی اوّل اُسی نے کہا کہ میں تو توبہ کرتی ہوں۔ میں نے کہا کہ تم اس کے مرنے پر کھانا بھی برادری کو نہ کھلاؤ کیونکہ اگر بدنامی بھی ہو گی تو کس قوم میں؟ ان سب کی سمجھ میں آ گیا اور کوئی کھانا وغیرہ بھی برادری کو نہ دیا۔

(۲۵ مئی ۱۹۰۹ء)

بھیرہ میں میرے ایک دوست تھے میں نے ان سے ایک کتاب چند مرتبہ مستعار مانگی اُنہوں نے دینے کا وعدہ کیا پھر ایک روز میں نے اُن سے بازار میں کہا تو اُنہوں نے صاف انکار کر دیا۔ اُن کی زبان سے جواب صاف سُن کر میں نے بلند آواز سے اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا چند ہی روز کے بعد پشاور سے ایک بڑا پلندہ بذریعہ ڈاک آیا جس میں بھیجنے والے کا نام نہ تھا۔ اس میں وہی کتاب۔ اس کتاب کی شرح اور اس فن کی اور کتابیں بھی تھیں میں نے اس قسم کے سب آدمیوں سے اس کا تذکرہ کیا لیکن کچھ پتہ نہ چلا کہ یہ کتابیں کس نے بھجوائیں اور کیوں بھجوائیں۔ میں نے ایک مرتبہ ایک امیر آدمی کے سامنے بھی تذکرہ کیا۔ وہ میرا ہمخیال نہ تھا اُس نے کہا گو میں آپکا ہمخیال نہیں ہوں لیکن آپ کی وہ اناللہ مجھ کو کھا گئی۔ اس کتاب کے پشاور ہونے کا مجھ کو علم تھا میں نے اپنے آدمی کو لکھا کہ خرید کر آپ کے نام روانہ کر دے۔

(۴۔ جون ۱۹۰۹ء)

میں ایک شہر میں مدرس تھا میرے پاس ایک دوست آ کر ٹھہرے اس شہر میں پانی دریا سے لاتے ہیں کنوؤں کا رواج نہیں۔ دریا پر جانے کا راستہ مدرسہ کے سامنے کو تھا دریا سے کچھ ہندو عورتیں پانی لا رہی تھی صاف ستھری ساڑیاں باندھے خوبصورت لباس پہنے اور پیتل کی چمکدار گاگریں سروں پر رکھے آ رہی تھیں انکے پیچھے چند مسلمان عورتیں نیلے نیلے میلے میلے کپڑے پہنے اور مٹی کے کثیف گھڑے سروں پر رکھے آ رہی تھیں۔ میرے وہ دوست باہر کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اُنہوں نے مجھ کو آواز دی کہ جلدی باہر آؤ میں گھبرا کر جلدی سے باہر آیا تو مجھ سے کہا کہ کیا یہ پیچھے جانے والی ان اگلی جانے والیوں سے یہ کہہ سکتی ہیں کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔

(۲۹ر دسمبر ۱۹۰۶ء)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لڑائیوں میں اپنی بیوی عائشہ صدیقہؓ اور اپنی بیٹی فاطمہؓ کو بھی لیجاتے تھے کسی تاریخ میں نہیں لکھا یہ دونوں پکڑی گئی ہوں۔ مَیں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی شکست نہیں کھائی۔ مَیں ایسی کہانیوں کو جھوٹ سمجھتا ہوں کہ نبی کریمؐ نے شکست بھی کھائی ہے کسی رسولؑ کے قتل کا قائل نہیں۔ خدائے تعالیٰ خود فرماتا ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا الخ غرضیکہ میرا اعتقاد نہیں کہ کسی رسول کو شکست ہوئی ہو چونکہ مجھ کو رسولوں سے محبت ہے اس لیے مَیں نے اپنی عمر میں کبھی شکست نہیں کھائی۔ بہت آدمیوں نے میرے قتل کے منصوبے کیئے مگر ہمیشہ ناکام رہے۔

(۱۴ر مئی ۱۹۰۹ء قبل از نماز عشاء در مسجد مبارک)

پنڈ دادنخان اور میانی کے درمیان ایک ندی ہے۔ میانی میں بھی ہمارا ایک گھر تھا پنڈ دادنخاں میں مَیں مدرس تھا۔ میانی سے پنڈ دادنخاں آتے ہوئے دریا پر مَیں نے دیکھا کہ ایک شخص نے دریا میں داخل ہوتے وقت اپنا تہ بند سر پر کھول کر رکھ لیا اور ننگا ہو کر چلنے لگا۔ ایک دوسرے شخص نے اس کو بڑی ہی لعنت ملامت کی اور نہایت سخت سُست کہا کہ اس طرح ننگا ہو کر کیوں دریا میں جاتا ہے۔ پہلے شخص کے پیچھے وہ دُوسرا شخص بھی دریا میں داخل ہوا۔ جُوں جُوں آگے بڑھتا گیا پانی گہرا آتا گیا اور وہ اپنا تہ بند اُوپر کو اُٹھاتا گیا۔ جب اُس نے دیکھا کہ پانی تو شاید ناف تک آجائیگا تو اس نے بھی اپنا تہ بند کھول کر سر پر رکھ لیا اور پہلے شخص کی طرح بالکل ننگا ہو گیا اس وقت میری سمجھ میں یہ نکتہ آیا کہ جو شخص کسی دُوسرے کی تحقیر کرتا ہے وہ خود بھی اُسی قسم کی ذلت اُٹھاتا ہے۔ اگر وہ دوسرا شخص کپڑے کے بھیگنے کی پرواہ نہ کرتا اور ننگا نہ ہوتا تو کوئی بڑے نقصان کی بات نہ تھی لیکن جس بات کے لیے اُس نے دُوسرے کی تحقیر کی تھی اسی کا مرتکب اُس کو بھی ہونا پڑا۔

(۲۲ر جولائی ۱۹۰۷ء بعد نماز عصر)

مَیں جب پنڈ دادنخاں میں مدرس تھا اس وقت میں نے ایک فوت شدہ شخص کو جو میرا ہموطن تھا رؤیا میں دیکھا اور معلوم ہوا کہ یہ بہت بیمار ہے۔ مَیں نے کہا کہ تم تو بہت بیمار ہو اور مَیں نے سنا ہے کہ جو مر جاتا ہے وہ بیماریوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اس پر اُس نے اپنے ہاتھ سے ایک لڑکی کو بازو پکڑ کر مجھے دکھایا کہ میں اس لڑکی پر دنیا میں عاشق تھا اس واسطے اب مَیں بیمار اور مبتلائے عذاب ہوں۔ جب میں اپنے شہر میں آیا تو اس کے ایک دوست سے مَیں نے پُوچھا کہ فلاں شخص جس عورت کے عشق میں فوت ہوا ہے آپ مجھے اس عورت کا پتہ بتا سکتے ہیں؟

اُس نے کہاکہ آپ کو یہ بات کس نے بتائی ؟ میں نے کہاکہ بھلا عشق کہیں مخفی رہ سکتا ہے ؟ اُس نے کہاکہ جب میرے اُس دوست کا انتقال ہوا ہے تو اس کا سر میری ران پر تھا اور میں نے اُس سے اسوقت دریافت کیا تھا کہ اس عشق کا حال تم نے کسی کو بتایا ہے ؟ تو اس نے کہا تھا کہ اس کا حال یا تو اس عورت کو معلوم ہے یا تم کو یا مجھ کو یا خدا تعالیٰ کو اور کسی چوتھے انسان کو معلوم نہیں۔ مرتے ہوئے جب اُس نے یہ کہا تو آپ کو کہاں سے خبر ہوئی۔ غرضکہ اس عورت کا نام مجھ کو نہ بتایا۔ ہمارے شہر میں ایک محلہ ہے وہاں کی عورتیں کسی قدر خط و خال میں اچھی ہوتی ہیں۔ اور ان لوگوں میں پردہ کا رواج بھی نہیں گو مسلمان ہیں۔ اس محلّہ کی عورتیں ایک روز کسی شادی میں جاتی تھیں میں بھی اتفاق سے اُس طرف سے گذرا ان کو دیکھ کر مجھ کو یقین ہوا کہ اس وقت اس محلّہ کی سب عورتیں یہیں ہیں میں نے اُن سے کہا "مائیو! دیوار کے ساتھ مل کر ایک صف تو بناؤ" میرے بزرگوں کی وجاہت ایسی تھی کہ انہوں نے میری بات مان لی اور سڑک کے کنارے سب ایک صف میں کھڑی ہو گئیں۔ ان میں بعینہٖ وہی لڑکی جو میں نے رویا میں دیکھی تھی نظر آئی جو ابھی کنواری ہی تھی میں نے ان سے کہاکہ اس کو میرے پاس بھیجدو۔ چنانچہ بعض دُوسری عورتوں نے اسکو دھکیل کر میری طرف بھیجدیا جب میرے قریب آئی تو میں نے اس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے ؟ اس نے اپنا نام مجھ کو بتا دیا۔ اس کا نام دریافت کر کے میں نے اُن سے کہاکہ بس اب چلی جاؤ۔ کچھ دنوں کے بعد اس متوفی کا وہی دوست مجھ کو ملا میں نے اس سے کہاکہ تم نے ہمیں اس عورت کا نام نہ بتایا مگر ہم کو معلوم ہو گیا وہ فلاں محلہ کی لڑکی ہے اور اس کا نام یہ ہے۔ وہ سُنکر ہکا بکا سا رہ گیا اور کہاکہ ہاں یہی نام ہے مگر آپ کو کس طرح معلوم ہوا۔ میں نے اُس سے اپنے رویاء کا ذکر نہ کیا اور نہ مناسب تھا۔

ایک اور رویاء میں نے پنڈدادنخاں میں دیکھا۔ وہاں ایک سررشتہ دار تھا جو اپنی فضولیوں میں بڑا مشہور تھا۔ میں نے اس کو دیکھا کہ وہ بہشت میں ایک بڑی اُونچی اٹاری پر ہے۔ جب میں نے اس کو اور اُس نے مجھ کو دیکھا تو میں نے اس سے کہا تم تو بڑے سیہ کار تھے تم کو بہشت میں اور پھر عرفات میں کیونکہ موقع ملا اُس نے جواب میں کہاکہ "میری غریب الوطنی پر جناب الٰہی نے رحم فرمایا"۔ میں نے بیداری کے بعد اس کی بہت جستجو کی مگر کہیں پتہ نہ لگا یہی معلوم ہوا کہ عرصہ سے مفقود الخبر ہے۔ دو برس کے بعد ایک میرے رشتہ دار نے مجھ کو بتایا کہ فلاں آدمی بمبئی کے قریب ایک مقام کلیانی میں مر گیا ہے وہ مکّہ معظمہ کو پیادہ جاتا تھا۔

(۱۲ر جون ۱۹۱۲ء)

میرا ایک بھتیجا تھا اس کا نام شہسوار تھا میں اس کو ہمراہ لے کر جموّں کے ارادہ سے گھر سے نکلا۔

میرے پاس ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ بیوی سے کچھ روپیہ قرض لے لوں لیکن طبیعت نے مضائقہ کیا اور ویسے ہی چل دیا ہم دونوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ شہر سے باہر ایک آدمی نے مجھے ایک روپیہ اور کچھ بتاشے دیئے ایک اور آدمی نے ایک اٹھنّی دی تین چار کوس چل کر سڑک کے کنارے آوان نام ایک گاؤں کے قریب پہنچے تو لڑکے نے مجھ سے کہا کہ بتاشے ہمارے پاس ہیں۔ گرمی ہے۔ اگر آپ فرمائیں تو میں یہاں کنویں پر جاکر شربت پی لوں؛ چنانچہ وہ لڑکا تھوڑی دُور جاکر پھر واپس ہوا اور مجھ سے کہا کہ آپ بھی آجائیں۔ ہم دونوں اس گاؤں میں پہنچے۔ لڑکے نے لوٹا کھولنا چاہا۔ لیکن کنویں والے نے کہا کہ ذرا آپ ٹھہر جائیں۔ خیر ہم بیٹھ گئے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ ٹھہرانے کی وجہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ گاؤں کے نمبردار نے دُور سے آپ کو دیکھا وہ دُودھ لینے کیواسطے گیا ہے۔ تھوڑے ہی وقفہ میں نمبردار آیا اور اس نے ایک روپیہ مجھ کو نذر دیا اس کا بیٹا کبھی میرے پاس علاج کے واسطے آیا تھا اور اچھا ہوگیا تھا۔ خیر ہم نے دُودھ پیا۔ جب اُٹھنے لگے تو اس نمبردار نے کہا کہ آپ ذرا ٹھہر جائیں غرض تھوڑی دیر میں وہاں کی مسجد کا مُلا آیا اور اس نے ایک روپیہ دیا چونکہ وہ غریب حالت میں تھا میں نے اس سے روپیہ لینا پسند نہ کیا۔ اس عرصہ میں گاؤں کے اور بھی بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ جب میں نے روپیہ واپس کرنا چاہا تو سب نے یک زبان ہو کر کہا یہ روپیہ تو ضرور لے لیں آپ ہرگز واپس نہ کریں۔ میں نے سبب پُوچھا تو کہا کہ یہ شخص بہت دنوں سے بیمار تھا اور اس نے آپ سے بذریعہ ڈاک جمّوں سے دوائی منگوائی تھی۔ یہ اس کے استعمال سے اچھا ہوگیا۔ ہم سب کہتے تھے کہ تُو نے دوا مفت منگوائی اور کوئی شکریہ بھی ادا نہیں کیا۔ اس نے کہا کہ اگر نور دین ہمارے گاؤں میں آئے تو روپیہ دیدوں گا۔ یہ کبھی روپیہ دینے والا نہیں آج اتفاق سے ہی قابو چڑھا ہے اب آپ اس سے روپیہ لے ہی لیں۔ عجیب بات ہے کہ میں اس سے پیشتر کبھی اس گاؤں میں نہیں گیا تھا (حالانکہ ہمارے شہر سے صرف ساڑھے چار میل کے فاصلہ پر ہوگا) اور نہ ہی اس کے بعد کبھی وہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ اب میرے پاس ساڑھے تین روپیہ ہوگئے غرض ہم ریل کے کنارے پر پہنچے اسٹیشن پر پہنچکر میرے دل میں خیال آیا کہ اس لڑکے کو لاہور دکھادیں میں نے اسٹیشن پر دیکھا کہ لاہور تک دو آدمیوں کا تھرڈ کلاس کا کرایہ تین روپے ہے۔ ہم نے دو ٹکٹ تھرڈ کلاس کے لیے اور لاہور پہنچ گئے۔ آٹھ آنے ہمارے پاس باقی تھے۔ اسٹیشن پر اُترے ایک گاڑی بان نے کہا سوار ہو جاؤ۔ ہم نے کہا انارکلی میں شیخ رحیم بخش کی کوٹھی پر اُترنا ہے کیا لوگے؟ اس نے کہا کہ ایک روپیہ سے کم نہ لوں گا۔ ہم نے کہا کہ ہمارے پاس تو ایک اٹھنّی ہے چاہو تو لے لو۔ اس نے ہنسکر اٹھنّی لے لی اور شیخ صاحب کے مکان پر ہم کو پہنچا دیا۔ کچھ دن لاہور رہنے کے بعد جب چلنے لگے تو شیخ صاحب نے اپنی گاڑی میرے لیے منگوادی اور آہستہ میرے

کان میں کہا کہ ہمارے نوکر کو آپ انعام نہ دیں۔ اسٹیشن پر مجھے یقین تھا کہ میں ابھی کی گاڑی جاؤں گا پیسہ تو پاس ایک بھی نہ تھا لیکن یقین ایسا کامل تھا کہ اس میں ذرا بھی تزلزل نہ تھا میرے کھڑے کھڑے ٹکٹ تقسیم ہونے شروع ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے بند ہو گئے۔ ٹرین بھی آئی۔ مسافر بھی سوار ہو گئے اندر جانے کا دروازہ بھی بند کر دیا گیا انجن نے روانگی کی سیٹی دی اسوقت مجھ کو یقین تھا کہ اسی گاڑی پر جاؤں گا جب بالکل گاڑی چلنے ہی کو تھی تو ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نوردین نوردین پکارتا ہوا دور تک چلا گیا اور گاڑی میں کوئی ایسا واقعہ ہوا کہ وہ چل کر پھر رُک گئی وہ شخص پھر واپس آیا اور مجھے دیکھ لیا اور دیکھتے ہی دوڑتا ہوا اسٹیشن کے کمرہ میں گیا وہاں سے تین ٹکٹ لایا ایک اپنا اور دو ہمارے ساتھ ہی ایک سپاہی بھی لایا دروازہ کھلوایا اور ہم تینوں سوار ہوئے ہمارے سوار ہوتے ہی ٹرین چل دی۔ اس نے کہا کہ مجھ کو آپ سے ایک نسخہ لکھوانا ہے۔ میں نے نسخہ لکھ دیا اور پھر ٹکٹوں کو دیکھنے لگا کہ کہاں تک ہیں اور کیا کرایہ دیا گیا ہے وہ خود ہی فوراً بولا کہ میں ان ٹکٹوں کے دام ہرگز نہ لوں گا۔ میں بھی خاموش ہو گیا۔ ٹکٹ وہیں تک کے تھے جہاں ہم کو جانا تھا یعنی وزیر آباد۔ وہ تو نسخہ لکھوا کر شاہدرہ اُتر گیا۔ ہم وزیر آباد پہنچے۔ میں نے لڑکے سے کہا کہ بیگ لیکر تم شہر میں سے ہوتے ہوئے سیدھے شہر کے دوسری طرف پہنچو پیچھے پیچھے میں بھی آتا ہوں۔ وزیر آباد سے جموں تک ریل نہ تھی راستہ میں ایک شخص ملا اس نے کہا کہ میری ماں بیمار ہے آپ اُس کو دیکھ لیں میں نے کہا یہ کوئی علاج کا موقع نہیں مجھ کو جانے کی جلدی ہے اس نے کہا میرا بھائی جو میرے ساتھ ہے یہ آگے اڈے پر جاتا ہے اور یکہ کرایہ کرتا ہے اتنے آپ میری ماں کو دیکھ لیں آپکو اڈے پر پہنچکر یکہ تیار ملے گا چنانچہ میں نے اس کی ماں کو دیکھا اور نسخہ لکھا جب میں وہاں سے چلا تو اس شخص نے چلتے چلتے میری جیب میں کچھ روپے ڈال دیئے جن کو میں اڈے پہنچنے سے پہلے ہی پہلے جیب میں ہاتھ ڈال کر گن لیا معلوم ہوا کہ دس روپیہ ہیں۔ اڈے پر پہنچے تو اس کا بھائی اور یکہ والا جھگڑ رہے تھے۔ یکہ والا کہتا تھا کہ دس روپیہ لونگا۔ اور وہ کہتا تھا کہ کم میں نے کہا جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں۔ دس روپیہ کرایہ ٹھیک ہے۔

لکھنؤ۔ رامپور وغیرہ

(۲ر جون ۱۹۰۹ء)

لکھنؤ میں میرے ایک استاد تھے اُنہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ بھلا یہ تو بتاؤ عبدالکریم یا کریم بخش تمہارے نزدیک کیسے نام ہیں میں نے کہا ایسے سوال کا جواب جو آپ نے کیا ہو میں کیا دے سکتا ہوں۔ کہا کہ یہاں لکھنؤ میں ایک ننگ دھڑنگ فقیر ہے اس کا نام کریم جی ہے جو عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ یہ بیٹا ہم کو کریم جی نے دیا ہے اسکا نام عبدالکریم یا کریم بخش رکھتی ہیں۔

(۳ر اگست ۱۹۰۸ء)

ایک مرتبہ لکھنؤ میں ایک مجتہد کے پاس ایک شیعہ آیا اُس نے اُن سے پوچھا کہ کربلا اور مکّہ کے حج میں کیا فرق ہے مجتہد نے کہا کہ مکہ کے حج میں تو بہت شرائط ہیں اور کربلا کے حج میں کوئی شرط نہیں۔ وہ سائل پاؤں چوم کر خوش ہو کر چلا گیا۔ جب وہ چلا گیا تو مجھ سے کہنے لگے کہ دیکھو میں تو کربلا کے حج کا قائل نہیں ہوں اسی وجہ سے تو میں نے کہا کہ کربلا کے حج میں کوئی شرط نہیں کیونکہ قرآن شریف میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

(۲۷ر دسمبر ۱۹۰۹ء)

میں نے لکھنؤ میں سُنا کہ حجام کو خلیفہ کہتے ہیں وجہ اس کی یہ کہ خلفائے راشدین سے ان کو عداوت ہے۔

(یکم جون ۱۹۰۹ء)

ہمارے ایک طبیب استاد تھے اُن کے یہاں ایک پہلوان آیا اس کو ہیضہ ہوا تھا انہوں نے اس سے یہ نہ کہا کہ تم کو ہیضہ ہے۔ کہا کہ میاں تمہارے معدہ میں فتور و بدہضمی ہے اُس نے یہ سُن کر ایک مگدر (نال) کو جو سامنے پڑا ہوا تھا اُٹھانے کے لیے جھک کر کہا کہ بدہضمی تو ہمارے پاس بھی نہیں پھٹک سکتی لو دو چار ہاتھ اس کے ابھی نکالتا ہوں۔ یہ کہہ کر ایک ہاتھ سے اس کو اُٹھا لیا ہاتھ اوپر کو سیدھا کیا اور فوراً اسی حالت میں دم نکل گیا۔

(۱۹ر اکتوبر ۱۹۱۲ء)

رامپور میں ہمارے اُستاد حکیم صاحب کے یہاں بڑی بڑی سینیوں میں جلیبیاں آئیں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم یہ بتاؤ کہ ان جلیبیوں کا کھانا جائز ہے یا نہیں یہ پیران پیر صاحب کی گیارھویں کی ہیں۔ میں نے کہا آپ عالم

ہیں مجھ سے کیا دریافت فرماتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمارے لیے تو ان کا کھانا جائز ہے۔ میں نے کہا مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ کا آپ کو خیال نہیں؟ کہا کہ تم کسی طالب علم کو جو گیلانی سیّد ہو بھیجکر دیکھو وہ وہاں جا کر اپنا گیلانی سیّد ہونا بیان کرے اور کچھ مانگے۔ دھکوں اور جوتیوں کے سوا اور کچھ نہ ملے گا۔ ہمارے یہاں اس قدر آئی ہیں۔ فلاں رئیس کے یہاں اس قدر اور فلاں اہلکار کے یہاں اسقدر گئی ہوں گی۔ یہ سب ریاکاری اور نمود کے لیے کرتے ہیں۔

(۱۱ اگست ۱۹۰۸ء)

میں رامپور میں جن حکیم صاحب سے طب پڑھتا تھا وہ بڑے آدمی تھے اُن کے یہاں بہت سے مہمان لکھنؤ وغیرہ کے پڑے رہتے تھے۔ وہیں مرزا رجب علی بیگ سرور مصنّف فسانۂ عجائب بھی جو بہت بوڑھے آدمی تھے رہتے تھے۔ میں نے ایک دن اُن سے کہا کہ مرزا صاحب مجھ کو اپنی کتاب فسانۂ عجائب پڑھا دو۔ میں اس کتاب کو آپ سے پڑھ کر اس کی سند لینا چاہتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا بہت اچھا۔ میں نے ایک ہی دو صفحہ پڑھا تھا کہ یہ فقرہ آیا کہ "اِدھر مولوی ظہور اللہ و مولوی محمد مبین وغیرہ اور اُدھر مولوی تقی و میر محمد مجتہد وغیرہ"۔ میں نے اس فقرہ پر پہنچکر اُن سے کہا کہ مرزا صاحب یہ بتاؤ کہ تم سُنّی کیسے ہوئے۔ نہایت حیران اور متعجب ہو کر کہنے لگے کہ تم نے یہ کیسے معلوم کیا کہ میں سُنّی ہوں۔ میں نے کہا۔ کہ آپ کو اس سے کیا۔ آپ ہیں تو سُنّی۔ یہ بتا دیجئے کس طرح سُنّی ہوئے۔ اُنہوں نے کہا تم اوّل بتاؤ میرا سُنّی ہونا کس طرح معلوم کیا؟ میں نے کہا اِدھر کا لفظ اپنی طرف اشارہ ہوتا ہے آپ نے اِدھر کے ساتھ سُنّی مولویوں کے نام لکھے ہیں اور جب لکھا ہے اُدھر تو اُدھر کے ساتھ شیعوں کے نام لکھے ہیں۔ دلیل اس بات کی ہے کہ تم سُنّی ہو۔ سُن کر ہنس پڑے اور کہا کہ لو میرے سُنّی ہونے کی داستان سُنو۔ میں جب لکھنؤ سے دلی آنے لگا تو لکھنؤ کے بادشاہ نے مجھ سے کہا کہ تم دلّی جاتے ہو وہاں شاہ عبدالعزیز سے ضرور مل کر آنا۔ میں دلّی آیا اور شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن یہ سوچ کر کہ یہ عربی کے بہت بڑے عالم ہیں اور میں عربی جانتا نہیں اُردو میں عربی الفاظ بھی بکثرت استعمال ہوتے ہیں ان کے سامنے اگر عربی کا کوئی لفظ زبان سے غلط نکلا تو یہ بہت ہی حقیر سمجھیں گے کہ یہ شاعر کیسا ہے کہ الفاظ بھی صحیح نہیں بول سکتا۔ میں خاموش ہی بیٹھا رہا اور خاموش ہی اُٹھ کر چلا آیا۔ دوسرے دن کچھ عبارت یاد کی کہ اس طرح گفتگو کروں گا اور الفاظ بہت سوچ سمجھ کر اور تحقیق کر کے صحیح صحیح یاد کر لیے۔ لیکن جب وہاں گیا تو پھر یہ خیال ہوا کہ اگر گفتگو بڑھی اور مجھ کو اور کچھ باتیں کرنی پڑیں تو بڑی مشکل ہو گی اسی خیال سے پھر خاموش رہا۔ غرض تین روز تک اسی طرح جاتا اور خاموش ہی اُٹھ کر واپس آتا رہا۔ یہ بھی خیال تھا کہ جب لکھنؤ جاؤں گا تو بادشاہ دریافت کریں گے کہ دلّی میں شاہ عبدالعزیز صاحب سے مل کر آئے کیا باتیں ہوئیں؟ تو کیا

جواب دُوں گا۔ اس وجہ سے روز جاتا بھی تھا۔ ایک دن شاہ صاحب نے خود ہی مجھ کو مخاطب فرمایا اور کہا کہ میاں تم کہاں سے آئے ہو کیسے آئے ہو؟ مَیں نے کہا کہ مَیں لکھنؤ رہتا ہوں اُنہوں نے فرمایا کہ لکھنؤ میں کہاں؟ مَیں نے کہا کہ پکّے پُل پر۔ یہ سُن کر اُنہوں نے فرمایا کہ ہاں تم تو چاند پور کے رہنے والے ہو۔ مَیں نے کہا کہ نہیں مَیں لکھنؤ رہتا ہوں اُنہوں نے فرمایا کہ ہاں لکھنؤ میں کس مقام پر۔ مَیں نے کہا کہ پکّے پُل پر کچھ سوچ کر فرمایا کہ ہاں تو تم چاند پور کے رہنے والے ہو۔ مَیں سُن کر خاموش رہا۔ مَیں نے شاہ صاحب سے عرض کیا کہ شیعہ سُنّی کا جھگڑا کس طرح طے ہو۔ اُنہوں نے فرمایا کہ تم یہ بتاؤ کہ ہمارے اور شیعوں کے درمیان کوئی چیز بھی مابہ الاشتراک ہے۔ مَیں نے کہا کہ ہاں قرآن شریف کو شیعہ بھی مانتے ہیں اور سُنّی بھی۔ اُنہوں نے کہا کہ بس تو اب آسان طریقہ یہ ہے کہ قرآن شریف جو مذہب تعلیم فرمائے اسی کو قبول کر لو۔ مَیں نے کہا مَیں تو عربی نہیں جانتا کہا کہ ہمارے بھائی رفیع الدین نے قرآن شریف کا ترجمہ لکھا ہے تم اس ترجمہ کو پڑھو اور جو لفظ ترجمہ کا سمجھ میں نہ آئے بس اسی لفظ کے اوپر کا اصل عربی لفظ لیکر کسی سنّی یا شیعہ مولوی سے اُس لفظ کے معنی دریافت کر لو لیکن صرف اسی لفظ کے معنی۔ آگے پیچھے کی عبارت دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح تمام ترجمہ خوب سمجھ کر پڑھ لو۔ چنانچہ مَیں نے وہ ترجمہ پڑھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مَیں تو سُنّی ہو گیا۔ مَیں جب واپس ہو کر لکھنؤ گیا تو بادشاہ نے مجھ سے دریافت کیا مَیں نے قرآن شریف والی بات کا ذکر تو کیا نہیں۔ بادشاہ سے عرض کیا کہ کیا بتاؤں وہ چاند پور کہتے رہے اور مَیں لکھنؤ کہتا رہا۔ بادشاہ نے کہا کس طرح اتفاق ہوا مفصّل بیان کرو۔ جب مَیں نے مفصّل بیان کیا تو بادشاہ نے فوراً حکم دیا کہ تمام پرانے کاغذات اور نوشتے بہم پہنچا کر اس بات کو تحقیق کرو کہ لکھنؤ کی آبادی سے پیشتر اس تمام قطعہ زمین میں جہاں اب لکھنؤ آباد ہے کون کون سے گاؤں آباد تھے۔ چنانچہ بہت دنوں میں یہ بات تحقیق ہو کر بادشاہ کی خدمت میں تحقیق کا نتیجہ پیش کیا گیا تو معلوم ہوا کہ جہاں پکّا پُل ہے وہاں پیشتر چاند پور نام ایک آبادی تھی بادشاہ نے بڑا تعجّب کیا کہ افسوس ہم کو اپنے شہر کا جغرافیہ معلوم نہیں اور شاہ عبدالعزیز دلّی میں بیٹھے ہوتے ہمارے شہر کے جغرافیہ سے اس قدر واقف!!

(۱۳؍ اگست ۱۹۰۸ء)

رامپور میں مَیں نے ایک شخص کو دیکھا ان کا نام نورالدین تھا اُنہوں نے غیر مقلدوں کے ردّ میں ایک کتاب لکھی اس کتاب میں پہلی ہی دلیل یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام بھی حنفی مذہب رکھتے تھے كَانَ حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ اُس کتاب کی قیمت پچیس ہزار روپیہ رکھی تھی مجھ سے کہا کہ تم ایک کتاب لے لو پچھ اب دیدو چاہے ایک پیسہ باقی قیامت کو دیدینا۔ مَیں نے کہا کہ مَیں تو قیامت کا قائل ہوں۔

(۲۲ فروری ۱۹۱۲ء)

لکھنؤ میں ایک بڑا ذکی نوجوان تھا باتوں باتوں میں میرا اسکا جھگڑا ہوگیا ہمارے اُستاد نے کہا کہ اچھا تم دونوں میں سے جو وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا الخ کے معنے کرے وہ جیت گیا۔

(۴ جنوری ۱۹۱۲ء بعد عصر)

میرے ایک بنارس کے رہنے والے محسن مولوی عبدالرشید تھے اُنہوں نے میرے ساتھ بڑی نیکیاں کی ہیں وہ مراد آباد میں رہتے تھے ایک مرتبہ ایک مہمان عشاء کے بعد آگیا۔ ان بنارسی بزرگ کے بیوی بچے نہ تھے مسجد کے ایک حجرہ میں رہتے تھے حیران ہوئے کہ اب اس مہمان کا کیا بندوبست کروں اور کس سے کہوں۔ اُنہوں نے مہمان سے کہا کہ آپ کھانا پکنے تک آرام کریں۔ وہ مہمان لیٹ گیا اور سوگیا۔ اُنہوں نے وضو کر کے قبلہ رُخ بیٹھ کر یہ دُعا پڑھنی شروع کی اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ۔ جب اتنی دیر گذری کہ جتنی دیر میں کھانا پک سکتا ہے یہ برابر دُعا پڑھنے میں مصروف تھے کہ کسی آدمی نے باہر سے آواز دی کہ حضرت میرا ہاتھ جلتا ہے جلدی آؤ۔ یہ اُٹھے ایک شخص تانبے کی رکابی میں گرم گرم پلاؤ لیے ہوئے آیا اُنہوں نے لے لیا اور مہمان کو اُٹھا کر کھلایا۔ وہ حجرہ ابتک میری آنکھوں کے سامنے ہے اُس رکابی کا کوئی مالک نہ نکلا۔ وہ تانبے کی رکابی رکھی رہتی تھی اور وہ کہا کرتے تھے جس کی رکابی ہو لیجائے لیکن کوئی اس کا مالک پیدا نہ ہوا۔

(۶ جون ۱۹۰۹ء بعد نماز عصر قبل از درس)

مَیں رامپور میں تین سال تک رہا ہوں وہاں کے پٹھانوں کے اکثر حالات سے واقف ہوں۔ عموماً یا تو قصائی کی دُکان پر ان کی لڑائی ہوتی ہے یا لڑکوں کے پیچھے یہ پٹھان لوگ بڑے شریف اور باوفا ہوتے ہیں اور شریفانہ خصائل پٹھانوں کے بہت ہی قابل ستائش ہوتے ہیں (آگے کلن خان رامپوری کا قصہ بیان فرمایا جو آپ نے اپنے سوانح میں بھی لکھوایا ہے اس لیے یہاں نہیں لکھا جاتا)۔

(مولانا مولوی محمد علی صاحب کی بڑی بیوی کے کفن دفن سے فارغ ہوکر مسجد مبارک میں آئے اور ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کی لڑکی حمیدہ بیگم اور بابو شاہدین مرحوم کی چھوٹی بیوی رسول بیگم دونوں کے نکاح کا خطبہ پڑھا (دونوں کا نکاح حسب ترتیب اسداللہ اور بابو منظور الٰہی کے ساتھ ہوا) اور خطبہ میں فرمایا:)

قاری عبدالرحیم صاحب رام پوری جو آخر میرٹھ میں رہتے تھے میرے ایک مخلص دوست نے ان سے دریافت کیا کہ تم سب بھائی اس قدر نیک اور فرشتہ خصال کیوں ہو؟ اُنہوں نے فرمایا کہ ہمارے ماں باپ جب قصدِ جماع

کرتے تو ان کی عادت تھی کہ پہلے دونوں دُعائیں مانگتے رہتے کہ الٰہی ہم کو صالح اولاد عطا کر اُسی کا یہ اثر ہے کہ ہم سب بھائی ایسے ہیں اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔

کشمیر و جمّوں

(۳ دسمبر ۱۹۱۳ء)

ہمارے ایک واقف کار موتی رام تھے میرے ایک لڑکے کا انتقال ہوا تو موتی رام کہنے لگا کہ دیکھو مولوی صاحب مشاہدہ کا تو انکار نہیں ہو سکتا میں نے کہا ہاں ــــ کہا کہ ہمارے باپ دیوی جی کے مندر سے دو پستے لائے اُنکے کوئی اولاد نہ تھی اور دو بیویاں تھیں ایک نے پستہ نہ کھایا دُوسری نے دونوں کھا لیے اور ہم دو بھائی پیدا ہو گئے میں نے کہا تمہارے بھائی شب لال بڑی بھنگ پیتے ہیں تم بھی اُن سے تنگ ہو۔ کہا ہاں۔ موتی رام ہمیشہ دائم المرض رہتے تھے میں نے کہا تم ہمیشہ مریض رہتے ہو کہا ہاں۔ میں نے کہا پھر میں ایسے لڑکے کو کیا کروں گا۔

اسی طرح کشمیر میں ایک مندر نیا بنایا گیا اس میں ایک بڑی بھاری پتھر کی مورت رکھنی تھی بہت سے کشمیری مسلمانوں کو بلایا اُنہوں نے رسّے باندھے کچھ اوپر سے کھینچتے تھے کچھ نیچے سے دھکیلتے تھے اوپر والے کہتے تھے لَآ اِلٰہَ نیچے والے کہتے تھے اِلَّا اللّٰہُ اسی طرح اس کو چڑھا رہے تھے میں نے ایک ہندو سے جو مہذّب معلوم ہوتا تھا کہا کہ یہ بدون توحید کے تو چڑھتا نہیں۔ اُس نے کہا کہ یہ ابھی پاک نہیں میں نے کہا تو یہ ابھی ناپاک ہے کہا کہ ہاں ایسا ہی کہنا پڑتا ہے۔ بت پرستی بڑی لغو چیز ہے۔ بت پرستوں کی عقل ماری جاتی ہے۔ تعجب ہے کہ ہمارے مُسلمان بھی بُت پرستی میں گرفتار ہیں۔

(۵ جنوری ۱۹۰۹ء)

میں کشمیر میں تھا ایک روز دربار کو جا رہا تھا یار محمد خاں ایک شخص میری اردلی میں تھا۔ اس نے راستہ میں مجھ سے کہا کہ آپ کے پاس جو یہ پشمینہ کی چادر ہے یہ ایسی ہے کہ میں اس کو اوڑھ کر آپ کی اردلی میں بھی نہیں چل سکتا۔ میں نے اُس سے کہا کہ تجھ کو اگر بُری معلوم ہوتی ہے تو میرے خدا کو تجھ سے بھی زیادہ میرا خیال ہے میں جب دربار میں گیا تو وہاں مہاراجہ نے کہا کہ آپ نے ہیضہ کی وبا میں بڑی کوشش کی ہے آپ کو تو خلعت ملنا چاہیے چنانچہ ایک قیمتی

خلعت دیا اُس میں جو چادر تھی وہ نہایت ہی قیمتی تھی۔ میں نے یار محمد خاں سے کہا کہ دیکھو ہمارے خدا کو ہمارا کیسا خیال ہے۔

(۱۱۔ دسمبر ۱۹۱۱ء)

میں کشمیر میں تھا وہاں ایک نجوم کا اعلم العلماء یعنی تمام پنڈتوں کا اُستاد جوتشی تھا اس کی رسائی مہاراجہ کے گھر میں اندر عورتوں تک بھی تھی۔ میں نے اُنہی ایام میں کچھ عرصہ سے دربار میں جانا چھوڑ دیا تھا۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ یہ بتاؤ ہم دربار میں کب جائیں گے؟ اس نے اپنے بہت سے شاگردوں کو جمع کر کے کہا کہ اس سوال پر غور کرو سب نے اتفاق کر کے ایک تاریخ مقرر کی۔ میں نے کہا یہ تاریخ غلط ہے۔ پھر پنڈت صاحب نے خود بھی غور کی اور سب کے اتفاق سے ایک تاریخ معین ہوئی۔ میں نے کہا کہ یہ بھی غلط ہے۔ پھر میں نے کہا کہ ہم بتاتے ہیں رات کا پچھلا حصہ ہوگا۔ فلاں تاریخ ہوگی جب ہم بُلائے جائیں گے۔ اگر کہو تو اس وقت تم کو بھی جگادیں چنانچہ اُسی تاریخ اور اسی وقت جب آدمی بُلانے آیا تو میں نے اُس سے کہا کہ فلاں راستہ سے چلیں گے۔ چنانچہ راستہ میں جب پنڈت جی کا مکان آیا تو میں نے پنڈت جی کو بلایا وہ سوتے ہوئے اُٹھ کر باہر آئے۔ میں نے کہا کہ دیکھو ہم بلائے ہوئے جارہے ہیں۔ اس کے بعد پنڈت جی مجھ سے کہا کرتے تھے کہ "مہاراج تمہارا تاجک بڑا زبردست ہے ہم کو بھی بتادو"۔ ہماری نجوم درحقیقت صرف اسی قدر تھی کہ پیشتر سے یہ معلوم تھا کہ فلاں تاریخ کو آم آنے والے ہیں میں جانتا تھا کہ یہ بہت کھا جائیں گے اور ہماری ضرورت پڑے گی۔ آم کھانے سے ہمیشہ رات کے پچھلے حصہ میں نفخ ہوا کرتا ہے۔

(۱۳۔ مئی ۱۹۰۹ء)

میں پندرہ سولہ برس تک ایک غیر مسلم (مہاراجہ کشمیر) کا نوکر رہا مجھ کو ایک دفعہ بھی سلام نہ کرنا پڑا۔ صرف ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ تمام اہلِ دربار کو نذریں دکھلانی لازمی تھیں۔ نذر دکھلانا بھی ایک قسم کا سلام ہی ہے۔ موقع کچھ ایسا ہی تھا کہ میں نے بھی نذر دکھلانے کا عزم کیا۔ روپیہ ہاتھ میں لیکر جب میں نذر دکھلانے والا تھا۔ ویسے ہی بلا کسی خیال کے میری نظر روپیہ پر پڑی۔ میں ہتھیلی پر روپیہ لیے ہوئے خود ہی جب اس کو دیکھ رہا تھا تو مہاراج نے مجھ کو آواز دیکر کہا کہ مولوی صاحب! آپ نذر دکھلاتے ہیں یا روپیہ دیکھتے ہیں۔ میں نے بیساختہ کہا کہ مہاراج روپیہ کو دیکھتا ہوں کہ یہ روپیہ ہی ہے جس کی وجہ سے مجھ کو نذر دکھلانیکی ضرورت پیش آئی۔ یہ سُن کر فوراً مہاراج نے کہا کہ ہاں! آپ کو نذر دکھلانے کی ضرورت نہیں۔ آپ تو نذر دکھلانے سے آزاد ہیں۔ سب ہنس پڑے اور اس طرح بات ہنسی میں ٹل گئی اور مجھ کو نذر بھی نہ دکھلانی پڑی۔

(۴ اکتوبر ۱۹۱۲ء)

مَیں جموں میں تھا وہاں ایک روز راجہ کے سامنے ایک شخص مسمّٰی مرزا پیارے نے ستار بجایا راجہ نے ستار سن کر کہا کہ مرزا صاحب نے خوب ستار بجایا مرزا صاحب نے جُھک کر سلام کیا بس اُسی حالت میں سر جھکائے اور ہاتھ اُٹھائے ہوئے دم نکل گیا۔

(۸ مئی ۱۹۰۹ء قبل مغرب بعد درس)

کشمیر میں میرے پاس ایک نوجوان رہتا تھا مَیں نے اُس کو بار بار سمجھایا کہ ہمارے پاس رہتے ہو قرآن شریف پڑھا کرو وہ ٹالتا ہی رہتا تھا۔ مَیں کشمیر سے وطن کو آنے لگا وہ جوان بھی میرے ساتھ چلا۔ راستہ میں ایک مقام ادھم پور ہے ہم وہاں اُترے وضو کیا نماز پڑھی وہیں ڈاک آئی جس میں اس کی نوکری کا پروانہ آیا۔ وہ بڑا خوش ہوا۔ ادھم پور سے چل دیئے۔ وہ جوان میرے ڈر سے سفر میں ایک حمائل اپنے گلے میں لٹکائے رکھتا تھا جب ادھم پور سے کئی چڑھائیاں اور کئی اتار ہم طے کر چکے اور نیچے اُتر کر ایک تالاب کے کنارے ذرا دم لینے اور آرام کرنے کے لیے ٹھہرے تو اُس لڑکے نے کہا کہ مولوی صاحب میرا قرآن شریف تو وہیں درخت سے لٹکا ہوا رہ گیا جہاں نماز پڑھی تھی مگر خیر مَیں اب لاہور جاتے ہی سب سے پہلا کام یہ کروں گا کہ ایک عمدہ قرآن شریف خریدوں گا مَیں نے کہا بس اب تم کو قرآن شریف پڑھنے کا موقعہ نہ ملے گا قرآن شریف تو تم سے گیا۔ چنانچہ جاتے ہی پولس کا کام سپرد ہوا اور قصہ مختصر پھر اس کو قرآن شریف پڑھنا نصیب نہ ہوا۔ اب چند روز ہوئے اس کا خط میرے پاس آیا تھا وہ لکھتا ہے کہ مجھ کو آج تک بھی قرآن شریف پڑھنا نصیب نہ ہوا مگر ہاں میرا ارادہ ہے کہ اپنے لڑکے کو قرآن شریف پڑھاؤں۔

(۱۰ مئی ۱۹۰۹ء بعد نماز ظہر)

ایک مرتبہ مہاراجہ کشمیر نے مجھ سے کہا کہ کیوں مولوی جی تم ہم کو تو کہتے ہو کہ تم سؤر کھاتے ہو اس لیے بیجا حملہ کر بیٹھتے ہو بھلا یہ تو بتاؤ کہ انگریز بھی تو سؤر کھاتے ہیں وہ کیوں اس طرح ناعاقبت اندیشی سے حملہ نہیں کرتے مَیں نے کہا کہ وہ ساتھ ہی گائے کا گوشت بھی کھاتے رہتے ہیں اُس سے اصلاح ہو جاتی ہے یہ سُنکر خاموش ہی ہو گئے اور پھر دو برس تک مجھ سے کوئی مذہبی مباحثہ نہیں کیا۔

(۶ اکتوبر ۱۹۱۲ء بعد عصر)

مَیں مہاراجہ کشمیر کے یہاں نوکر ہوا تو مَیں نے بعض احباب کے مشورہ سے درخواست دی کہ میری تنخواہ ماہ بماہ مجھ کو ملا کرے۔ انہیں احباب کے مشورہ سے مَیں اس وقت دربار سے غیر حاضر تھا جبکہ میری درخواست پیش

ہوئی مہاراج بہت ناراض ہوئے کہ ہمارا اعتبار نہیں کرتے اور تنخواہ ماہ بماہ لیتے ہیں تمام حاضرین دربار نے یک زبان ہو کر میری تائید کی اور کہا کہ انکا خرچ بہت ہے اور بدون اس کے گذر مشکل ہے۔ خیر میری درخواست پر تو میرے حسب منشا لکھا گیا لیکن جب میں دربار میں گیا تو مجھ کو سنانے کے لیے مہاراج نے کہا کہ بعض لوگ اپنی تنخواہ ہم سے پہلے ٹھہراتے اور ماہ بماہ مانگتے ہیں لیکن ہمارے وزیر اعظم دس برس سے یہاں نوکر ہیں ابتک تنخواہ مانگنا تو درکنار تنخواہ مقرر بھی نہیں ہوئی میں نے کہا کہ پھر وہ کھاتے کہاں سے ہیں؟ بعد میں مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ قریباً تمام اہلکاروں کی یہی حالت ہے مگر مہاراج کو سمجھائے کون؟ میں نے کہا دیکھو ہم ہی سمجھائیں گے اُس نے کہا کہ آپ ہی صرف ایسے شخص ہیں جن کی تنخواہ ماہ بماہ مقرر ہوئی ہے ورنہ چھ ماہی سے کم کسی کو تنخواہ نہیں ملتی۔

(۳۱ مئی ۱۹۰۹ء)

میں ریاست کشمیر میں ملازم تھا وہاں میری بڑی تنخواہ تھی بعض اسی اسی روپیہ ماہوار کے طبیب مجھ سے اوّل بیٹھنے کی کوشش کرتے اور میں ان کو آگے بیٹھنے دیتا اور بہت خوش ہوتا۔ وہاں ایک بوڑھے آدمی تھے انہوں نے بہت سے علوم و فنون کی حدود یعنی ابتدائی تعریفیں یاد کر رکھی تھیں بڑے بڑے عالموں سے کسی علم کی تعریف دریافت کرتے وہ جو کچھ بیان کرتے یہ اس میں کوئی نہ کوئی نقص نکال دیتے کیونکہ پختہ الفاظ تعریفوں کے یاد تھے اس طرح ہر شخص پر اپنا رعب بٹھانے کی کوشش کرتے ایک دن سر دربار مجھ سے دریافت کیا کہ مولوی صاحب حکمت کس کو کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ شرک سے لیکر عام بداخلاقی تک سے بچنے کا نام حکمت ہے۔ وہ حیرت سے دریافت کرنے لگے کہ یہ تعریف حکمت کی کس نے لکھی ہے؟ میں نے دہلی کے ایک حکیم سے جو حافظ بھی تھے اور میرے پاس بیٹھے تھے کہا کہ حکیم صاحب انکو سورۂ بنی اسرائیل کے چوتھے رکوع کا ترجمہ سُنا دو جس میں آتا ہے ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ پھر تو وہ بہت ہی حیرت زدہ سے ہو گئے۔

(یکم جون ۱۹۰۹ء)

میں جب کشمیر میں تھا تو وہاں ایک شخص آیا اُس کا تعلق خبیث ارواح سے تھا۔ مہاراج نے ایک بنگالی ڈاکٹر کو جو مہاراج کے ہاں نوکر تھا بھیجا اُس نے کچھ مٹھائی اور پیسے وغیرہ اُس کے سامنے رکھے۔ اُس شخص نے کہا کہ اس کے دل میں یہ خیال ہے اور رخصت چاہتا ہے وہ بنگالی ڈاکٹر سُنکر حیران ہی رہ گیا کیونکہ اُس کے دل کی بات ٹھیک ٹھیک بتائی گئی تھی۔ پھر دہلی کے ایک حکیم صاحب کو بھیجا ان کے دل کی بات بھی اسی طرح اس نے بتادی اور وہ بھی غرق حیرت ہو کر چلے آئے۔ کچھ دل میں سوچ کر میں بھی گیا۔ میں لاحول پڑھتا رہا اس نے بڑی دیر تک غور کر کے

کہا کہ اس شخص کا حال مجھ کو معلوم نہیں ہوتا۔ یہاں ایک لڑکا رہتا تھا اس کا نام عبد العلی تھا اس کے باپ کو جنّات کے حاضر کرنے کا بڑا دعوےٰ تھا وہ میرے ساتھ اکثر رہا لیکن کبھی بھی میرے سامنے تو وہ جنّات کو حاضر نہ کر سکا۔

(۸ رجون ۱۹۰۹ء قبل از درس بعد نماز عصر مسجد مبارک میں جبکہ سیّد سرور شاہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب رامپور جانے کیلئے ۹ رجون کی صبح کو قصد روانگی رکھتے تھے ان کو چند نصائح فرماتے ہوئے۔)

مہاراجہ کشمیر سے بار ہا میرا مباحثہ ہوا ہمیشہ مَیں نے انہیں کو منصف مقرر کیا۔ اس کے بعد لکھنؤ کے ایک شیعہ حکیم صاحب سے عبقات الانوار سات سو صفحہ کی کتاب لیکر پڑھنے اور ضیافت کے بہانہ مباحثہ کے لیے بلائے جانے کا مفصّل حال بیان فرمایا جو آپ نے اپنی سوانح میں بھی لکھوایا ہے۔

(۱۰ رجون ۱۹۰۹ء)

مَیں نے ایک مرتبہ مہاراج کشمیر سے دریافت کیا کہ آپ کے یہاں بادشاہوں اور دُوسرے دیوتاؤں میں کیا فرق ہے کہا کہ دُوسرے دیوتا ناقص ہوتے ہیں اور راجہ کامل دیوتا ہوتا ہے۔ مَیں نے کہا ثبوت؟ کہا دیکھو ابھی ثبوت دیتے ہیں یہ کہکر ایک پنڈت کو بُلایا اور اس سے کہا کہ تم گدھا خیرات میں لے سکتے ہو؟ اُس نے کہا نہیں۔ پھر کہا کنجروں کا مال لے سکتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ کہا دیکھو یہ ناقص ہے اور ہم سب کچھ لے سکتے ہیں۔

(۱۰ راگست ۱۹۰۸ء)

مولوی عبد الکریم صاحب جب پہلے ہی پہلے مجھ سے ملے تو ان کی بہت چھوٹی عمر تھی۔ پتلے دُبلے اور بہت صاف دل تھے۔ مَیں نے اُن سے جمّوں میں کہا کہ تم میرے پاس آیا کرو۔ مولوی عبد الکریم چار زبانیں جانتے تھے۔ انگریزی۔ عربی۔ فارسی۔ اُردو مَیں نے تو اس وقت تک اپنی جماعت میں کوئی شخص نہیں دیکھا جو اُن کی طرح چار زبانیں اچھی طرح جانتا ہو۔

(۱۳ راکتوبر ۱۹۱۲ء در درس کلام اللہ)

مَیں کشمیر میں تھا ایک روز مَیں نے خود صبح کی اذان کہی۔ مَیں جوان تھا بڑے مزے میں خوب زور سے اذان کہی۔ میں جس محلہ میں رہتا تھا وہاں سب ہندو یا سکھ ہی رہتے تھے۔ صرف ایک مُسلمان تھے وہ بھی بچارے شراب کے نشے میں مخمور رہتے تھے۔ راجہ میری اذان سُن رہا تھا۔ دن میں مجھ سے کہا کہ آج صبح اذان کس نے دی مَیں نے کہا کہ مَیں نے دی تھی کہا کہ آپ نے حیّ علی الصّلوٰۃ کہا اور ایک دفعہ نہیں دو دفعہ کہا۔ یعنی نماز کے لیے آؤ تو کوئی اس آواز پر آیا نہیں چونکہ اذان کے لفظ بڑے ہی پُر تاثیر ہیں اس لیے مجھ کو بڑا ہی ڈر معلوم ہوا کہ یہ لوگ

حیَّ علی الصّلوٰۃ کی تعمیل نہیں کرتے کہیں سب کے سب غارت نہ ہو جائیں۔ میں چونکہ اسجگہ کا مالک ہوں اس لیے میں بڑا خوفزدہ بیٹھا رہا مطلب اس کہنے سے یہ تھا کہ آیندہ اذان نہ کہیں مگر ایک لطیف پیرایہ میں کہا۔

(۱۳؍اکتوبر ۱۹۰۸ء)

کشمیر میں جذامیوں کی تحقیقات کے لیے ایک کمیشن آئی۔ وہاں ایک سو چار جذامیوں میں سے ننیانوے ۹۹ مسلمان تھے۔

(۱۵؍اکتوبر ۱۹۱۰ء)

میں کسی زمانہ میں ایک بڑے امیر آدمی کے ساتھ باغ میں گیا۔ باغ میں سے اس امیر نے اپنے ہاتھ سے بادام توڑ کر مجھے دیئے۔ میں نے بادام دانت سے توڑ توڑ کر کھانے شروع کیے اس امیر (راجہ کشمیر) نے میری طرف بڑی حیرت سے دیکھا۔ یا آج یہ حالت ہے کہ چھوہارہ اور انگریزی مٹھائی نہیں کھا سکتا۔

(۱۶؍اکتوبر ۱۹۱۰ء)

مجھ سے ایک مرتبہ مہاراجہ کشمیر نے کہا کہ مولوی صاحب! ان اختلافوں کے مٹانے کے واسطے بھی کوئی معیار ہے؟ میں نے کہا کہ آپ ہی کچھ سوچئے کہ کیا معیار ہو سکتا ہے۔ کہنے لگے مذہب وہ سچا ہے جو پراچین (پورانا۔ قدیم) ہو اور تمہارا تو صرف بارہ سو برس سے ہے۔ میں نے کہا ہمارے یہاں فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ آیا ہے یعنی جو پورانا اور اچھا ہو اس کی پیروی کرو۔ سن کر کہا کہ رامچندر جی سب سے پورانے ہیں ہم ان کو مانتے ہیں۔ میں نے کہا رام چندر کس کی پرستش کرتے تھے؟ کہا کہ وشن کی۔ میں نے کہا وہ کس کی؟ کہا وہ رُدّر کی۔ میں نے عرض کیا اور وہ کس کی؟ تو کہا وہ برہما کی۔ میں نے کہا برہما کس کی؟ کہا کہ برہما کیول ایشور کی۔ میں نے کہا کہ بس وہی اسلام ہے کیا معنے وحدہٗ لاشریک کی پرستش کرتے ہیں۔

(۴؍فروری ۱۹۱۲ء)

میں نے جموں میں بہت درس دیئے ہیں۔ میں اپنی جیب سے بہت سے روپے بھی اس کام کے لیے خرچ کرتا تھا۔ پھر مجھ کو خدائے تعالےٰ نے سمجھایا کہ ہم تیرے لیے دوسری صورت پیدا کر دیں گے۔ اب میں کچھ زیادہ روپیہ بھی خرچ نہیں کرتا۔ اخلاص ایسی چیز ہے کہ یا تو میں ہزاروں روپے خرچ کر کے بعض نوجوانوں کو بنانا چاہتا تھا یا اب میں ایسے نوجوانوں کو جانتا ہوں جو مجھ پہ جان بھی دینے کو تیار ہیں۔ اور بالکل میرے جانگداز عاشق ہیں (کاش میں اُن میں سے ہوں۔ اکبر شاہ خان)۔

(۱۲ر نومبر ۱۹۱۱ء بعد مغرب)

مَیں جب ریاست پونچھ میں تھا تو وہاں میرا کوّا بڑھ گیا اور زبان پر زیادہ گرنے لگا۔ وَرم شدید ہوگیا۔ مَیں نے اسکو کٹوا دیا اس لیے میری آواز بھاری ہوگئی پھر ابتک کبھی کوّا نہیں بڑھا۔

(۷ر فروری ۱۹۱۲ء)

ایک مرتبہ کشمیر میں ایک شخص میرے مکان پر آکر مقیم ہوا بڑی بے تکلف اور محبت کی باتیں کیا کرتا تھا۔ بظاہر غریب آدمی معلوم ہوتا تھا۔ مَیں بھی اس سے محبت کرتا تھا۔ ایک روز موقع پاکر اُس نے تنہائی میں مجھ سے کہا کہ حضرت! دس ہزار روپے دلائے دیتے ہیں چاہے نقد چاہے زمین۔ مَیں نے ہرچند غور کیا مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا آخر مَیں نے ہنس کر کہا کہ کچھ کھول کر کہو۔ کہنے لگا کہ صرف اتنا کام ہے کہ رئیس کے متعلق یہ یہ باتیں ہیں ذرا ان کا پتہ لگا دو۔ باقی آپ کو کام کچھ نہ کرنا پڑیگا وہ ہم خود کر لینگے صرف پتہ صحیح بتا دو اور فلاں مقام پر آپ سے ملنے کے لیے ..... آجائیں گے۔ مَیں نے اُس سے کہا کہ مجھ کو ایسی باتوں سے دلچسپی نہیں۔ وہ اُسی دن میرے یہاں سے چلا گیا۔ دُوسرے کسی رئیس کے پاس گیا۔ وہاں جاکر کامیاب ہوگیا یا نہیں۔ اسی طرح ایک اور شخص بیمار بن کر میرے پاس آیا کہ میرے پاؤں میں درد ہے۔ مَیں ہرچند دوا دیتا لیکن درد نہ گھٹتا نہ بڑھتا وہ ایک گدی نشین تھا۔ مجھ کو شُبہ ہوا کہ یہ بھی اسی قسم کا آدمی ہے۔ مَیں نے اس کو تنہائی میں بُلا کر پوچھا کہ تم اپنا اصل مدعا بتاؤ؟ کہنے لگا کہ تم بڑے چالاک ہو کہ میری اصل غرض سمجھ گئے۔ پھر صاف طور پر کہا کہ ہاں بات یہی ہے تب ہی تو تمہارے پاس آئے ہیں۔ مَیں نے کہا کہ رئیس مجھ پر بھروسہ کرتا ہے مَیں ہرگز اس کی مخالفت میں کوئی کام نہ کروں گا۔

(۱۹ر اکتوبر ۱۹۱۲ء)

مَیں جموّں میں تھا وہاں وبا کے دنوں میں ایک ہاتھی کو خوب سیاہ کرکے نکالا گیا۔ ایک بنارس کا برہمن تھا اُسکا نام رام ہرک تھا اُس نے کہا یہ ہاتھی مجھ کو دیا جائے لوگوں نے کہا کہ ہاتھی کا دان بڑا منحوس ہوتا ہے اُس نے کہا بلا سے چاہے کچھ ہو یہ مجھ کو ضرور ملنا چاہیے چونکہ اس نے بہت کوشش کی لہٰذا وہ ہاتھی اسی کو مل گیا اور ساتھ ہی چند روز کا اس کے کھانے پینے کا خرچ بھی۔ شہر والوں نے کہا کہ چونکہ تم ہاتھی لیے جاتے ہو یعنی ہاتھی کے ساتھ شہر کی وبا بھی تمہارے ساتھ ہی جائے گی لہٰذا تم کو پھر کبھی یہاں واپس نہ آنے دیا جائیگا۔ برہمن نے کہا بہت اچھا مَیں واپس نہ آؤں گا۔ میرے پاس آیا تو مَیں نے کہا رام ہرک جی! بس اب تو تم کبھی اس ملک میں واپس نہ آسکو گے۔ کہنے لگا کہ میں اس ہاتھی کو کمسریٹ والوں کے ہاتھ جاکر کم سے کم سو روپیہ کو تو ضرور ہی فروخت کر دُوں گا اور ان ہندؤں

جاہل بُتوں کو پوجنے والی قوم کو دیکھو کیسا بیوقوف بناتا ہوں اور اسی ملک میں پھر واپس آتا ہوں۔ چند روز کے بعد ہم سرینگر گئے تو دیکھا وہاں رام ہرک جی موجود ہیں۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ تم تو دان کا ہاتھی لیکر گئے تھے یہاں کیسے آگئے اُس نے جواب دیا کہ وہ تو میں جموں کی دُبا لے گیا تھا اسی لیے جموں واپس نہیں گیا کہ اگر کشمیر کی دُبا کے حصّہ کا ہاتھی دو تو وہ ہاتھی لیجاکر پھر یہاں بھی واپس نہ آؤں گا۔

(۱۴ ستمبر ۱۹۰۹ء)

میرا ایک شاگرد تھا اُسکو مجھ سے حُسن ظن تھا وہ جموں کشمیر میں میرے پاس گیا میں نے اس کے لیے بہت کوشش کی اور وہ سَو روپیہ ماہوار کا نوکر ہوگیا۔ اب اس کو مجھ سے بدظنی ہوئی کہ اگر یہ چاہتے تو مجھ کو سَو روپیہ سے زیادہ کا نوکر کرا دیتے۔ اسی بدظنی کو بڑھاتے بڑھاتے اُس نے یہاں تک نوبت پہنچائی کہ پندرہ بااثر اشخاص کو اپنے ساتھ ملا لیا جن میں ایک پندرہ سَو روپیہ ماہوار کا نوکر تھا باقی سب بھی ایسے ہی معزز تھے۔ سب کے سب مل کر میری مخالفت کے درپے اور منصوبہ بازی میں لگے رہتے تھے۔ میں نے ایک دن اُن سب کی ضیافت کر دی اور صرف انہیں کی اُن کے نوکروں کی نہیں۔ جب وہ مکان میں سب آگئے تو میں نے اپنے آدمی کو حکم دیا کہ تمام دروازے بند کر دو۔ علاج معالجہ کے سبب بہت سے راجپوت اور فوجی پٹھان میرے معتقد تھے اور مہمان اس بات سے واقف تھے لہٰذا اُن کو یہ گمان ہوا کہ اس مکان میں پہلے سے آدمی بُلوا کر چھپا رکھے ہیں اور اب ہماری سب کی خبر لی جائیگی۔ جو اُن میں سب سے بڑا آدمی تھا وہ سب سے زیادہ ڈرا۔ میں نے ان سے کہا کہ تم ڈرو مت ہم نے تم کو گرفتار تو کر ہی لیا ہے تمہاری جان کو زیاں نہیں پہنچے گا۔ پھر میں نے اس آدمی سے جو سب سے زیادہ ڈرتا تھا مخاطب ہو کر اور کڑک کر کہا کہ اچھا تو شریک ہے یا نہیں؟ اُس نے ڈرتے ہوئے لرزتے ہوئے کہا کہ مجھ کو تو فلاں شخص نے یہ یہ باتیں کہہ کر شامل کیا۔ اُس شخص نے کہا کہ مجھ کو فلاں نے مجبور کیا۔ غرض اسی طرح آخر دو آدمیوں پر بات ٹھہری کہ تمام سازش کے بانی اور محرک یہ دونوں ہیں وہ دونوں چونکہ کمزور تھے اس لیے سب اُنہیں کے سر ہو گئے۔ ان دونوں میں ایک وہی ہمارا شاگرد تھا۔ اُس نے کہا کہ میں ان پر بڑی بڑی اُمیدیں رکھتا تھا یہ اگر چاہتے تو مجھ کو بڑی نوکری دلا سکتے تھے۔ اس بڑے آدمی نے کہا کہ یہ سَو روپیہ کی نوکری تو تجھ کو صرف مولوی صاحب ہی کی کوششوں سے ملی ہے ورنہ تو کہاں اور یہ نوکری کہاں! وہ سخت لاجواب خموش اور تصویر کی طرح دم بخود تھا۔ اب سب کو یقین تھا کہ بس حکم کی دیر ہے اور سب پر کفش کاری شروع ہوتی ہے۔ میں نے اُن سے کہا کہ میں تو تمہارے سب کے حوصلے دیکھتا تھا۔

(۱۰ر جون ۱۹۱۲ء)

ایک بڑا شخص اسّی ہزار میل مربع کا مالک تھا (مہاراجہ کشمیر) اس لیے اس کے پاس سپاہی بہت تھے مَیں نے جس زمانہ میں دیکھا اس کے پاس اڑتالیس ہزار فوج تھی۔ مَیں نے کہا آپ نے بہت آدمی دیکھے ہیں یہ تو بتائیے بہادر کی تعریف کیا ہے؟ کہا مَیں نے تو کوئی بہادر دیکھا نہیں۔ یہ جس قدر مونچھوں کو تاؤ دینے والے ہوتے ہیں کنچنیوں کے ساتھ تاش، چوسر، شطرنج کھیلنا خوب جانتے ہیں بہادر نہیں ہوتے۔ پھر ایک چھوٹے سے پتلے دُبلے آدمی کو دکھایا کہ بس یہ ایک شخص بہادر مَیں نے دیکھا ہے۔ یہ شیر کی طرح حملہ کرتا ہے۔

(۱۴ر جولائی ۱۹۱۲ء)

ایک ڈاکٹر جو کشمیر میں گورنر تھا وہ عورتوں مردوں کی مساوات کا بڑا ہی قائل تھا وہ ایک خیمہ میں بیٹھا ہوا عورت مرد کی مساوات کے متعلق بہت زور دیکر تقریر کر رہا تھا مَیں وہاں اتفاقاً چلا گیا۔ وہ اُس وقت تک مجھ کو پہچانتا نہ تھا۔ مَیں نے آہستگی سے پوچھا کہ حضور کا کوئی بیٹا ہے؟ اوّل تو اُس کو میرا لباس وغیرہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ یہ کون وحشی سا آدمی ہے جو باقاعدہ انٹر ڈیوس ہوئے بدوں مخاطب ہے مگر اُس نے آخر کہدیا کہ ہاں میرے ایک بیٹا ہے۔ مَیں نے کہا وہ آپ کی بیوی کے پیٹ سے ہی پیدا ہوا ہوگا؟ اب اس کو اور بھی تعجب ہوا مگر اُس نے کہدیا کہ ہاں مَیں نے بڑی جرأت کے ساتھ فوراً اُٹھ کر خوب زور سے اُس کی چھاتیوں کو پکڑ کر مروڑا مَیں جانتا تھا کہ وہ جسم میں مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں ہے اب تو وہ بہت گھبرایا لیکن میری جرأت کو دیکھ کر حیران بھی تھا۔ مجھ سے کہا یہ کیا بات ہے؟ مَیں نے کہا اب تو آپ کی باری ہوگی کہ بچہ جنیں میں یہ دیکھتا ہوں کہ آپ کی چھاتیوں میں دُودھ اُتر آیا یا نہیں اور کچھ بچّہ کا سامان شروع ہے یا نہیں۔ اُس نے اُس امیر سے جس کے خیمے میں آیا ہوا تھا پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اُس نے کہا کہ یہ بڑے آدمی ہیں۔ مَیں کیا بتاؤں یہ خود ہی بتادیں گے اب تو وہ اور بھی زیادہ حیران ہوا۔ مجھ سے کہنے لگا کہ آپ اپنا نام بتادیں گے۔ مَیں نے کہا کہ ہم فقیر آدمی ہیں۔ جب اس نے باصرار کہا تو مَیں نے کہا کہ میرا نام نورالدین ہے۔ نام میرا چونکہ وہ خوب جانتا تھا کہنے لگا کہ آپ تو بڑے عالم ہیں۔ مَیں نے کہا کہ آپ نے اپنی ساری علمیت کا زور عورت مرد کی مساوات میں صرف کیا۔ میری دلیل کا بھی آپ کوئی جواب دے سکتے ہیں؟ کہا مَیں آپ کی دلیل کا تو کوئی جواب نہیں دے سکتا۔

(۴ر مارچ ۱۹۰۷ء)

مہاراجہ کشمیر بارہا سر دربار تمام درباریوں کو مخاطب کر کے کہا کرتے تھے کہ تم سب اپنی اپنی غرض کو آکر

میرے پاس جمع ہو گئے اور میری خوشامد کرتے ہو لیکن صرف ایک یہ شخص (میری طرف اشارہ کر کے) ہے جس کو میں نے اپنی غرض کو بُلایا ہے اور مجھ کو اس کی خوشامد کرنی پڑتی ہے۔

(۱۶ دسمبر ۱۹۱۱ء)

مجھ کو کسی سے خود کوشش کر کے مباحثہ کرنے کی نہ کبھی خواہش ہوئی اور نہ اب ہے ہاں! جب کوئی مجبور ہی کر دے اور گلے ہی میں آپڑے تو پھر خدائے تعالےٰ سے دُعا مانگ کر مباحثہ کیا اور ہمیشہ کامیاب ہوا ہوں تم لوگ اس کا تجربہ کر کے دیکھو۔ ہاں انبیاء علیہم السلام معذور ہوتے ہیں کیونکہ مامور ہوتے ہیں۔

بعض مولوی صاحبان

(۱۸ مارچ ۱۹۱۲ء قبل از نماز ظہر کھانا کھاتے ہوئے)

ایک مرتبہ میں لاہور میں تھا ایک وکیل میرے پاس آئے اور کہا کہ ایک بہت بڑے عالم آئے ہیں اُنہوں نے ایک سو تیس ۱۳۰ تفسیریں خوب بغور پڑھی ہیں میں نے کہا کہ ۱۳۰ تفسیریں تو اس ملک پنجاب میں بھی نہ ہوں گی۔ پھر میں نے کہا اچھا جاؤ مولوی صاحب سے اُن ۱۳۰ تفسیروں کے نام لکھوالاؤ۔ وہ وکیل گئے تو مولوی صاحب نے کہا ایک سو تیس نہیں تو تیس ۳۰ تو پڑھی ہیں وہ میرے پاس آئے کہ ۳۰ رہ گئیں۔ میں نے کہا اچھا جاؤ تیس ہی کے نام لکھوالاؤ۔ وہ پھر گئے تو مولوی صاحب نے کہا کہ تیس ۳۰ نہیں مگر ہاں دو تین تو پڑھی ہیں۔ مجھ سے آکر کہا تو میں نے وکیل صاحب سے کہا کہ اچھا اُن سے یہ پُوچھو کہ آپ نے بالاستیعاب دو تین پڑھی ہیں۔ وہ پھر گئے تو کہا کہ اِنِّی مُتَوَفِّیکَ والی آیت تو میں نے جلالین اور تفسیر حسینی میں پڑھی ہے پس یہ جو لوگ "جمہور علماء کا قول" یا "جمہور امت" وغیرہ کہا کرتے ہیں اس کی اکثر ایسی ہی حقیقت ہوتی ہے۔

(۱۲ نومبر ۱۹۱۰ء)

لاہور میں ایک شخص مولوی رحیم بخش چینیاں والی مسجد میں رہتے تھے۔ انہوں نے اسلام کی پہلی۔ دُوسری۔ تیسری وغیرہ بہت سی کتابیں لکھی ہیں ایک مرتبہ وہ بڑے زور شور کے ساتھ مجھ سے مباحثہ کرنے کے لیے آئے اور آتے ہی کہا کہ قرآن تو مجمل ہے اس اجمال کی تفصیل کے لیے اور کس کتاب سے مدد لیں؟ میں نے کہا کہ قرآن مجمل ہے؟ کہا ہاں۔ میں نے کہا خدائے تعالیٰ تو فرماتا ہے کِتَاباً مُّفَصَّلاً آپ فرماتے ہیں مجمل بس

اُٹھ کر چلے گئے اور کہا کہ ساری عمر آپ سے مباحثہ نہ کروں گا چنانچہ پھر ساری عمر مجھ سے بحث نہیں کی۔

(۱۱ر ستمبر ۱۹۰۷ء)

مجھ کو ایک وجودی کے ساتھ کھانا کھانے کا اتفاق ہوا ایک کُتّے کی طرف جو ہڈی پھینکی تو وجودی بولا یہ بھی آپ ہی ہیں۔ وہ وجودی سیال والوں کا مُرید تھا میں نے کہا بس اب تو آپ کو موضع سیال میں جانے کی حاجت ہی نہ رہی۔ وجودی بولا واہ مولوی صاحب تم نے ہمارے مُرشد کو گالی دی میں نے کہا تم نے ہمارے خدا کو گالی دی۔ فبھت۔

(۷ر جنوری ۱۹۰۷ء در مطب)

ایک شریر نے مجھ سے کہا کہ قرآن شریف سے لونڈے بازی ثابت ہے میں نے کہا کیسے کہا کہ قرآن شریف میں ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ یعنی ہم کو صراطِ مستقیم کی ہدایت کر اور صراطِ مستقیم سے مُراد امعاء مستقیم ہے پس ثابت ہوا کہ لواطت نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔ میں نے کہا تم یہ تو بتاؤ خدائے تعالےٰ قرآن شریف میں خود صراطِ مستقیم کے کیا معنے کیے ہیں۔ اُس نے کہا تم ہی بتاؤ۔ میں نے کہا سُنو۔ اعبدوا اللہ ربّی و ربّکم ھذا صراط مستقیم یعنی عبادت کرو میرے ربّ اور اپنے ربّ کی یہی ہے صراطِ مستقیم تب خاموش ہوا۔

(۱۳ر مئی ۱۹۰۹ء)

ایک مولوی صاحب نے مجھ سے کہا کہ کافروں کے مسلمان بنانے کو تم اچھا کہتے ہو یہ تو ایک معمولی بات ہے۔ میں نے تھوڑے وقفہ سے کہا کہ تمہارے گاؤں میں کوئی کافر ہے کہا ہاں ایک ہندو دوکاندار ہے میں نے کہا تم مولوی ہو تم نے ابتک کیوں اس کو مُسلمان نہیں بنایا؟ کچھ سوچ سوچ کر کہنے لگا کہ واقعی یہ بڑا مشکل کام ہے اور نبیوں ہی کا کام ہے۔

(۱۷ر مئی ۱۹۰۹ء)

ایک شخص نے میرے اوپر کفر کا فتویٰ لگایا اُس میں سترہ وجوہ میرے کفر کے لکھے میں نے ایک دن اُس سے کہا کہ یہ تمام وجوہ فی الواقع باعثِ کفر ہیں میں بھی مہر لگاتا ہوں۔

(۲۳ر مئی ۱۹۰۹ء)

ایک شخص نے مجھ سے پاخانہ (براز) کی حُرمت کا ثبوت دریافت کیا میں نے کہا کہ وہ تو قدرت نے ہمارے جسم سے ایک مضر چیز خود خارج کی ہے اس کو پھر واپس لینا کہاں کی انسانیت اور عقلمندی ہے۔

(یکم جون ۱۹۰۹ء)

جاء الاحتمال بطل الاستدلال یہ مولویوں کا ایک فقرہ ہے ہر بات میں ایک احتمال نکال دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ میں نے ایک مولوی سے کہا کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ جس میں کوئی احتمال ہو وہ دلیل میں پیش نہ کیا جائے بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ جب احتمال آتا ہے تو پھر استدلال سے کام لینے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ استدلال میں تو احتمال نکل سکتا ہے ایسے طریق سے استدلال بھی باطل ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ احتمال سے کام نہ لو استدلال سے کام لو۔

(۱۰؍جون ۱۹۰۹ء)

نواب محسن الملک نے ایک لیکچر دیا اس میں اسلامیوں کے تنزل کے اسباب بیان کیے۔ سید احمد خاں نے اسکو بہت ہی پسند کیا اور اُس کتاب کو بڑی تعداد میں شائع کیا کہ ملک والے دیکھیں کہ اسباب تنزل کے یہ ہیں۔ سید احمد خاں نے میرے پاس بھی وہ کتاب بھیجی۔ میں نے اس پر ایک آیت لکھ دی کہ سوائے اس کے اور کوئی سبب تنزل نہیں وہ یہ ہے وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا۔

(۱۹؍جون ۱۹۰۹ء)

میں نے ایک مرتبہ علیگڈھ کے عمائد کے پاس خطوط بھیجے کہ بتاؤ تم لوگوں میں مسلمان ہونے پر بھی اعمال میں اس قدر سستی کیوں ہے۔ خدا مغفرت کرے اس کی مولوی شبلی نے مجھ کو لکھا کہ ہمارا خدائے تعالیٰ اور جزا سزا پر پورا یقین نہیں۔

(۲۶؍جون ۱۹۰۹ء)

سورۃ المرسلات پڑھاتے ہوئے جب یہ آیت آئی فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ تو ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تمہاری ساری حدیثوں کا تو رد ہو گیا میں نے کہا تیری اس بات کا بھی رد ہو گیا۔

(۲۷؍جون ۱۹۰۹ء)

ایک دفعہ مولوی محمد حسین بٹالوی اور عبداللہ ٹونکی دونوں مجھ سے بحث کرنے کیلیے آئے محمد حسین نے کہا کہ شرائط میں لکھواتا ہوں۔ میں نے کہا اچھا۔ پہلی ہی شرط میں لکھوایا کہ حقیقت و مجاز میں جب ہمارے تمہارے درمیان تفرقہ ہو گا تو میں نے کہا یہ پہلی شرط ہی غلط ہے۔ آپ تو اہلحدیث ہیں اور حقیقت و مجاز کا تفرقہ تو بدعت ہے سب سے

پہلے تیسری صدی کے آخر اور چوتھی صدی کے ابتدا میں حقیقت ومجاز کا تفرقہ ہوا ہے۔ عبداللہ ٹونکی نے کہا کہ اُٹھو چلو یہاں تو مطول پر بھی پانی پھر گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ ضرور کوئی بات ہے۔

(۸ر اگست ۱۹۰۸ء)

ایک شخص ہمارے شہر کا رہنے والا میرا بڑا معتقد تھا اور اکثر میرے پاس عقیدت سے آتا تھا ایک روز میں نے دیکھا کہ جب نماز کا وقت ہوا اور تکبیر ہوئی میں نماز پڑھانے کھڑا ہوا تو وہ اُٹھکر چلا گیا۔ میں سمجھا کہ اسکو وضو کرنا ہوگا۔ لیکن کئی روز کے بعد معلوم ہوا کہ اس نے میرے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی ہے۔ میں نے وجہ دریافت کی تو کہا کہ میں آپ کو یہ تو مانتا ہوں کہ آپ قرآن وحدیث کے بڑے واقف ہیں اور اسی لیے میں نے آپ کے پاس آمدورفت ترک نہیں کی، لیکن آپ چونکہ شیطان پر ایمان لے آئے ہیں اس لیے میں اب آپکے پیچھے نماز تو نہ پڑھوں گا۔ میں نے تعجب سے پوچھا کہ کس طرح ؟ اُس نے کہا ہاں کوئی جانے یا نہ جانے مگر ہم تو پہچان ہی گئے کہ آپ کا شیطان پر بھی ویسا ہی ایمان ہے جیسا خدائے تعالیٰ پر۔ میں نے کہا آخر کچھ بتاؤ تو سہی بات کیا ہے ؟ کہا کہ انگریز بڑے پکّے کافر ہیں اور شیطان کی اُن سے دوستی ہے اسی لیے ان کے اکثر کام شیطان کرتا ہے۔ یہ شیطان کے ذریعہ سے فوراً ایک جگہ سے دُوسری جگہ خبر بھیجدیتے ہیں اُسی کو تار برقی کہتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ فلاں دن آپ نے بھی تار برقی کے ذریعہ خبر بھیجی لہٰذا آپ کے پیچھے نماز ہرگز نہیں پڑھنی چاہیے۔ میں سُن کر حیران ہی رہ گیا اور کسی طرح یہ ممکن نہ ہوا کہ اُس کو سمجھایا جائے۔ مجبوراً مجھ کو یہی کہنا پڑا کہ بہت اچھا۔

ایک دُوسرا واقعہ بھی عجیب ہے۔ میں کشمیر میں تھا۔ وہاں رات کو بذریعہ تار خبر پہنچی کہ رمضان کا چاند دیکھا گیا ہے میں نے لوگوں سے کہدیا کہ صُبح روزہ رکھیں۔ ایک مولوی صاحب جو بڑے مشہور مولوی ہیں میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ نے روزہ رکھنے کا فتویٰ دیا ہے ؟ میں نے کہا کہ ہاں تار کے ذریعہ سے خبر آگئی ہے۔ کہنے لگے توبہ توبہ کیا تم تار کی خبر کا اعتبار کرتے ہو ؟ میں نے کہا کیوں اعتبار نہ کیا جائے کہنے لگے حضرت تم کو کیا خبر ہم تو خوب واقف ہیں ایک مرتبہ میرے پاس تار آیا۔ میں تار بابو کے پاس گیا کہ اس میں کیا لکھا ہے اُس نے کہا کہ اس میں لکھا ہے کہ "بُرکُٹ بیمار ہے"۔ میں نے اُس سے کہا کہ تم پھر دریافت کر و اصل بات ہے اُس نے پھر یہی کہا کہ "بُرکُٹ بیمار ہے" حالانکہ اصل بات یہ تھی کہ میری لڑکی جس کا نام برکت تھا وہ بیمار تھی لیکن اُس بابو نے برکت کا بُرکُٹ ہی بتایا۔ بھلا

جب نام بھی صحیح نہیں بتا سکتے تو خبر کیا دُرست بتائیں گے۔ لہٰذا تار کی خبر پر ہرگز عمل نہ کیا جائے عجیب بات یہ ہے کہ مولوی صاحب بھی ہرگز نہ سمجھ سکے اور مجھ کو خاموش ہی ہونا پڑا۔

(۸ راگست ۱۹۰۸ء)

ایک مرتبہ شاہدرہ کے سٹیشن کے قریب ریل میں ایک نوجوان مُسلمان نے مُجھ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا اور اُس نے مجھ کو مولوی صاحب کہکر مخاطب کیا۔ اس کی زبان سے مولوی صاحب کا لفظ سُن کر ایک اور سفید ریش مُسلمان جو اُسی کمرہ میں بیٹھا تھا اور سونے کی انگوٹھیاں بھی پہن رکھی تھیں فوراً اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑکی کے قریب گیا اور اپنا مُنہ کھڑکی سے باہر نکال لیا اور ہماری طرف پُشت پھیر لی میں سمجھ گیا کہ اُس کو کوئی نفرت ہے۔ میں نے اس نوجوان کو اس کے مسئلے کا جواب نہایت وضاحت اور تشریح کے ساتھ فلسفیانہ طور پر باآواز بلند بتانا شروع کیا تاکہ وہ سفید ریش بھی ضرور سُنے وہ مسئلہ دریافت کرنیوالا بھی حیران تھا کہ میں نے ایک ذراسی بات دریافت کی تھی اُس نے اتنی لمبی چوڑی تقریر کی جب میں کہہ چکا تو سائل نے میرا شکریہ ادا کیا کہ میری وجہ سے آپ نے نہایت وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔ اس سفید ریش نے بھی چونکہ میری تمام تقریر سُنی تھی آخر وہ بھی میری طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ یہاں اس گاڑی میں اور کوئی جگہ کہیں جانیکی نہ تھی اس لیے مجبوراً آپ کی باتیں مجھ کو بھی سننی پڑیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ میں جب کسی شخص کو سنتا ہوں کہ یہ مولوی ہے تو میری رنگت زرد ہو جاتی ہے اور میں نہایت خوف کھاتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لودھیانہ میں جب شروع ہی شروع میں انگریز آئے وہاں ایک مولوی صاحب وعظ بیان فرما رہے تھے میرا باپ بھی وہاں چلا گیا میں بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ میں اپنے باپ کے ایک ہی بیٹا تھا میری عمر بہت تھوڑی تھی، لیکن بہت سمجھدار تھا۔ مولوی صاحب نے وعظ میں بیان کیا کہ دریائے نیل چاند کے ایک پہاڑ سے نکلا ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ چاند تو ہمارے سر پر ہو کر گذرتا ہے ہم پر تو کوئی چھینٹ نہیں پڑتی اور نہ وہ دریائے نیل اُس میں سے نکلتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ سُنتے ہی مولوی صاحب نے کہا کہ یہ کافر ہے اس کو لینا خبردار جانے نہ پائے۔ بس پھر کیا تھا۔ اس وعظ میں کشمیری بہت تھے چاروں طرف سے اس پر ٹوٹ پڑے جُوتوں اور تھپڑوں سے مارتے مارتے بیہوش اور اَدھ مویا کر دیا۔ میرے دل میں اسلام سے بڑی نفرت پیدا ہوئی اسی وقت وہاں سے اُٹھا اور سیدھا ایک پادری کے پاس گیا کہ مجھ کو عیسائی بنالو اور کہیں دُور جلد بھیجدو۔ پھر اب تک مجھ کو اپنے باپ کا حال معلوم نہیں۔ میں نے صرف انگریزی پڑھی عیسائی مذہب کی تمام کتابیں پڑھ کر اعلیٰ درجہ کا پادری بنا۔ بہت دنوں تک مسیحی مذہب کا وعظ کرتا رہا اور مشن کا افسر ہو گیا ایک

روز ایک انگریز جو جالندھر کا کمشنر بھی رہ چکا ہے ضلع جہلم میں مہتمم بندوبست بھی رہا ہے اور آخر کو جج ہوگیا تھا میرے پاس آیا اور مجھ کو ایک رسالہ دکھایا کہ اس میں لکھا ہے کہ اب دریائے نیل کا منبع معلوم ہوگیا ہے ہماری قوم بھی کیسی جفاکش ہے دریائے نیل کا منبع معلوم کرنے سے بہت سے لوگ اپنی عمریں ضائع کر چکے بعض خاندانوں کی کئی کئی پشتیں اسی تحقیق میں گذر گئیں آخر اب معلوم ہوا کہ دریائے نیل جبل القمر سے نکلتا ہے وہ ایک پہاڑ ہے جس پر ہمیشہ برف جمی رہتی ہے۔ اس کا نام جبل القمر یعنی چاند کا پہاڑ ہے میں اس انگریز سے وہ رسالہ لیکر اور اس کو ٹالکر اندر کمرے میں چلا گیا اور اپنے باپ کو یاد کر کے بہت رویا اور میں نے کہا کہ اے خدا ایک مولوی کی وجہ سے تو میں عیسائی ہوا تھا اور اب ایک عیسائی کے ذریعہ سے میں مسلمان ہوتا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام سچا مذہب ہے لیکن یہ میں نہیں جانتا کہ وہ (اسلام) ہے کیا اور اس کی اصلیت کیا ہے بہرحال میں مسلمان ہوں۔ چنانچہ میں اس روز سے مسلمان ہوں لیکن آج تک کسی مولوی سے نہیں ملا اور نہ کسی مولوی کی باتیں سنیں آج آپ کی باتیں سنکر میرا خیال اس قدر بدلا کہ سب مولوی یکساں نہیں ہوتے لیکن مجھ کو ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کسی مولوی کی بات سن کر پھر عیسائی نہ ہو جاؤں اور میری خواہش یہ ہے کہ مسلمان ہی مروں۔

(۱۸؍اگست ۱۹۰۸ء)

ہمارے ننھیال میں ایک نو عمر مولوی آیا وہ بڑا کٹا وہابی تھا میں نے اس کے پاس ایک کتاب دیکھی تو پہلا ورق جس پر کتاب کا نام ہوتا ہے اس پر دار الشفا لکھا ہوا تھا جب میں نے اندر سے کتاب کو کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ زینۃ الاسلام ہے میں نے کہا کہ یہ کیا بات ہے؟ کہا کہ زینۃ الاسلام کو سب جانتے ہیں کہ وہابیوں کی کتاب ہے اس لیے اسکا سرورق پھاڑ کر دار الشفا کا سرورق چسپاں کر لیا ہے مضمون سے بھلا کس کو خبر ہے۔ بس ہم تو اسی کتاب کو پڑھ کر سناتے اور اسی کا وعظ کرتے ہیں۔

(۱۸؍اگست ۱۹۰۸ء)

ایک بہت بڑے مولوی صاحب کے پاس دو شیعہ بھائی جو سوتیلے بھائی تھے گئے اُن دونوں میں جائداد کے معاملہ میں مقدمہ بازی تھی اُن میں سے ایک بھائی نے جو چالاک تھا دوسرے بھائی سے کہا کہ تو اس بات کو ثابت کر کہ میرے باپ نے تیری ماں سے نکاح کیا تھا چنانچہ مولوی صاحب کی خدمت میں فریق ثانی نے بڑی کوشش کر کے گواہ پیش

کیے۔ مولوی صاحب کو فریقین نے اپنے مقدمہ کے فیصلہ کے لیے پنچ مقرر کیا تھا۔ بہت برس نکاح کو گذر گئے تھے۔ مُدّعی نے مولوی صاحب سے کہا کہ ہر ایک گواہ سے علیحدہ علیحدہ دریافت کیجئے۔ مولوی صاحب نے ایسا ہی کیا۔ ہر ایک گواہ سے مدعی سوال کرتا کہ نکاح کے وقت میرے باپ کا مُنہ کس طرف تھا اور تاریخ کیا تھی وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ گواہوں میں کچھ کچھ اختلاف ہوا اور مولوی صاحب نے فریق ثانی کی نسبت فتویٰ لکھ دیا کہ وہ حرامی ہے۔ جب اس کا حال مجھ کو معلوم ہوا تو میں مولوی صاحب کے پاس گیا اور کہا کہ یہ آپ نے کیا غضب کیا؟ مولوی صاحب نے کہا کہ گواہوں میں اختلاف ہی بہت ہے کیا کیا جائے۔ میں نے کہا کہ اچھا حضرت یہ تو فرمائیے کہ اگر آپ سے آپ کی ماں کے گواہ طلب کیے جائیں تو آپ ثبوت دے سکتے ہیں؟ سوچکر کہا کہ نہیں۔ میں نے کہا پھر اکہا میں حیران ہوں اب کیا کیا جائے۔ تب میں نے کہا فقہ کا مسئلہ ہے کہ نسب میں گواہی کی ضرورت بالکل نہیں بس عرف عام کافی ہے۔ تب مولوی صاحب کی سمجھ میں آیا۔

(۲۶ ستمبر ۱۹۰۸ء)

جموّں میں میرے پاس ایک بہت بڑے مولوی صاحب آئے جو اب بھی زندہ ہیں بہت دنوں تک میرے پاس رہے اور بڑی محبت سے پیش آتے تھے۔ ایک روز مجھکو بہت ہی موافق دیکھکر محبت کے عالم میں فرمایا کہ مجھکو تسخیر کا عمل بتا دو۔ میں نے کہا کہ میں تو دعا ہی کرتا ہوں آپ بھی دُعا ہی کیا کریں میری بات کا انکو یقین نہ آیا اور ناراض ہو کر چلے گئے۔

(۳۰ جنوری ۱۹۱۲ء)

ایک مرتبہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ ہم تمکو عمل تسخیر بتائے دیتے ہیں میں نے کہا کہ قرآن کریم میں لکھا ہے وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا یعنی جو کچھ زمین و آسمان میں ہے ہم نے تمہارا مسخر بنا دیا اب اس سے زیادہ آپ مجھکو کیا بتائیں گے؟ سنکر حیران سا رہ گیا۔

(۱۸ اپریل ۱۹۰۹ء)

میں نے ایک مولوی سے کہا کہ ہمارے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح احیاء کرتے تھے اسی طرح حضرت مسیح علیہ السّلام نے مُردوں کو زندہ کیا وہ کہنے لگے کہ یہ تو ایک معمولی سی بات ہے، میں نے کہا کہ اگر یہ معمولی بات ہے تو آپ اب بڈھے ہوگئے ہیں بتاؤ اس وقت تک کس قدر احیاء کیا یعنی کتنے شخصوں کو نیک بنایا کہا ہم نے تو نہیں بنایا۔ میں نے کہا اچھا آپ نے کسی بڑے آدمی کو نیک بنانے کی کوشش بھی کی کہا کہ نہیں۔ میں نے کہا آپ نے اپنے کسی بزرگ یا استاد کو کوشش کرتے دیکھا؟ کہا نہیں۔ میں نے کہا تم نے کہا تھا کہ یہ معمولی کام ہے۔

(۲۴ فروری ۱۹۱۲ء)

میں نے کبھی کسی چور۔ ڈاکو۔ رشوت خوار۔ جعلساز کو راحت کی حالت میں نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ میں نے خلیفہ نورالدین جموّنی سے ایک خط لکھوایا اور ایک مولوی صاحب کو جو جعلسازی میں مشہور تھے دیا خفیہ طور پر میں نے اس پر ایک

غیر محسوس نشان بنا دیا تھا۔ وہ مولوی خط بنا کر لائے تو وہ نشان بھی اس پر موجود تھا۔ میں حیران رہ گیا۔ اُن سے پوچھا کہ اصل کونسا ہے؟ اُنھوں نے کہا کہ اس کو تو اب میں بھی نہیں بتا سکتا۔ وہی مولوی سُنانے لگے کہ ایک مرتبہ میں نے ایک ساہوکار کے قرضداروں کو ہنڈی میں رسیدیں بنا دیں جنکا اس ساہوکار سے عدالت میں انکار نہ ہو سکا۔ وجہ یہ تھی کہ اُس نے ہم کو ایک دفعہ روپیہ نہیں دیا تھا۔ اُسی مولوی کا ابھی تھوڑے دن ہوئے خط آیا وہ بالکل پاگل ہو گئے مال و متاع اُن کے پاس کچھ نہیں۔

(۱۴ر مئی ۱۹۰۹ء)

مَیں امرتسر میں ایک شخص کے ساتھ صبح سے دوپہر تک سیر کرتا پھرا۔ مَیں نے اس عرصہ میں اس کو بڑی باتیں سُنائیں۔ آخر میں اس نے مجھ سے کہا کہ آپ کا پاجامہ نیچا ہے۔ مَیں نے کہا تم نے میری باتوں سے کوئی نصیحت بھی حاصل کی کہا کہ مَیں تو اسی خیال میں رہا کہ کوئی اعتراض کروں۔

(۱۴ر مئی ۱۹۰۹ء)

مَیں نے ریل میں ایک شخص کو قرآن شریف کا ایک نکتہ سُنایا۔ اُس نے کہا کوئی طب کی بات سُناؤ کیونکہ قرآن تو تم جانتے ہی نہیں۔ مَیں نے کہا کیسے؟ کہا کہ مَیں قاری ہوں آیت کے پڑھنے میں فلاں حرف کا مخرج آپ کا صحیح نہیں تھا۔

(۳۰ مئی ۱۹۰۹ء)

ضلع شاہ پور میں ایک مولوی صاحب کسی عورت کے معاملہ میں ماخوذ ہوئے اُنھوں نے میرے ایک دوست سے کہا کہ ہمارے لیے دُعا کرو کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔ مَیں دونوں کو جانتا ہوں یعنی دُعا کرنے اور کروانے والے کو۔ میرے دوست نے مجھ سے کہا کہ دُعا تو مَیں نے بہت کی ہے لیکن مَیں نے نظارہ دیکھا ہے کہ گدھی ہے اور ایک گدھا ہے اس گدھے کو لوگ پکڑتے ہیں اور وہ بھاگتا ہے۔ مَیں نے سن کر کہا کہ خواب یا کشف آپ کا صحیح ہے کیوں کہ خدائے تعالےٰ نے فرمایا ہے مَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ اس مولوی کو انہوں نے اصل بات تو نہ سنائی یہ کہہ دیا کہ نتیجہ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ چنانچہ اس مولوی کو کئی سال کی قید ہو گئی۔

(۸ر نومبر ۱۹۱۲ء در خطبہ جمعہ)

ریل میں مجھ کو ایک کنچنی ملی مَیں نے کہا تو کہاں گئی تھی۔ کہنے لگی سبحان اللہ فلاں حضرت کے یہاں گئی تھی انہوں نے

مجھے دیکھتے ہی کہا کہ ہماری فقیری آگئی اور حکم دیا کہ اس کو تین سو روپیہ دیدو۔ اب مالامال ہو کر مکان کو جا رہی ہوں۔

(۲۳ر مئی ۱۹۰۹ئ)

ایک مولوی صاحب نے مجھ سے ذکر کیا کہ ہمارے ایک جنٹلمین دوست تھے۔ وہ انگریزی سوسائٹی میں بہت رسُوخ رکھتے تھے۔ ایک برات کے موقع پر انہوں نے ہم کو شریک ہونے کی ترغیب دی۔ ہمارے پاس صرف ستّر روپیہ تھے۔ ستّر روپیہ میں اس جنٹلمین ہی نے ہمارے واسطے سوٹ تیار کرایا اور کوشش کر کے کسی طرح ہم کو بارات میں اپنے ساتھ لے گیا۔ جب بارات میں گئے۔ وہاں کھانے کا وقت آیا تو ہم سے کہا کہ کھانے کا سُوٹ (لباس) آپ کو پہننا چاہیے۔ اس لباس سے کھانے کی میز پر آپ نہیں جا سکتے۔ اسی طرح فٹ بال کا لباس اور ہے سونے کا اور، سیر کا اور وغیرہ تین دن تک برات رہی ہم تین دن تک لحاف اوڑھے ہوئے بیمار ہی بنے پڑے رہے۔ جب تین دن کے بعد رخصت کا وقت آیا تب پھر وہ لباس کام آیا۔

(۶ر اکتوبر ۱۹۱۲ئ)

مَیں نے کسی امیر کو زکوٰۃ کا پابند نہیں دیکھا اور سوائے ایک مولوی کے جو وہ بھی میرا بھائی تھا کسی مولوی کو بھی زکوٰۃ نہیں دیتے دیکھا اور نہ کسی گدّی نشین کو زکوٰۃ دیتے دیکھا۔

شیعہ

(۲۰ر جولائی ۱۹۰۷ئ)

لاہور میں ایک مرتبہ میرا وعظ تھا اثنائے تقریر میں مَیں نے کہا کہ اگر قرآن شریف میں خدائے تعالےٰ فرما دیتا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علیؓ ہی خلیفہ ہونگے تو کیسی جلد فیصلہ ہو جاتا۔ ایک شیعہ نے بعد میں کہا کہ آپ نے بڑے اچنبھے کی بات بیان کی مَیں نے کہا کیسے؟ کہا دو ہزار جگہ قرآن شریف میں خلافت کو شیرِ خدا کا حق فرمایا ہے۔ مَیں نے کہا کم سے کم نور الدین تو شیعہ ہو جائیگا۔ کہا کہ کل آپ ٹھہریں گے؟ مَیں نے کہا ہاں۔ پھر کئی روز تک شیعہ صاحب نہ آئے۔ ایک دن گلی میں مل گئے۔ مَیں نے کہا کہ ہم کو تو یہاں منتظر بٹھا گئے اور خود ادھر کا رُخ بھی نہ کیا۔ کہنے لگے کہ جس مجتہد کے پاس گیا اُسی نے بات تو نہ بتائی اور یہی کہا کہ اُس کے پاس نہ جانا۔ مجتہدوں کو گالیاں دیتے

دیتے ہوتے چلے گئے۔

(۸ جنوری ۱۹۰۷ء)

مجھ سے کسی نے کہا کہ پنڈ دادنخاں میں بتیا نام ایک کنجنی ہے وہ شیعہ گر ہے یعنی لوگوں کو جو کوئی اس کے پاس جاتا ہے شیعہ بنا دیتی ہے۔ اتفاقاً وہ ایک روز بغرض علاج میرے پاس آگئی بڑی مشہور اور پڑھی لکھی عورت تھی اس کے مراسی نے جو اس کے ساتھ تھا مجھ سے کہا کہ آپ جانتے بھی ہیں یہ کون ہیں میں نے کہا نہیں۔ کہا کہ بتیا ہے۔ میں نے کہا اخاہ آپ ہی بتیا ہیں۔ مجھ کو ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے۔ وہ ہنسی اور کہا کہ آپ مجھ سے کیا مسئلہ دریافت کریں گے میں نے کہا کہ یہ تو بتاؤ کہ امام حسین علیہ السلام نے کیوں یزید کی بیعت نہیں کی۔ اُس نے کہا یزید فاسق یعنی زانی تھا اس لیے امام حسینؓ نے بیعت نہیں کی میں نے کہا تو امام حسینؓ کو فاسقوں اور زانیوں سے نفرت تھی؟ کہا ہاں۔ میں نے کہا کہ پھر جو خود ترغیب دے اور لوگوں کو زانی بنائے یعنی زنا کرائے اس سے بھلا امام حسینؓ کس طرح خوش ہو سکتے ہیں؟ کہا میں اس قدر نہیں پڑھی۔ لو نبض دیکھو۔

(۱۰ فروری ۱۹۰۸ء)

میں نے ایک مرتبہ مالیر کوٹلہ میں مولوی شیخ احمد صاحب مجتہد سے کہا یہ بتاؤ کہ کیا ثابت کیا جاسکتا ہے یا تمہارا اعتقاد ہے یا کسی شیعہ کا یہ اعتقاد ہے کہ قرآن شریف میں کوئی ایک پوری سورۃ بنا کر کسی نے داخل کر دی ہے۔ خواہ وہ مصنوعی سورۃ چھوٹی سے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔ انہوں نے کہا کہ نہیں کوئی بھی سورۃ قرآن شریف میں اضافہ نہیں کی گئی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ قرآن شریف میں سے بعض سورتیں یا بعض آیتیں کم کی گئی ہوں اور ترتیب بگاڑی گئی ہو۔ جب انہوں نے یہ فرمایا تو میں نے اُن سے کہا کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِیْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا سے معلوم ہوتا ہے کہ افواج در افواج لوگ دین الٰہی میں داخل ہوتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھے۔ آپ مجھے صرف ایک فوج کے صرف ایک دستہ اور ایک دستہ بھی نہ سہی صرف دس پندرہ ہی نام سُنا دیں (علی مرتضیٰؓ کے سوا شیعوں کے اعتقاد میں صرف دو ڈھائی شخص مومن تھے) یہ سُن کر شیخ احمد صاحب مجتہد ایسے سٹ پٹائے اور گھبرائے کہ انہوں نے کہا کہ اوّل تو لفظ اِذَا کی تحقیق نقلی طور پر ہونی چاہیے۔ پھر یہ کہ آیا زمانہ حادث ہے یا قدیم۔ پاک ہے یا نجس متصل ہے یا منفصل۔ میں نے عرض کیا کہ اسے لکھ دیجئے کہ ہم اذا کے معنی نہیں جانتے۔ انہوں نے لکھ دیا

کہ ہم اذا کے معنی نہیں جانتے جب بعد میں دوسرے شیعہ لوگوں کو معلوم ہوا تو بڑا شور مچا کہ یہ کیا کہ تحریر دیدی پھر تم مجتہد کاہے کے ہوتے جب اذا کے معنے نہیں جانتے۔ چنانچہ میرے پاس اُن کے آدمی آئے اور خوشامد کرنے لگے کہ وہ پرچہ دید د۔ میں نے وہ پرچہ انکو دیدیا۔

(۱۶ر مئی ۱۹۰۹ء)

ایک شیعہ میرے پاس ایک کتاب پانچ جلدوں کی لایا میں نے اس سے کہا کہ اس کی کیا قیمت ہے اُس نے کہا کہ اس کی یہ قیمت ہے کہ آپ اس کو مرتبہ پڑھ جائیے میں نے اس کی خاطر ۵، صفحے پڑھے اور اس کتاب پر یہ آیت لکھ دی فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ۔ اس کتاب میں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گنہگار ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور اس تمام کوشش کا یہ آیت کافی جواب تھا۔

(۲۲ر مئی ۱۹۰۹ء بعد نماز ظہر)

میں مالیرکوٹلہ میں تھا کہ شیعوں کی طرف سے ایک اشتہار بلالی پریس ساڈھورہ کا چھپا ہوا نکلا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریمؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ تیری قوم سے مجھ کو نقصان پہنچا۔ میں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم تو پھر ابو طالب اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتے؟ ایک شیعہ نے کہا اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے كَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ (رکوع ۸ سورۃ انعام) جب اس کا چرچا ہوا تو اگلے ہی دن تمام اشتہار شہر میں سے اتار لیے گئے۔

(۲۷ر مئی ۱۹۰۹ء)

میں نے اکثر شیعوں سے دریافت کیا ہے کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ تم یہ بتاؤ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا مقابلہ کیا کیا ہے؟ میں نے شیعوں سے یہ بھی کہا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے کوشش کی اور کامیاب ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بقول تمہارے کوشش کی لیکن هَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا۔

(۹ر جون ۱۹۰۹ء)

میں نے ایک شیعہ سے دریافت کیا کہ تم جو متعہ کرتے ہو اُس سے نطفہ رہ جائے اور لڑکی پیدا ہو تیرہ چودہ برس کے بعد پھر وہی لڑکی متعہ میں تمہارے پاس آجائے تو کیا صورت بچنے کی ہے۔ خاموش ہی رہ گیا کوئی جواب بن نہ آیا۔

❊ ❊ ❊

(۱۴؍ جون ۱۹۰۹ء)

مَیں نے ایک شیعہ سے پوچھا کہ منافقوں کو قتل کرنیکا حکم تھا ابوبکرؓ و عمرؓ کو کس نے قتل کیا؟ کہنے لگا کہ جب امام مہدیؑ آئیں گے تو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو پیدا کریں گے اور ماریں گے یہ سُنکر ایک شخص نے سر پر خاک ڈالی اور شیعوں کے سامنے جاکر کہا کہ اوّل ابوبکرؓ نے پھر عمرؓ نے پھر عثمانؓ پھر معاویہؓ پھر یزید وغیرہ نے ہم پر ظُلم ہی کیے اور ہم سے یا ہمارے کسی امام سے کچھ بھی نہ ہو سکا اب اُمید تھی کہ امام مہدی کے زمانہ میں چین ملے گا لیکن وہ تو آج معلوم ہوا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ پھر پیدا ہو جائیں گے وہ بھلا کا ہے کو ہمیں چین لینے دیں گے۔

(۲۳؍ اگست ۱۹۰۸ء)

مَیں نے شیعوں سے اکثر پوچھا ہے کہ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی دعوت سے تو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و زبیرؓ و طلحہؓ وغیرہ اور اصحاب بدر پیدا ہوئے جو تمہارے نزدیک ظالم غاصب کافر مُرتد تھے۔ اب تم بتاؤ کہ تمہاری دعوت سے کیا ہوگا؟ ایک شیعہ نے کہا خیر اور تو ہوئے ہی مگر حضرت علیؓ بھی تو پیدا ہوئے۔ مَیں نے کہا وہ تو بلا اثر دعوت پیدائشی طور سے ہی دلی پیدا ہوئے تھے اُن کا ذکر کیوں کرتے ہو؟

(۲۹؍ نومبر ۱۹۰۹ء)

مالیر کوٹلہ میں شیعوں کے ایک مجتہد آئے۔ وہاں خوجے شیعہ رہتے ہیں مجتہد صاحب نے سُنا کہ یہ خوجے بوڑھے ہو گئے لیکن اکثروں کی ختنہ نہیں ہوئیں مجتہد صاحب نے حکم دیا کہ ختنہ کرو اور سبب پوچھا کہ اب تک کیوں نہیں کیں۔ اُنہوں نے کہا کہ سونڈ و پیہ میں ختنہ ہوتی ہیں۔ ایک اور شخص نے مجھ سے کہا کہ شریعت پر تو عمل ہو سکتا ہی نہیں مَیں نے کہا کیوں صاحب تمہارے مراسم پر عمل ہو سکتا؟ لاجواب ہو کر سوچا اور سمجھ گیا۔

(۱۸؍ مارچ ۱۹۱۰ء)

ایک مرتبہ ایک گوہر شاہ شیعہ میرے مکان پر آیا مجھ کو پتہ لگا کہ کوئی اور مولوی عبد اللہ مباحثہ کرنا چاہتے ہیں اس شخص کو بھیجنے سے مطلب یہ ہے کہ آپ کو ٹٹولے۔ اُس نے کہا کہ آپ کو قرطاس کا مسئلہ معلوم ہے؟ مَیں نے کہا سیالکوٹ میں بنتا ہے اور یورپ میں بہت کاغذ بنتا ہے۔ اُس نے کہا کہ قرطاس کا کوئی مسئلہ ہے مَیں نے کہا کاغذ گروں سے دریافت کرو۔ اُس نے کہا آپ کے مذہب کی کونسی کتاب ہے مَیں نے کہا قرآن کافی کتاب ہے کہا کوئی اور؟ مَیں نے کہا

کہ اور کتاب زیادہ سے زیادہ بخاری ہے۔ کہا بخاری میں ورقی قرطاس کا معاملہ ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں اس میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہلبیت میں سے ایک لڑکی ام کلثوم سے اپنا ناطہ کرنا چاہتے تھے۔ حضور نبی کریمؐ نے جب کاغذ منگایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے خلافت لکھ دیں تو اہلبیت کو فکر ہوئی کہ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لکھا گیا تو بڑی مشکل ہوگی لہٰذا انہوں نے کہا کہ یہ تو سب جانتے ہی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ ہی خلیفہ ہوں گے لکھوانے کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلبیت کی طرفداری کی اور کہا اہلبیت کی بات مان لو اور کاغذ رہنے دو۔ پھر اس شیعہ نے کہا کہ فدک کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ میں نے کہا فدک کیا تھا؟ کہا یہودیوں کے باغ تھے میں نے کہا قرآن شریف میں (سورہ حشر رکوع ۱) میں لکھا ہے کہ یہودیوں کے باغ پر کسی نے گھوڑے نہیں دوڑائے یہ مال کسی کا نہیں یہ مال مومنوں کا ہے اور مہاجرین کا .... الخ پس معلوم ہوا کہ یہ مال بہت سے لوگوں کا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ یہ سُنیوں کا ہے (والذین جاؤا من بعدھم یقولون الخ یہ مال ان لوگوں کا ہے جو بعد میں آئیں گے اے ہمارے رب ہماری اور ہمارے اُن بھائیوں کی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں کسی مُسلمان کی نسبت کوئی کھوٹ نہ ہو۔ اب بتاؤ کہ جو اپنے آپ کو حقدار سمجھتے ہیں یعنی شیعہ وہ اگلے صحابہؓ کے حق میں دُعا مانگتے اور مغفرت چاہتے ہیں یا اُن سب کو تبرّا بھیجتے ہیں۔ قرآن کریم تو کہتا ہے یہ انکا حق ہے جو تبرّا نہیں بھیجتے۔

(۳۱ر جنوری ۱۹۱۲ء)

ایک شیعہ نے مجھ سے کہا کہ یہ قرآن تو چُپ کتاب ہے (اُسکے الفاظ تھے کتابٌ صامت) اور حضرت علی کرم اللہ وجہٗ ناطق کتاب تھے۔ میں نے کہا کہ یہ کتاب تو کہتی ہے کہ میں بولتی ہوں ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق (الجاثیہ) اور حضرت علیؓ ناطق ہیں تو انکی آواز میرے کان میں پہنچواؤ تو سہی۔

عیسائی

(۲۴۔ جولائی ۱۹۰۷ء)

بمبئی میں ایک شخص سید حسین پیدل جا رہے تھے ایک عیسائی کو دیکھا کہ بگھی پر آ رہا ہے اس نے انکو سلام کیا انہوں نے بگھی رکوا کر کہا کہ گھوڑے میں زیادہ طاقت ہے یا تم میں اُسنے کہا کہ گھوڑے میں انہوں نے کہا کہ انسان نے جسکو اپنے آپ سے زیادہ طاقتور دیکھا اسی کو قابو کر لیا مگر تم نے خدا کو دیکھا مان لیا اسکو قابو نہ کیا۔

(۲۳ر دسمبر ۱۹۱۱ء)

ایک مرتبہ ایک عیسائی سے میری ملاقات ہوئی میں نے اُس سے کہا کہ زنا تم کرتے ہو تو آتشک تم کو ہوتی ہے یا

مسیح کو؟ مبہوت رہ گیا۔

(۱۴؍اپریل ۱۹۰۹ء قبل از درس در مسجد اقصیٰ)

بائیبل کو ہم نے بہت دفعہ پڑھا۔ ہمارے مطالعہ کی بائیبل جس پر ہم نے بہت سے قیمتی حواشی لکھے تھے کسی نے چرالی۔

(۱۵؍مئی ۱۹۰۹ء بعد نماز ظہر)

ایک انگریز کا نام گارڈن تھا اُس نے مجھ سے کہا کہ یورپ نے بڑی ترقی کی ہے۔ میں نے کہا کیا ترقی کی ہو مسلمانوں کی صرف ایک اذان ہی کا مقابلہ کرلو۔ تم لوگوں سے سوائے گھنٹے بجانے کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن مسلمان کوٹھوں پر بلند میناروں پر چڑھ کر پانچوں وقت اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتے ہیں۔ کیا اس سے بڑھ کر خدائے تعالیٰ کے جلال اور کبریائی کے لیے کوئی چیز ایجاد کر سکتا ہے؟ نہ یہودی مقابلہ کر سکتے ہیں نہ مسیحی نہ مجوسی نہ ہندو۔ ایک اور انگریز سے اسی قسم کی گفتگو ہوئی تو اُس نے کہا کہ ہم نے ہی غلام آزاد کرانے کا بیڑا اُٹھایا اور ہم لوگوں ہی کے سر یہ سہرا بندھا۔ میں نے فوراً جواب دیا کہ مسلمانوں کے ہاں تو اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ والی آیت میں خدائے تعالےٰ نے غلام آزاد کرنے کے لیے ایک حصہ (فِی الرِّقَابِ) مقرر فرمادیا ہے تمہاری انجیل میں تو کہیں غلاموں کے آزاد کرنے کے لیے کوئی بھی حکم نہیں۔ بھلا مسلمانوں سے بڑھ کر غلاموں کے آزاد کرانیکا دعویٰ تم کیسے کر سکتے ہو؟ وہ بھی سُنکر کچھ حیران ہی سا رہ گیا۔

(۱۹؍مئی ۱۹۰۹ء)

میں ایک مرتبہ سورۃ مائدہ کے پہلے رکوع کی آیت اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ الخ پڑھ رہا تھا کہ ایک مسیحی جو بڑا آدمی تھا آگیا۔ اس نے اعتراض کیا کہ مولوی صاحب یہ تو بڑا ظلم ہے کہ اسلام نے ہماری لڑکیاں تو تم کو دلادیں اور تمہاری لڑکیاں عیسائیوں کو نہ دینے دیں۔ میں نے کہا کہ تم کو معلوم نہیں اس میں ایک بڑی پیشگوئی ہے خدائے تعالےٰ جانتا تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ عیسائی مسلمانوں کے بادشاہ ہوں گے۔ پس مسلمانوں کو کہا کہ تم تو اپنے حاکموں پر بدظنی نہ کرو۔ لیکن وہ بغاوت وغیرہ کی بدظنی تم پر کریں گے اس لیے تم ان کی لڑکیوں سے شادی کرلو تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ہماری تو لڑکیاں مسلمانوں کے گھروں میں ہیں یہ اگر بغاوت کے منصوبے کریں گے تو ہم کو فوراً معلوم ہو جائیں گے۔ یہ سُنکر وہ خاموش و حیران رہ گیا۔

(۱۳ جون ۱۹۰۹ء)

ایک پادری نے مجھ سے کہا کہ تمہارے یہاں قرآن میں مکہ کو زمین کی ناف کہا ہے میں نے کہا یہ قرآن شریف موجود ہے اس میں کہیں ناف کا ذکر نہیں ہاں بائبل میں یاجوج ماجوج کے ذکر میں مذکور ہے کہ وہ زمین کی ناف پر چڑھائی کریں گے حدیثوں میں البتہ ناف کا ذکر ہے۔ بچہ ناف کے ذریعہ سے غذا حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح مکہ میں جو کتاب نازل ہونا شروع ہوئی اس نے ہم کو رُوحانی غذا پہنچائی۔

(۲۰ جون ۱۹۰۹ء)

ایک مسیحی نے مجھ سے کہا کہ بائبل کے معنی ہم ہی خوب کر سکتے ہیں تم نہیں کر سکتے میں نے کہا توریت کے معنی تو یہودی ہی خوب کر سکتے ہیں تم نہیں کر سکتے۔

(۳ اگست ۱۹۰۸ء در درس بخاری بعد نماز ظہر در مسجد مبارک)

ٹوانہ کے سردار عمر حیات خان کے والد ماجد ایک مرتبہ کسی انگریز کی کوٹھی میں گئے تو وہاں اُس انگریز نے سوال کیا کہ سردار صاحب یہ بتاؤ کہ محمد رسول اللہ صلعم سچے رسول تھے؟ انہوں نے کہا اور تو میں جانتا نہیں ہاں اتنا جانتا ہوں کہ تمہاری کوٹھی میں آکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے رسول ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اس نے کہا کیسے۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس تین لاکھ روپیہ جمع ہے۔ اسی برس کی عمر ہے۔ اولاد کوئی ہے نہیں لیکن پھر بھی تمہاری کوٹھی میں آکر یہی جی چاہتا ہے کہ کچھ زمین مل جائے کوئی کرسی کا درجہ بڑھ جائے وغیرہ دنیا میں مال و دولت اور عورت لطف کی چیزیں ہیں لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا کہ دنیا کی محبت نہ کرو کسی کا مال نہ لو کسی کی عورت کو مت دیکھو۔ زنا نہ کرو پھر یہ کہ اپنے اولاد کے لیے بھی کوئی آمدنی کی کر مقرر نہیں کی۔ سادات کو زکوٰۃ لینے سے بھی منع کیا پس اب یہ بتاؤ کہ پیغمبری سے انہوں نے خود فائدہ کونسا اُٹھایا۔ اور آرام کیا حاصل کیا پھر یہ کہ اپنی اولاد کے لیے صدقہ بھی حرام کر دیا یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے زبردستی ہی پیغمبری کا دعویٰ کرا لیا ہو گا یعنی خدائے تعالیٰ نے ہی پیغمبر بنایا ہوگا ورنہ خود تو کوئی فائدہ اٹھایا نہیں۔ مجھ سے جب کسی نے یہ حکایت بیان کی تو میں نے سُنکر کہا کہ اب ضرور ملک صاحب خان کے لڑکا بھی پیدا ہوگا۔ چنانچہ اُن کے لڑکا پیدا ہوا جو موجود ہے۔

(۱۵/ اگست ۱۹۰۸ء)

ایک پادری نے مجھ سے کہا کہ بہشت میں کھائیں گے تو پاخانہ کیوں نہ پھریں گے۔ میں نے کہا کہ تو نے نو مہینے تک ماں کے پیٹ میں کھایا کیا وہاں پاخانہ بھی پھرتا تھا؟ چُپ ہوگیا۔

(۱۶/ اگست ۱۹۰۸ء)

ایک مرتبہ ریل میں ایک انگریز ہمارے ساتھ سوار ہوا اُس کا نام ٹیلنگن تھا۔ ایک اور منشی جمال الدین تھے اُنہوں نے اُس انگریز سے میری طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ قرآن شریف خوب جانتا ہے وہ انگریز میرے پاس آگیا اور کہا آپ نے مَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ الخ پر غور کیا ہے؟ میں نے اُس کو بہت تفصیل سے سمجھایا اُس نے مجھ سے سُن کر کہا کہ آپ کا نام کیا ہے۔ میں نے کہا نورالدین ہے کہا جموں والا؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ فوراً علیحدہ ہوگیا اور پھر تمام سفر میں مجھ سے بولا ہی نہیں۔

(۱۸/ اکتوبر ۱۹۱۲ء بروز جمعہ)

میں ایک گاڑی پر سوار ایک انگریز پادری کی کوٹھی کے سامنے سے گذرا میرے ساتھ ایک گریجویٹ لڑکا بھی سوار تھا اُس نے مجھ سے کہا کہ آپ اس انگریز سے ملاقات کریں بڑا فلسفی ہے۔ اُس نے زیادہ مبالغہ کیا تو میں نے کہا کہ مسیحی فلسفی نہیں ہو سکتا۔ اُس نے کہا کیوں؟ میں نے کہا کہ اچھا تم اوّل اس کے پاس جاکر کہو کہ مجھ کو تھری اِن ون کے مسئلہ کی فلاسفی سمجھا دیجئے وہ لڑکا بے تکلف فوراً اُس کے پاس چلا گیا اور اُس سے تھری ان ون (تثلیث) کے مسئلہ کی فلاسفی دریافت کی۔ پادری نے جواب میں کہا کہ اس مسئلہ کے صحیح ہونے کی دلیل یہی کافی ہے کہ ہم نے اس کو مان لیا ہے اور ایشیائی دماغ اس کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ وہ لڑکا واپس آیا اور کہا کہ اُس نے ہماری بڑی تحقیر کی اور کہا کہ اس کا فہم ایشیائی دماغوں سے بالاتر ہے۔ میں نے کہا کہ تم پھر جاؤ اور اس سے کہو کہ تمہارا خدا (مسیح) بھی ایشیائی تھا اور اس کے مرید پطرس پترس بھی ایشیائی۔ آپ کے قاعدے سے معلوم ہوا کہ وہ تینوں اس مسئلہ کو نہیں سمجھتے تھے جب تمہارا خدا اور اس کے خلیفے بھی نہیں سمجھ سکے تو تم کیسے سمجھ گئے وہ پادری سُنکر ہنس پڑا وہ لڑکا سمجھ گیا کہ یہ ہنسنا لاجواب ہونے کی علامت ہے۔ مجھ سے آکر کہا کہ وہ تو لاجواب ہوگیا۔ انہیں ایام میں کچھ عرصہ کے بعد اس پادری کو عیسائیوں کے ایک مجمع میں لیکچر دینے کا اتفاق ہوا اور اتفاق سے وہ لڑکا بھی اُس مجمع میں موجود تھا لیکن پادری صاحب نے اس کو نہیں

دیکھا تھا۔ وہاں پادری نے اپنے مسیحیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ ان کالجوں کے گریجویٹ لڑکوں سے بہت بچنا چاہیے یہ بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ ایک تعلیم یافتہ لڑکے نے مجھ سے ایسا سوال کیا کہ میں اس کو کوئی جواب نہیں دے سکا اور نہایت سراسیمہ ہوگیا۔ اور اب تک بھی میں جواب نہیں دے سکتا۔

(۱۰ ستمبر ۱۹۰۹ء)

ایک عیسائی مجھ کو ریل میں ملا میں نے اس سے کہا کہ تم بڑی کوشش کرتے ہو کہنے لگا کہ جس کا گھر پہاڑ پر بنا ہوا اس کو کیا فکر۔ لیکن جس کا گھر ریت کے تودہ پر بنا ہو وہ کوشش بھی نہ کرے؟ ہمارا مذہب توریت کے تودہ پر ہے ہم کوشش نہ کریں تو کیا کریں۔

(۳۰ جنوری ۱۹۰۹ء)

راولپنڈی میں ایک شخص صفدر علی تھا وہ عیسائی ہوگیا اس نے ایک کتاب لکھی جس کا نام نیا زمانہ تھا۔ ایک مولوی صاحب نے اس میں آیت وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ کی بحث دیکھی اور گھبرائے ہوئے میرے پاس آئے کہ قرآن شریف تو انجیل کو سچا بتاتا ہے میں نے کہا کہ ما معکم کے مصداق تو یہودی ہیں نہ کہ عیسائی۔ مولوی صاحب کی سمجھ میں بات اچھی طرح نہ آئی تو میں نے ان سے کہا کہ تم اس عیسائی سے جا کر یہ پوچھو کہ وہ انجیل جو حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی ہے کونسی چاہیے کسی دوسرے نے ہی جمع کی ہو۔ مولوی صاحب گئے اور دریافت کیا تو عیسائی نے جواب دیا کہ ہمارے یہاں عیسیٰ کوئی نہیں۔ رہے ہمارے خداوند سو وہ تو خود کتاب نازل کرتے ہیں تمیز بخشتے ہیں ان پر کوئی کیا کتاب نازل کرتا اور انکو کوئی کیا تمیز سکھاتا۔ مولوی صاحب یہ جواب سنکر میرے پاس آئے تو میں نے ان سے کہا کہ لو تم تو فارغ ہوتے اب اگر کوئی یہودی ہو تو بتاؤ اس کا بھی علاج بتائیں۔

(۱۵ فروری ۱۹۰۹ء)

ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کیوں کیا کرتے ہو؟ میں نے کہا تم یہ تو بتاؤ کہ تم کسی بات کے قائل بھی ہو جو کسی مذہب نے مانی ہو کہا کہ ہاں دعا کا قائل ہوں۔ میں نے کہا کہ زمین گول ہے نماز کا وقت زمین پر ہر جگہ ہوتا ہے مسلمان دنیا کے ہر حصہ میں پائے جاتے ہیں یعنی ہر وقت سینکڑوں ہزاروں لوگ نمازیں پڑھتے ہیں پھر ہر نماز میں درود پڑھی جاتی ہے اور یہ سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوتا۔ تم بتاؤ کوئی رسول بھی ایسا ہے جس کے لیے اس قدر دعائیں مانگی جاتی ہوں اور مانگی گئی ہوں۔

حسب خواہش محمد یوسف صاحب اُنکا خط بجنسہٖ درج کیا گیا انہوں نے چاہا کہ اس طرح میرا نام بھی اس کتاب میں درج ہو جس کو وہ اپنے لیے موجب سعادت سمجھتے ہیں۔ مرتب۔ سیّدی مخدومی جناب خانصاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہو۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو قریباً تین بجے دن کے درس حدیث میں حضرت امیرالمومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ایک مباحثہ کا جو انکو ایک عیسائی سے پیش آیا تھا ذکر فرمایا اور اس کے ذکر فرمانیکے بعد فرمایا کہ ہمارے محمد اکبر (شاہ) خانصاحب کچھ لکھا کرتے ہیں۔ وہ ہر وقت تو یہاں ہوتے نہیں اور ہمیں تمام باتیں ایک ہی مرتبہ یاد نہیں آتیں کبھی کبھی کسی سبق کے وقت یاد آجاتی ہیں۔ یہ بات بھی لکھنے کی قابل ہے اس لیے خانصاحب کو لکھوادیں۔ لہٰذا درج ذیل ہے۔ (راقم۔ محمد یوسف سب ایڈیٹر بدر۔ قادیان)

ایک دفعہ ریل میں آتا تھا۔ ایک عیسائی مجھے ملا اُس نے کہا اب تو اسلام کے مقابل میں ایسی کتاب لکھی گئی ہے کہ اسلام اُس کے سامنے ہرگز نہ ٹھہرے گا۔ مَیں نے کہا وہ ایسی کونسی کتاب ہے؟ کہنے لگا کہ اس کتاب کا نام تنقید القرآن ہے اور پادری عمادالدین نے لکھی ہے۔ مَیں نے کہا اس کی کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ تنقید سناؤ۔ اُس نے کہا کہ قرآن نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ خاص قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے اور چونکہ نبی کریمؐ قریش مکہ میں سے تھے دوسروں کی زبان نہیں بول سکتے تھے۔ اس کتاب میں یہی ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن میں فلاں لفظ فلاں زبان سے اور فلاں لفظ فلاں زبان سے آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاص قریش میں سے نہ تھے اور قرآن شریف بھی خاص قریش کی زبان میں نہیں ہے۔ مَیں نے کہا دیکھو مَیں بھیرہ کا رہنے والا پنجابی آدمی ہوں اور اُردو بولتا ہوں تو کیا اس سے میرا پنجابی ہونا باطل ہو جائیگا۔ اور پھر قرآن شریف میں کہاں لکھا ہے کہ یہ خاص قریش ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اس پر وہ خاموش ہو کر سوچنے لگا اور کہا کہ آپ ہی بتائیں کہ آیا قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت ہے یا نہیں جس میں لکھا ہو کہ یہ قریش ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ مَیں نے کہا کہ یہ کہیں نہیں لکھا۔ بلکہ وہاں تو صرف یہ لکھا ہے بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ یہ سُنکر مجھ سے کہنے لگا کہ آپ نے تو اس کتاب کا ستیاناس ہی کر دیا۔

ہندو دہریہ

(۱۳ نومبر ۱۹۱۰ء)

مَیں نے ایک رئیس کو جو بوڑھا آدمی تھا ایک مرتبہ رات کے وقت ناچتے ہوئے دیکھا صبح کو اُس مکان میں مَیں نے جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ سانپ کی ایک مورت کسی دھات کی بنی ہوئی ہے۔ مَیں نے اُس کو انگلی سے ٹھوکا دیا تو اُس میں سے جھنکار کی آواز دیر تک نکلتی رہی وہ آواز سُنکر وہ رئیس جو قریب کے مکان میں تھا آگیا اور کہا کہ رام رام یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ مَیں نے اس کو بہت شرمندہ کیا۔ غرض مُشرک اعلیٰ درجہ کا بیوقوف ہوتا ہے۔

(۳۰ دسمبر ۱۹۰۵ء)

سفر میں ایک بادشاہ کی مجلس میں بڑے طویل و عریض مقام پر سفید چاندنی بچھی ہوئی تھی اور نرم نرم ہوا کے باعث اس میں خوشنما تموّج ہوتا تھا جو بھلا معلوم ہوتا تھا۔ اسی حال میں وہ بادشاہ اپنے وزیر سے جو دہریہ مزاج تھا ہستی باری تعالےٰ پر بحث کر رہا تھا۔ بادشاہ نے مجھ سے فرمایا کہ ہستی باری تعالیٰ کی کوئی دلیل بیان کرو۔ مَیں نے عرض کیا کہ یہ دِلرُبا تموّج چاندنی کا۔ بادشاہ نے جب اس طرف دیکھا تو اُس کو نہایت اچھا معلوم ہوا اور مجھ سے کہا کہ کیونکر؟ مَیں نے عرض کیا کہ اس تموّج کا باعث چاندنی کا ارادہ ہے یا اس میں طبعی خواہش ہے؟ وزیر نے کہا کہ یہ تموّج ہوا کی خاص رفتار کا باعث ہے اور یہ متاثر چاندنی بے ارادہ ہے۔ مَیں نے عرض کیا کہ اس طرح کی رفتار اس وقت ہوا کی طبعی خاصیت ہے؟ اُس نے کہا کہ ایک خاص انقباض کے باعث ہوا میں یہ خاص رفتار ہے۔ مَیں نے کہا کہ یہ انقباض بالارادہ ہے؟ اور مجھے یقین تھا کہ یہ فلسفی ہے دو تین قدم سے زیادہ نہیں چلے گا۔ اُس نے کہا کہ اس انقباض خاص کا سبب غیر معلوم ہے۔ مَیں نے کہا وہ غیر معلوم سبب ارادہ رکھتا ہے کہ نہیں؟ اس پر بولا کہ ایک گریٹ پاور اس انتظام کا موجب ہے۔ اس پر مَیں نے اور بادشاہ نے معاً کہا کہ یہ اصطلاحی لفظ ہے اس کو اللہ۔ پرمیشر۔ گاڈ۔ جو چاہو کہو۔ تب اُس نے کہا کہ مَیں مُنکر نہیں بلکہ طالبِ دلیل ہوں۔

(۴ اپریل ۱۹۰۷ء)

ایک عظیم الشان شہزادہ کے حضور ایسا اتفاق ہوا کہ ہم لوگ کرسیوں پر بیٹھے تھے اور نیچے دری تھی۔ وہ شہزادہ

منکر ہستیٔ باری تعالیٰ تھا۔ اثنائے گفتگو میں اُس نے ایک ڈاکٹر کو اپنا اُستاد بتایا۔ مَیں نے کہا کہ اسے طلب فرمائیں وہ بلایا گیا۔ مَیں نے ڈاکٹر سے کہا کہ یہ سیاہ تاگا جو دری میں ہے اُس میں فطری خواہش ہے کہ وہ سیدھا اس مقام تک رہے اور اِدھر اُدھر نہ جائے؟ ڈاکٹر بولا مولوی صاحب! ایک دری باف کے ارادہ نے اس کو سیدھا یا ٹیڑھا کیا مگر ہم نے اس دری باف کو دیکھا ہے اور آپ کے صانع کو ہم نے نہیں دیکھا۔ مَیں نے کہا ڈاکٹر! سوچکر کہو۔ تم نے اس دری کے دری باف کو دیکھا ہے کیا یہ سچ ہے؟ کہا کہ اس کے مثل کو دیکھا ہے۔ مَیں نے کہا کیا اُس کی اور مثل ہے؟

تو بولا اصل بات یہ ہے کہ مَیں بچہ تھا جب مَیں نے مولوی صاحب کو دیکھا اس لیے مَیں اس وقت بحث میں دَب گیا ہوں۔

(۳؍جنوری ۱۹۰۷ء)

مَیں نے ایک برہمو سے پوچھا کہ تمہارا اصل کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ دُعا۔ مَیں نے کہا تم غلط کہتے ہو۔ کہا کس طرح؟ مَیں نے کہا مشاہدہ۔ کہا وہ کیونکر؟ مَیں نے کہا تم اپنی کوئی اعلیٰ درجہ کی دُعا سناؤ تو سہی اس کو شرم سی آگئی اور کچھ دیر چُپ رہ کر کہا کہ آپ ہی سنائیں۔ مَیں نے کہا دعویٰ تمہارا اور سناؤں مَیں۔ خیر اُس کے اصرار پر مَیں نے سورہ فاتحہ کو بہت سی باتیں مدِ نظر رکھ کر مع ترجمہ سنانا شروع کیا تو اُس نے جھٹ نوٹ بک نکال کر لکھنا شروع کیا اور کہا اصل دُعا تو یہی ہے۔

(۱۶؍مئی ۱۹۰۹ء)

ایک آریہ نے مجھ سے اعتراض کیا کہ تمہاری شریعت میں مردوں کے واسطے جنت میں بدلہ ملنے کا ذکر ہے عورتوں کے لیے نہیں ہے مَیں نے اس کو یہ آیت پڑھ کر سُنائی لَآ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی۔

(۱۹؍مئی ۱۹۰۹ء)

ایک شخص کو مَیں نے دیکھا کہ وہ طالبعلموں کو ساتھ لیکر بڑے بڑے عالیشان مکانوں کے قریب جاتا اور ان کو دیکھکر کہتا کہ میرے دل میں بڑی تمنّا ہے کہ یہ عربی کے مدرسے ہوتے اور مسلمان ایسے ہوتے ایسے ہوتے یوں عزّت احترام کے ساتھ رہتے وغیرہ پھر جب خوب ان باتوں کا اثر ہو جاتا تو کہتا کہ اگر کوئی قوّت واقعی ہوتی یعنی خدا تعالیٰ ہوتا تو کیوں یہ اندھیر ہوتا۔ دیکھو کیسے باریک در باریک طریقہ سے دہریّت کی تعلیم ہے۔

(۱۹ رمئی ۱۹۰۹ء)

مجھ پر ایک آریہ نے اعتراض کیا کہ تم قبلہ کی سمت کو کیوں معزز سمجھتے ہو اور نمازوں میں اس طرف کو مُنہ کرتے ہو۔ میں نے کہا کہ ہون کرتے وقت تم اس طرف پشت کیوں نہیں کر لیتے۔ پھر اب جو تم نے مجھ سے بات کی تو میری طرف پُشت کیوں نہیں کی۔ کہنے لگا اب کبھی یہ اعتراض نہ کروں گا۔

(۲۰ رمئی ۱۹۰۹ء)

ایک نومُسلم لڑکے کی تعلیم پر میں نے ہزار ہا روپیہ خرچ کیا اُس نے مجھے کو ایک کارڈ لکھا کہ میں تمہارے اس ناپاک مذہب اسلام سے پھرتا ہوں اور اب گنگا نہانے یعنی پوتر ہونے جاتا ہوں۔ میں نے اس کو لکھا کہ روح افزا کارڈ پہنچا۔ اگر تم ایک مرتد ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ہم کو ایک جماعت دیگا اور یہ آیت بھی لکھی یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ الخ (مائدہ ۸ع) جس وقت یہ کارڈ لکھا تھا اس وقت سید حامد شاہ بھی کشمیر میں ہی میرے پاس تھے۔ وہ لڑکا اب ہمارے مریدوں میں ہے۔

(۸ رجون ۱۹۰۹ء)

ایک مرازگی (جینی) کے کیڑے پڑ گئے میں نے تیزاب ڈالکر اُن تمام کیڑوں کو ہلاک اور زخم کو صاف کیا وہ مجھ کو بڑی دُعائیں دینے اور کہنے لگا کہ مہاراج بڑی کرپا ہوئی۔ میں نے کہا کرپا کیا خاک ہوئی تمہارے مذہب پر تو پانی پھر گیا۔ ایک جیو کے عوض میں ہزاروں جیو ہلاک ہوئے۔

۲۶ رجون ۱۹۰۹ء

ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ فضا میں عدم محض ہے میں نے کہا تو پھر چاند سُورج عدم محض میں چلے گئے۔ کہنے لگا دیکھو لفظوں کی غلطی نہ پکڑو۔ میں نے کہا آخر کلام تو لفظوں ہی سے ہوتا ہے۔

(۹ راگست ۱۹۰۸ء)

ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ تمہارے خدا کی شکل اور کیا رنگت ہے۔ میں نے کہا تو اوّل یہ بتا کہ تیری آواز کی کیا شکل ہے۔ تیری قوت ذائقہ کی کیا صورت ہے۔ تیری بینائی کی کیا رنگت ہے اُس نے کہا اچھا کم از کم ان کے مقام تو معین ہیں۔ میں نے کہا زمانہ کی کوئی جگہ مقرر ہے۔ ایک سکنڈ کا لاکھواں حصہ بھی سارے جہان کو اپنی بغل میں لیے بیٹھا ہے۔ زمانہ کی کوئی شکل بھی نہیں اور زمانہ موجود بھی ہے اور اس کا کوئی مکان بھی معین نہیں۔ پس ہم ایسی بہت

سی مخلوق کو جانتے ہیں جس کی کوئی جگہ مقرر نہیں کر سکتے۔ مخلوق میں جب ایسی مثالیں ہیں تو خدا تو پھر خدا ہی ہے۔

(۲۸ دسمبر ۱۹۰۹ء)

کفر و شرک بھی بڑی ظلمت ہے۔ میں نے بڑے بڑے ہندوؤں کو ناچتے اور سفید داڑھیوں پر بتوں کے سامنے طنبور بجاتے ہوئے دیکھا ہے۔ ضلع سیالکوٹ میں ایک شخص اپنی لڑکیوں کو بھی اپنے ساتھ نچواتا تھا۔

(۱۰ اکتوبر ۱۹۱۰ء)

ایک برہمو نے مجھ سے کہا آپ لوگ مکہ معظمہ کی پرستش کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ پرستش کے معنی کیا ہیں بتاؤ؟ کہا پوجا۔ میں نے کہا پوجا کس کو کہتے ہیں؟ تب اس نے پرستش کے معنی بتائے کہ جس میں دھیان ہو۔ عظمت ہو۔ میں نے ایک شخص سے کہا ذرا نماز پڑھو۔ اس نے نماز پڑھی۔ میں نے اس برہمو سے دریافت کیا بتاؤ اس میں کوئی مکہ معظمہ کا دھیان یا عظمت ہے یا مکہ سے کوئی دعا مانگی گئی ہے؟

(۱۳ نومبر ۱۹۱۰ء)

ایک شریر آدمی نے مجھ سے کہا کہ اگر اس زمین سے آسمان تک اور لاانتہا فضا تک سب کو پتھروں سے بھر دیا جائے تو پھر (نعوذ باللہ) تمہارا خدا کہاں جائیگا؟ میں نے کہا کہ زمانہ ان سب پر حکومت کرتا ہے یا نہیں۔ مثلاً ایک سکنڈ تمام فضا اور تمہارے پتھروں پر گذرتا ہے یا نہیں؟ کہا ہاں زمانہ تو ان پتھروں سے نہیں کچلا جاتا۔ میں نے کہا زمانہ تو خدا تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔

(۲۴ جنوری ۱۹۱۲ء)

ایک وکیل نے مجھ سے دریافت کیا کہ ہستی باری تعالیٰ کی دلیل کیا ہے؟ میں نے کہا تمہاری کوئی جماعت ہے؟ کہا نہیں۔ میں نے کہا تم کسی کے ہادی ہو؟ کہا نہیں۔ میں نے کہا تم یہ چاہتے ہو کہ جھوٹے مشہور ہو جاؤ۔ کہا نہیں۔ میں نے کہا جب تم جیسا لچر آدمی بھی اپنے آپ کو جھوٹا کہلانا پسند نہیں کرتا تو بھلا یہ انبیاء کی تمام جماعت کیسے گوارا کر سکتی تھی کہ وہ جھوٹ بولیں۔ پھر مشرق سے لیکر مغرب تک شمال سے لیکر جنوب تک اور ہر زمانہ کے نبی متفق ہیں کہ خدا تعالیٰ ہم سے مکالمہ کرتا ہے۔

(۱۷ فروری ۱۹۱۲ء)

ایک دہریہ میرے پاس بہت آتا جاتا تھا اس نے کہا کہ ایک ہندو قرآن کا بڑا ماہر ہے اور وہ تمہارا واقف نہیں

واقف ہوکر شاید بحث نہ کرے لہٰذا ابھی چلو۔ مَیں گیا۔ اس سے کہا کہ سُنا ہے آپ قرآن شریف کو خُوب جانتے ہیں اور آپ نے کچھ اعتراض بھی کئے ہیں۔ غرض بہت سی باتوں کے بعد اُس نے کہا کہ ذرّات عالم مفقود نہیں ہوتے اور قرآن میں لکھا ہے کہ مفقود ہو جاتے ہیں۔ مَیں نے کہا کہ یہ دو دعوے ہیں ایک کا ثبوت آپ کے ذمّہ کہ مفقود نہیں ہوتے اور دوسرا قرآن کے ذمّہ کہ مفقود ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم منگایا گیا اُس نے آیت نکالی کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ مَیں نے کہا کل کا ترجمہ کیا ہوا۔ کہا ہر چیز۔ من کا ترجمہ نہ کر سکا علیہا کا ترجمہ کیا جو زمین پر ہیں۔ مَیں نے کہا اس سے تو ثابت ہوا کہ جو زمین کے اُوپر اُوپر ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ وہ سب نہیں۔ پھر مَیں نے کہا کہ اس میں مفقود کا لفظ نہیں معدوم کا لفظ بھی نہیں۔ اب فان کا ترجمہ باقی ہے کہ معدوم معنی ہیں یا نہیں وہ کچھ حیران پریشان سا رہ گیا۔

(۱۳؍جون ۱۹۱۲ء)

مَیں ایک مرتبہ راولپنڈی گیا۔ ایک آریہ دوست نے میری خاطر عمدہ عمدہ خربوزے لاکر میرے آگے رکھے اپنے ہی ہاتھ سے کاٹنے لگا۔ پہلے بیج علیحدہ کیے پھر قاشیں بنائیں۔ پھر چھلکے علیحدہ کیے پھر شکر ملائی۔ جب میرے آگے رکھنے لگا تو کہا کہ گوشت کے متعلق آپ کا کیا فتوےٰ ہے۔ مَیں نے کہا بندہ تو کوئی گوشت نہیں کھاتا یہ سوال بیہودہ ہے۔ حیران ہو گیا اور کہنے لگا کہ یہ تو بڑے مہاتما ہیں یہ بھلا گوشت کے مجوّز ہو سکتے ہیں؟ وہ میرے طرز مباحثہ سے ناواقف تھا۔ مَیں نے کہا کہ مَیں نے اپنی مدۃ العمر میں ایک برہمن کو گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے (ایک ادھ کی طرف کا برہمن تھا وہ کشمیر میں فوج کا کرنیل تھا بازار سے گوشت لاتا اور راستہ میں کچا ہی کھاتا ہوا جاتا) مَیں نے ایک قاش اُٹھائی اور کہا کہ اس کا نام خربوزہ تو نہیں ہے خربوزہ تو وہ تھا جس کا اکثر حصّہ یعنی بیج اور چھلکا وغیرہ تم نے پھینک دیا ہے۔ یہ کیا ہے؟ کہا یہ تو شکر مل کر کوئی مرکب چیز ہی بن گئی ہے جو کچھ اس کا نام رکھا جاتے۔ مَیں نے کہا انسان ایسا مرکب ہے کہ خربوزہ تک کو نہیں کھا سکتا یہ بھلا گوشت کیا کھا سکتا ہے۔ ہمارے گھر میں گوشت آتا ہے اس میں گھی۔ زعفران دارچینی خشخاس۔ بیسن وغیرہ چیزیں ملا کر پکاتے ہیں وہ ایک مرکب تیار ہوتا ہے۔ اس کو گوشت نہیں کہہ سکتے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں گوشت بھی ہے۔ بھلا انسان بکری کی طرح ساگ بھی کھا سکتا ہے؟

مختلف واقعات

(۱۰؍جنوری ۱۹۱۲ء)

ایک مرتبہ ایک موچی میرے پاس فروخت کے لیے ایک جُوتی لایا۔ دُور سے تو اچھی معلوم ہوتی تھی جب مَیں نے ہاتھ میں لیکر دیکھا تو اس میں بھراؤ معلوم ہوا۔ مَیں نے کہا اس میں تو کھوٹ معلوم ہوتا ہے وہ بوڑھا موچی مجھ سے کہنے لگا کہ میاں کھوٹ نہ کریں تو روٹی کیسے کھائیں۔ بھلا سچ سے کہیں روٹی ملتی ہے؟ مَیں نے اس سے کہا کہ تو اتنا بوڑھا ہوگیا ہے اب تک تجھ کو جھوٹ ہی کے ذریعہ سے روٹی ملی ہے؟

(۱۰؍دسمبر ۱۹۱۲ء)

مَیں ایک مرتبہ جے پور میں تھا وہاں کے راجہ نے اپنے آدمیوں سے کہا ایک بُت خرید و۔ بت سازوں نے یہ چالاکی کی کہ بہت سے بُت بنا کر شام کے وقت لائے راجہ نے کہا کہ اچھا کل دیکھیں گے۔ ان بُتوں میں ایک ٹوٹا ہوا بُت بھی بُت سازوں نے شامل کر دیا تھا۔ صبح کو انہوں نے کہا کہ آپ کے آدمیوں نے رات کے وقت ایک بُت کا گلا کاٹ دیا ہے۔ مَیں نے کہا کہ مَیں ہی ایک مُسلمان یہاں ہوں مگر مجھ کو تو یہ لوگ ان بُتوں کے پاس بھی نہیں جانے دیتے۔ راجہ نے کہا کہ یہ لوگ (بُت ساز) ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اُن بُت سازوں کو قیمت اُس بُت کی دے دی۔ مَیں نے کہا جو بُت اپنا گلا کٹوا بیٹھا وہ بھلا آپ کو کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

(۱۵؍جنوری ۱۹۱۲ء)

مَیں نے مختلف اضلاع کے جیل خانوں کے داروغوں سے دریافت کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ قیدیوں میں مُسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے۔ مَیں نے ایک شہر کے جیلخانہ میں معلوم کیا تو کل قیدی ۲۳۵ تھے جن میں صرف ۱۳ ہندو اور ۲۲۲ مُسلمان تھے اور اُسی ضلع کے مدرسوں میں کل ۱۴۰۰ لڑکے پڑھتے تھے جن میں صرف ۱۴ مُسلمان ۱۳۸۶ ہندو تھے تم غور کرو اور سوچو۔ خدائے تعالےٰ سے استغفار کرو اور ڈرو۔

(۲۰؍جنوری ۱۹۱۲ء)

ایک نوجوان کو مَیں نے دیکھا کہ اُس کے یہاں فسق و فجور بہت ہی ہوتا تھا اور رات دن ہنسی مذاق دل لگی ہوتی رہتی تھی۔ اگرچہ وہ میرا راستہ نہ تھا لیکن میں پھیر کھا کر بھی اسی طرف کو جاتا اور کوئی ان کا ملازم ذرا جھوٹ موٹ بھی کوئی

بات کرتا تو میں تھوڑی دیر کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگتا۔ میری وہاں بہت بڑی وجاہت تھی۔ پھر کسی وجیہہ آدمی کا اس طرح کھڑے ہو جانا معمولی بات نہ تھی کہ بے اثر رہے۔ رفتہ رفتہ وہاں واقفیت اور تعلق بڑھ گیا۔ ایک دن دوپہر کے وقت ان کا ایک آدمی آیا۔ میں سمجھ گیا کہ آج نکتہ حل ہونے لگا ہے۔ اس آدمی نے آکر کچھ نہ کہا اور خاموش کھڑا رہا۔ میں نے اس کو دیکھ کر خود ہی کہا چلو اور فوراً اٹھ کر چل کھڑا ہوا۔ وہ بھی میرے ساتھ ساتھ خاموش اور شرمگین صورت بنائے ہوئے چلا۔ وہاں پہنچے۔ میرے جاکر بیٹھنے کے بعد رفتہ رفتہ تمام حاضرین چلے گئے۔ صرف میں اور وہ رئیس تنہا رہ گئے۔ میں نے کہا فرمایئے۔ وہ کچھ کہتے ہوئے رکا۔ میں نے بڑی جرأت کی ساتھ اس کے کچھ کہے بدون اس کا کمر بند کھول دیا دیکھا تو عضو تناسل کا بڑا حصہ آتشک کے زخم سے گلا ہوا تھا۔ تب مجھ کو معلوم ہوا کہ اس خوشی کے شور میں یہ رنج ہے۔ خدائے تعالےٰ بے وجہ کسی کو نہیں پکڑتا۔

(۲۷ر جنوری ۱۹۱۰ئ)

بعض آدمی لباس ہی کے بنانے میں مصروف رہتے ہیں میں جب ریاست بھوپال میں تھا تو وہاں کے شاہی خاندان میں ایک شادی تھی۔ میرے ایک وہاں کے شاگرد تھے جو اب بھی وہاں اچھے عہدہ پر ہیں انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہم بھی چلیں گے۔ میں نے کہا اچھا۔ وہ گھر سے کپڑے بدل کر آئے جو بڑے ہی زرق برق تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان میں سونا ہی سونا ہے۔ وہ جب آگئے تو مجھ سے کہا آپ نے کپڑے نہیں بدلے۔ میں نے کہا کہ بھائی ہمارا دوست ہدایت اللہ تو کہیں مکان بند کر کے چلا گیا ہے۔ چنانچہ ویسے ہی چل کھڑے ہوئے۔ جب پہلی ڈیوڑھی پر پہنچے تو وہ آگے تھے اور میں پیچھے۔ دربان نے ان کو روکا۔ میں آگے بڑھ گیا اور دربان سے کہا یہ ہمارے ساتھ ہیں اس نے کہا اچھا۔ میں نے دربان سے کہا کہ تو ان کے لباس کو نہیں دیکھتا۔ اُس نے کہا کہ لباس کا کیا ہے۔ کرایہ پر اس سے بھی اچھا لباس ہر شخص کو مل سکتا ہے۔ آگے گئے تو وہاں معلوم ہوا کہ اس وقت خاص دربار ہے۔ سوائے خاندان کے خاص خاص اور چند آدمیوں کے کوئی نہیں جا سکتا مجھ کو تو دربان نے کہا کہ آپ اندر تشریف لے جائیں لیکن ہمارے اُن ہمراہی کو وہیں دالان میں بٹھا لیا جہاں پہلے سے اور بھی رؤسا بیٹھے ہوئے تھے۔ غرضکہ میں اپنے اُسی سادہ اور معمولی لباس سے اُس خاص دربار میں بلا روک ٹوک چلا گیا۔

(۲۲ر جون ۱۹۱۲ئ ۱۲ بجے دن کے مکان پر)

مجھ کو میووں میں سات میوے بہت پسند ہیں جن میں چار تو ہندوستان سے باہر کے ہیں اور تین ہندوستان

کے کھجور۔ انگور۔ انار۔ سیب۔ آم۔ کیلا جو چھوٹا ہوتا ہے سنگترہ۔

(۸ر جنوری ۱۹۰۷ء)

ایک مرتبہ میں ایک کچہری میں بغرض ادائے شہادت گیا۔ وکیل نے سوال کیا کہ تم مولوی ہو؟ میں نے کہا نہیں وہ خاموش رہ گیا۔ بات یہ تھی کہ وہ مجھ پر دروغ حلفی کا مقدمہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ یعنی میں اگر کہتا کہ میں مولوی ہوں تو وہ مجھ سے کہتا سرٹیفیکیٹ دکھاؤ۔ پنجاب یونیورسٹی میں امتحان ہوتا ہے جس میں مولوی۔ مولوی عالم۔ مولوی فاضل کی سندیں لوگ حاصل کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ میں نے یہ امتحان نہیں دیا اور مولوی سے وہی یونیورسٹی کا سندیافتہ مولوی مراد لیا جاتا۔ میں اس کی اس منصوبہ بندی کو فوراً فراست سے سمجھ گیا تھا۔

(۱۵۔ مارچ ۱۹۱۲ء بعد نماز جمعہ مولوی محمد علی صاحب سے مخاطب ہو کر)

لباس میں میں نے ترقی نہیں کی جب سے ہوش سنبھالا ہے اسی قسم کا لباس پہنتا ہوں۔

(۲۶ر مئی ۱۹۰۹ء)

ایک شخص میرے پاس آیا بوڑھا۔ حاجی۔ آتشک کا مارا ہوا مجھ کو کامل یقین ہوگیا کہ اس کو آتشک ہے لیکن میں حیرت میں غرق ہوگیا۔ کہ یہ حاجی بھی ہے بوڑھا بھی ہے اور بہت نیک آدمی ہے اور پھر یہ مرض! مجھ کو نہایت متفکر اور حیرت زدہ دیکھ کر وہ کہنے لگا کہ آپ کیوں اس قدر حیران ہیں۔ میں نے کہا کہ میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ سوائے زنا کے کوئی دوسرا سبب آتشک کا ہو نہیں سکتا۔ کہا ذرا سوچ کر بتائیں کہ کوئی اور سبب بھی ہو سکتا ہے؟ میں نے کہا صرف ایک وجہ ہو سکتی ہے ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔ کہا کہ ہاں بس یہی بات ہے میرے بڑھاپے کی وجہ سے میری بیوی بدکار ہے۔ میں نے اس کو چھوڑا نہیں۔

(۲۹ر مئی ۱۹۰۹ء)

میں نے لاہور میں ایک لیکچر سنا۔ لیکچرار نے کہا کہ میں حساب کے امتحان میں فیل ہوتا رہا یہ دلیل اس بات کی ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ میں نے ایک شخص سے جو میرے پاس بیٹھا تھا کہا کہ مجھ کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلمان نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ بھلا مسلمانوں سے زیادہ کون حساب کو جان سکتا ہے۔

(۲۹ر مئی ۱۹۰۹ء)

میں نے تمام دنیا کی تاریخوں کو ٹٹولا ہے ہمیشہ وہ لوگ جو قیامت کے قائل نہیں ان لوگوں سے جو قیامت کے قائل ہیں شکست کھاتے رہے ہیں قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ۔

(۲۴ ؍جون ۱۹۰۹ء)

میں نے پاگل خانہ کے ایک اعلیٰ افسر سے دریافت کیا کہ مجنوں و غیر مجنوں میں کیا فرق ہے اُس نے کہا کہ میں رات دن یہاں رہتا ہوں اور غور کرتا ہوں لیکن آجتک میری سمجھ میں تو کوئی معیار پاگل اور غیر پاگل کا نہیں آیا۔ اسی طرح ایک وکیل سے پوچھا اُس نے کہا قانون میں بھی مجنون و غیر مجنون کا کوئی مابہ الامتیاز نہیں ہے درحقیقت پاگل میں خلق عظیم نہیں ہوتا اور پاگل جس قدر محنت کرتا ہے اس کا کوئی اجر اس کو نہیں ملتا۔

(۳۰ جولائی ۱۹۰۸ء)

میں نے ایک مرتبہ نبی کریم کو خواب میں دیکھا کہ مجھ کو کمر پر اس طرح اٹھا رکھا ہے جس طرح بچوں کو مُشک بناتے ہیں۔ پھر میرے کان میں کہا تو ہم کو محبوب ہے۔

(۱۹۔ اگست ۱۹۰۸ء)

میں نے ایک روز دُودھ اور جلیبیاں خوب کھالیں اُس کی وجہ سے ریاح بہت خارج ہوئیں اس روز مجھ کو الہام ہوا" بطن الانبیاء صامتۃ"

(۹ ؍ستمبر ۱۹۰۸ء)

میں نے ایسے مسلمان دیکھے ہیں جو صرف اُنہیں احادیث پر عمل کرتے ہیں جو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں اور کسی حدیث کو مطلق نہیں مانتے۔

(۲۱ ؍ستمبر ۱۹۰۸ء)

میرے پاس ایک شخص پنجرے میں ایک نہایت چھوٹا سفید سوٗر کا بچہ بند کر کے لایا۔ اس کو یہ معلوم تھا کہ اس نے کبھی سوٗر نہیں دیکھا تھا اور واقعی میں نے اسوقت تک کبھی سوٗر نہیں دیکھا تھا۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ دیکھو کیسا خوبصورت ہے بتاؤ تو سہی یہ کیا جانور ہے میں نے اُس کو دیکھ کر کہا کہ میں نے اس جانور کو کبھی نہیں دیکھا۔ مگر بڑا ہی بدشکل جانور ہے اُس نے بار بار کہا کہ نہیں یہ تو بڑا خوبصورت جانور ہے۔ لیکن میں نے ہر بار یہی کہا کہ مجھ کو تو یہ بدشکل ہی معلوم ہوتا ہے آخر میں اُس نے بتا دیا کہ یہ سوٗر ہے میں نے کہا کہ تم بھی سچے ہو اور میں بھی۔ اُس نے کہا یہ کیسے ؟ میں نے کہا کہ میری بیسیوں پشتیں گذر گئی ہوں گی جنھوں نے اس کو شاید دیکھا بھی نہ ہو اور تمہاری بیسیوں پشتیں اس کو کھاتے ہوئے گذر گئیں اس لیے تمہارا گوشت پوست اسی کا بن گیا۔ اور اسی لیے تمہاری نگاہ میں یہ مرغوب ہے۔ اس نے سُنکر

کچھ بُرا بھی نہ مانا اور کہا ہاں ہو تو سکتا ہے کہ ایسا ہی ہو۔

(۲۱ جون ۱۹۱۰ء)

اللھم حببنا الی اھلھا وحبب صالحی اھلھا الینا۔ مَیں نے اپنی عمر میں جن جن شہروں کو دیکھا ہے اور جن جن شہروں میں رہا اس دُعا کے نتائج مَیں نے ہمیشہ دیکھے ہیں مجھ کو جن لوگوں سے محبت ہوئی وہ آج تک اچھے ہی سمجھے جاتے ہیں۔ اور مجھ کو سب ہی اچھا جانتے تھے۔ مَیں بڑے بڑے شریر النفس لوگوں کی صحبت میں بھی گیا ہوں اور خدائے تعالیٰ نے مجھ کو محفوظ رکھا ہے۔

(۸ مئی ۱۹۱۲ء)

مَیں نے بڑے بڑے مال کمانیوالوں کو دیکھا ہے موت اس طرح آجاتی ہے کہ پیشتر سے مطلق خبر نہیں ہوتی۔ ایک بڑے مال کمانے والے کو دیکھا کہ رات کو جب کچہری سے آیا تو نوکر سے کہا چاء لاؤ وہ جب لیکر آیا تو دیکھا مرا ہوا پڑا تھا۔ وہ ایک پائی بھی خیرات نہیں کر سکا ہندو تھا۔

(۱۰ مئی ۱۹۱۲ء)

ایک شخص غلام حیدر تھے مَیں نے ان کو دیکھا کہ تمام دیواروں میں لکڑی اور ٹین لگوا رہے ہیں مَیں نے کہا یہ کیا بات ہے کہا کہ ہم تحصیلدار یعنی مجسٹریٹ شہر کے پاس شکایت لیکر گئے تھے کہ ہم کو چوہوں نے بہت تنگ کیا ہے آپ اس تکلیف سے ہم کو بچائیں۔ اُنہوں نے کہا کہ چوہوں کا تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اب خود حفاظتی کے لیے خود ہی سامان کر رہے ہیں۔

(۱۶ اکتوبر ۱۹۱۲ء)

مَیں ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہا تھا میرے پاس اُسی کمرہ میں (جو سکنڈ کلاس کا کمرہ تھا) ایک ایسا شخص بھی تھا جو مجھ کو جانتا تھا اور شراب بہت پیتا تھا۔ بار بار اُٹھتا میرے پاس آتا اور کہتا کہ مولوی صاحب مجھ کو قرآن شریف پڑھاؤ مگر صحیح۔ لفظ صحیح کو کھینچ کر کہتا اور نشہ کی وجہ سے گر پڑتا مجھ کو اسکی شراب کی بدبو سے ہی بہت تکلیف تھی یہ اسکا بار بار مجھ سے مخاطب ہونا اور بھی موجب تکلیف ہوا۔ مَیں نے اپنے دُوسرے ہمراہی سے کہا کہ یہ تو موجب تکلیف ہوتا ہے کیا کیا جائے اُس نے کہا کہ بہت اچھا اگلا سٹیشن آنے دو مَیں اس کا علاج کر دُوں گا چنانچہ گوجرانوالہ کا اسٹیشن آیا وہ اُترا اور خدا جانے کسی شخص سے کیا کہہ آیا۔ مَیں نے دیکھا کہ پلیٹ فارم پر ایک شخص دُوسری کھڑکی

کے سامنے آکر کھڑا ہوا اس شرابی کو آواز دی وہ کھڑکی کے قریب گیا اُس نے چپکے سے اُس سے کوئی مختصر سی بات کہی جو مَیں نے نہ سُنی وہ شرابی اسی وقت بعجلت تمام اُترا اور صرف اپنا ٹکٹ لیے ہوئے سٹیشن سے باہر گیا اور شہر کی طرف دوڑتا ہوا چلا گیا۔ میرے ساتھی نے کہا کہ بس اب آپ اطمینان رکھیں یہ یہاں واپس نہ آئیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہاں گاڑی بہت دیر ٹھہری اور چل بھی دی لیکن وہ شرابی اسٹیشن پر واپس نہ آیا۔ لیکن اس میرے ہمراہی شخص نے مجھ کو یہ نہ بتایا کہ اس نے کیا الفاظ کہلوائے تھے۔

(۷؍مئی ۱۹۰۹ء)

مسلمانوں میں بدکاری کی بہت عادت ہوگئی ہے اور پھر بدکاری کو بدکاری بھی نہیں سمجھتے۔ مَیں نے ایک شخص کو نصیحت کی کہ تو فلاں عورت سے ناجائز تعلق نہ رکھ۔ اُس نے کہا کہ اُس عورت نے تو اپنی برادری اور قوم کو چھوڑ کر وفاداری کا ثبوت دیا اور مَیں مرد ہو کر اس کو چھوڑ دوں اور بیوفائی کروں؟ یہ اقرار باللسان و تصدیق بالقلب کے خلاف ہے۔

(۲۱؍فروری ۱۹۱۲ء)

ہندوستان میں مرادآباد ایک شہر ہے وہاں میرا ایک بڑا محسن تھا جس نے بیماری میں میری بڑی بڑی خدمتیں کی ہیں۔ میں بیماری کی حالت میں وہاں رہتا تھا وہاں ایک عورت ہر روز صبح اٹھ کر پاخانہ میں جا کر قدمچہ کے آگے سجدہ کرتی تھی اور کہتی تھی کہ میا کُھڈّی تو مجھ کو بیٹا دے تو تجھ میں ہگایا کروں گی۔

(۱۰؍مئی ۱۹۰۹ء)

ایک شخص کسی بزرگ کی اولاد میں سے تھے اور سخت بیمار تھے مَیں نے ایک مرتبہ اُن سے کہا کچھ پڑھنا اور سیکھنا چاہیئے تو کہنے لگے بندر سیکھا کرتے ہیں بھلا کہیں شیر بھی سیکھتے ہیں؟ ہم شیروں کی اولاد ہیں بندروں کی اولاد نہیں سیکھنا ہمارا کام نہیں۔ مَیں نے کہا حضرت تشبیہوں سے تو کام نہیں چلتا باز سیکھ جاتے ہیں لیکن کوّے نہیں سیکھتے۔ وہ اس قدر ناراض ہوئے کہ علاج موقوف کر دیا۔

(۲۴؍مئی ۱۹۰۹ء)

ایک مرتبہ دل میں کسی گناہ کی خواہش پیدا ہوئی مَیں نے بہت سی حمائلیں لے کر اپنی ہر ایک جیب میں ایک ایک حمائل رکھی۔ ایک حمائل ہاتھ میں رکھنے کی عادت ڈالی۔ بستر پر۔ سامنے الماری پر۔ مکان کی کھونٹیوں پر غرض کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں قرآن سامنے نہ ہو۔ بس جب وہ خیال آتا قرآن سامنے ہوتا اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ یہاں تک

کہ نفس تنگ ہوگیا اور اس گناہ کا خیال ہی جاتا رہا۔

(۲۶؍مئی ۱۹۰۹ء)

ایک مرتبہ مَیں نے رمضان کے مہینہ میں بحالت بیماری روزے رکھنے شروع کیے تو میری دستوں کی بیماری رفع ہو گئی۔ مَیں نے سمجھا کہ یہ روزے تو اکسیر ہیں لیکن بعد میں مَیں نے دیکھا کہ میری قوت رجولیت بالکل جاتی رہی۔ مَیں نے سمجھا کہ بیماری کی حالت میں روزے رکھنا ایک غلطی تھی یہ اس کی سزا ہے۔ اٹھارہ یا اُنیس دن تک خوب توبہ کی تب وہ کیفیت دُور ہوئی۔

(۱۱؍جولائی ۱۹۰۹ء)

ایک بڑا آدمی تھا وہ لاہور کا رہنے والا تھا۔ لاہور میں وہ اور مَیں دونوں باتیں کرتے ہوئے بازار میں ہوکر گذرے۔ اُس نے کہا کہ دوزخ کے عذاب کو آپ غیر مقطوع مانتے ہیں؟ مَیں نے کہا نہیں۔ کہنے لگا پھر تو کوئی خوف کا مقام نہیں کیونکہ ایک نہ ایک دن اُس سے نجات تو مل ہی جائے گی۔ یہ گفتگو جس وقت ہوئی تو ہم بازار چوک میں تھے۔ مَیں نے فوراً جاتے جاتے کھڑے ہوکر جیب میں سے دُو روپیہ نکالے اور اُس سے کہا یہاں کوئی شخص تمہارا واقف نہیں تم یہ دُو روپیہ لے لو اور میں تمہارے سر پر ایک جُوت لگاؤں۔ گھبرا کر کہا کہ کہیں مار نہ بیٹھنا مسئلہ مَیں سمجھ گیا ہوں۔ مدعا یہ کہ قیامت کے دن جہاں اوّلین و آخرین سب جمع ہوں گے ایک شریف انسان کیسے اپنی ذلت گوارا کر سکتا ہے۔

(۲۵؍جنوری ۱۹۰۹ء)

میرا ایک دوست تھا اُس میں بہت سے عیوب تھے مَیں نے اُس سے کہا کہ تم لوگوں کو وعظ بہت کیا کرو اُس نے اس پر عمل کیا اور اس کے بہت سے عیوب خود ہی کم ہوگئے۔

(۲۷؍جنوری ۱۹۰۹ء)

ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تم فلاں شخص کو کیسا سمجھتے ہو مَیں نے کہا بہت اچھا۔ اس نے پھر بہت اصرار سے کہا کہ تم بہت اچھا سمجھتے ہو؟ مَیں نے کہا ہاں۔ بعد میں اُس نے کہا کہ وہ تو مرزا صاحب کو نہیں مانتا۔ مَیں نے کہا اگر اس کو ملک بھی کہدوں تب بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ ملائکہ نے ایک خلیفہ (آدم علیہ السلام) پر اعتراض و انکار غلطی سے کیا تھا۔

(۸؍اگست ۱۹۰۹ء)

مَیں کہیں جا رہا تھا راستہ میں ایک شخص میرے ساتھ ہولیا۔ مَیں جانتا تھا کہ یہ اپنی بیوی سے بدسلوکی کرتا ہے۔ مَیں نے

چلتے چلتے اس سے کہا کہ قرآن کریم میں آیا ہے وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ یہ تعلیم کسی کتاب میں سوائے قرآن مجید کے نہیں۔ اُس نے اُسی وقت مجھ سے کہا کہ مجھ کو اجازت ہے؟ میں نے کہا جاؤ۔ وہ سیدھا اپنے گھر پہنچا اور بیوی سے کہا کہ نورالدین سے آج میں نے ایک بات سُنی ہے اس کو صرف آزمانا چاہتا ہوں ورنہ میں تجھ سے بہت ناراض ہوں۔ اُسی وقت عورت سے ہمبستر ہوا ایک لڑکا ہوا۔ پھر دُوسرا۔ پھر تیسرا۔ پھر چوتھا۔ وہ عورت یہاں بھی آئی تھی۔ میں نے کہا کیسے آئیں؟ کہا کہ یہ کنبہ دکھانے آئی ہوں کیونکہ تمہاری کسی نصیحت سے میرا خاوند میری طرف متوجہ ہوا تھا۔ غرضکہ میرا قرآن سُنانا بیکار نہ گیا۔

(۲۰ر دسمبر ۱۹۰۶ء)

میں نے ایک مرتبہ کسی کا علاج کیا ایک بڑھیا نے نذرانہ میں مجھ کو سکھوں کے وقت کا تانبے کا ایک پیسہ دیا۔ میں نے نہایت خوشی اور شکرگذاری کے ساتھ لے لیا اور اپنے دل میں سوچا کہ میں اس کو اگر خدا کے نام پر کسی کو دیدوں تو کم سے کم اس ایک پیسہ سے سات سو پیسے بنا سکتا ہوں مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الخ (سورہ بقرہ رکوع ۳۶)۔

(۲۱ر دسمبر ۱۹۰۶ء)

جموں میں ایک پٹھان تھے وہ میرا لحاظ بھی بہت کرتے تھے ایک مرتبہ مجھ کو اپنی نبض دکھائی میں نے دیکھا کہ نبض نہایت ہی کمزور چلتی ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ کیا تم نے عیاشی کی ہے؟ کہنے لگے کہ مولوی صاحب آپکی مجلس میں ایک مرتبہ زنا کی برائی سُن کر میں نے تو زنا سے بالکل توبہ کر لی ہے اور اب قطعاً زنا کے پاس نہیں پھٹکتا میں نے کہا اچھا اور کسی ذریعہ سے آپ کی منی خارج ہوئی ہے کہا کہ ہاں یہ بات ضرور ہے کیونکہ میں نے اُسی روز سے دو لڑکے رکھ لیے ہیں ان کے ساتھ اغلام کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ خاں صاحب کیا یہ زنا نہیں ہے؟ کہا مولوی صاحب وہ دونوں لڑکے ہندوؤں کے ہیں اور ہندوؤں میں بھی برہمنوں یعنی مہاراج کے پجاریوں کے۔ بھلا مسلمانوں کے لڑکوں کے ساتھ میں یہ کام کر سکتا تھا؟ اُن خانصاحب کو بالکل یہ خبر ہی نہیں تھی کہ اغلام بھی کوئی بُری چیز ہے ورنہ وہ اس طرح میرے سامنے ہرگز گفتگو نہ کرتے کیونکہ وہ میرا بڑا لحاظ اور ادب کرتے تھے۔

ایک اور بوڑھے انگریزی تعلیم یافتہ شخص تھے۔ وہ میرے ساتھ جب سیر وغیرہ میں ہوتے اور نماز کا وقت آتا تو نماز میں شریک ہو جاتے۔ میں نے ایک روز پوچھا کہ آپ کا ہمیشہ وضو رہتا ہے فرمانے لگے کہ مولوی صاحب ہم شراب بھی پیتے ہیں اور رنڈیاں بھی رکھتے ہیں مگر رات کو یہ کام کرتے ہیں دن کو نہیں۔ صبح اٹھ کر غسل کرنا اور صابون

سے نہانا بھی ہمارے فیشن میں داخل ہے۔ پھر دن بھر نہ شراب پیتے ہیں نہ زنا کرتے ہیں وضو ٹوٹے تو کیسے؟ ان کے نزدیک وضو صرف زنا اور شراب ہی سے ٹوٹتا تھا۔ میرے اظہار تعجب پر کہنے لگے کہ کیا مولوی صاحب اور بھی کسی چیز سے وضو ٹوٹتا ہے؟ ان باتوں کا ذکر اس وجہ سے کیا گیا کہ آج کل مسلمان شریعت سے کس قدر ناواقف ہیں اور حالت کہاں تک پہنچ گئی ہے۔

جناب خانصاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ آجکل حضرت خلیفۃ المسیح کی سوانحعمری لکھ رہے ہیں۔ میرا بڑا جی چاہتا ہے کہ کسی طرح میرا نام اس متبرک کتاب میں لکھا جائے لہٰذا میں ایک بات لکھتا ہوں کہ مَیں جس روز حضرت صاحب سے بیعت ہوا تھا تو آپ نے اُس روز رات کو احیاء العلوم کا درس دیتے ہوئے مجھ سے فرمایا کہ اب تم حضرت صاحب سے واقفیت بڑھاؤ۔ مَیں نے کئی روز تک کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ ایک روز درس قرآن کے بعد مسجد میں مَیں نے حضرت صاحب سے مصافحہ کیا۔ پھر دروازہ کے قریب مصافحہ کیا تو حضرت صاحب نے میری پیٹھ پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ مَیں نے کہا کہ نادون ضلع کانگڑہ سے۔ انہوں نے میرے والد کا نام پُوچھا تو میں نے کہا کہ ان کا نام وزیر خاں ہے اور وہ فوت ہو چکے ہیں اور اب میرے تایا حمید خاں پرورش کرتے ہیں۔ اس کو سُنکر حضرت صاحب نے میری پیٹھ تھپکی اور فرمایا کہ تم ہمارے پاس روز آیا کرو اور ہمارے ساتھ محبت کیا کرو اور ہمارے ساتھ واقفیت پیدا کرو۔ حضرت صاحب کی اس بات سے مجھ کو پتہ لگ گیا کہ انکو یتیموں سے بڑی ہمدردی ہے اور مجھے ان کے یہاں جانے کا حوصلہ ہو گیا اور اب مَیں اُن کے یہاں بغیر کسی کی ہمراہی کے چلا جاتا ہوں۔ اگر اس بات کے ذریعہ سے میرا نام کسی جگہ آپ درج کر سکیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ والسلام

راقم

آپ کا شاگرد محمد نذیر خاں فورتھ ہائی

۵؍ جولائی ۱۹۱۲ء

(۳-نومبر ۱۹۱۲ء)

وزیرآباد کے سٹیشن پر ایک شخص نے جو وکیل تھا اور جموّں میں رہتا تھا مجھ سے کہا کہ آپ قرآن کریم کی بڑی تعریف کرتے ہیں بتاؤ صرف ونحو عربی کہاں پڑھیں میں نے کہا آپ نے انگریزی پڑھنے میں محنت کی ہے؟ کہا کہ نہیں صرف تو نہیں پڑھی جاتی۔ میں نے کہا قرآن میں قال کی بجائے قَوَلَ نہیں لکھا اس لیے صرف کی ضرورت نہیں۔ کہا نحو۔ میں نے کہا قرآن میں زیر زبر سب لکھے ہوئے ہیں۔ کہا معانی۔ بیان۔ بدیع۔ میں نے کہا ان کی ضرورت نہیں۔ کہا عروض و قافیہ۔ میں نے کہا اس کی بھی ضرورت نہیں۔ کہا لغت کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا ہر مسلمان کو دن رات میں نماز۔ السلام علیکم۔ انا للّٰہ۔ سبحان اللّٰہ وغیرہ بہت سی عربی پڑھنی پڑتی ہے۔ کہنے لگا قُوْٓا قَوْلًا سَدِیْدًا کا ترجمہ کس لغت سے کریں میں نے کہا گلا وَ گل سدّی یہ اس کا ترجمہ ہے۔ کہنے لگا اچھا حضور اب قرآن پڑھا کروں گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

سپاسِ یارگیری

میں نے اس کتاب کی طبع کا کام شروع ہونے سے پہلے بذریعہ اخبار احباب سے درخواست کی تھی کہ ایک ایک روپیہ کتاب کی پیشگی قیمت بھیجدیں تاکہ چھپوائی کے کام میں خرچ کی طرف سے آسانی ہو لیکن میں بہت جلد سمجھ گیا کہ میری یہ حرکت ایک غلطی تھی جو نادانی اور جلد بازی سے ناشی ہوئی تھی۔ استغفر اللہ ربّی من کل ذنب واتوب الیہ۔

جن احباب نے میری آواز پر لبیک کہا اور کتاب کی قیمت کا پیشگی روپیہ بھیجدیا ان کی تعداد چالیس ہے میں نے اُن کے لیے دعائیں کی ہیں۔ ان کی محبت نے میرے دل میں بہت ترقی کی اور انکی عزت کا مقام میری نگاہوں میں بہت بلند ہوگیا ہے جزاھم اللہ احسن الجزاء ولقاھم اللہ نضرۃ وسرورا۔ اب جبکہ کتاب تیار ہوچکی ہے سب سے پہلے انہیں کی خدمت میں روانہ ہوتی ہے جناب آلٰہی کا ہزار ہزار بلکہ بے شمار شکر و احسان ہے کہ پیشگی قیمت بھیجنے والوں میں قریبًا سب غریب یا متوسط الحال اور اہلِ دل احباب ہیں۔ خدائے تعالےٰ نے مجھ کو عالی جناب لوگوں کے گرانبار احسان کی زیر باری سے محفوظ رکھا ؎

اُٹھا سکتے نہیں اب بارِ احساں ❊ رہیں یونہی الٰہی ناتواں ہم

بدر قادیانی اور الحق دہلوی کا بے انتہا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کے متعلق میری مدد کرنے میں وسعت حوصلہ سے کام لیا یعنی احباب کو میری ہمدردی کی تحریک کی۔ اسی طرح الحکم کا بھی متشکر اور مرہون احسان ہوں۔ اخویم دوست محمد خانصاحب حجانہ نے بذریعہ خط میری ہمت بڑھائی اور ہمدردی کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح حضرت غلام رسول صاحب انسپکٹر پولیس سرگودھا ضلع شاہ پور۔ اخویم ماسٹر فقیر اللہ خانصاحب مہتمم میگزین نے اس کتاب کے چھپنے میں ہمیشہ ایسے علامات ظاہر کئے جس سے ان کی کمال ہمدردی اور محبت کا یقین مجھ کو ہوتا رہا۔ حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز کی توجہ فرمائی سب سے بڑھ کر مستحق شکر گذاری ہے مگر تفصیل ہمدردی اور اظہار سپاس کی ضرورت بالکل نہیں کیونکہ اُنؐ کا مقام اس سے اعلیٰ ہے۔ میرے ایک ہموطن مولا بخش

باورچی کی ہمت افزائی بھی مجھ کو انشاء اللہ تعالےٰ یاد رہے گی۔ برخوردارم مولوی عبدالرحمٰن صاحب (رئیس العسکر) نے آئینہ کمالات اسلام والے عربی مضمون کا ترجمہ کرکے (جو مقدمہ میں شامل ہے) میرا کسی قدر ہاتھ بٹایا۔ مخدومنا و مولینا حافظ روشن علی صاحب نے کتاب کا نام مرقاۃ الیقین فی حیٰوۃ نور الدین تجویز فرمایا۔ منشی کرم علی خانصاحب (بھٹی راجپوت) خوشنویس نے اس کتاب کی کتابت میں اپنی شرافت کا پورا پورا ثبوت دیا۔ ذیل میں پیشگی قیمت بھیجنے والوں کے نام درج کیے جاتے ہیں جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ ان میں چار پانچ حضرات ایسے بھی ہیں جنہوں نے بجائے ایک روپیہ کے دو تین۔ چار۔ پانچ روپیہ بھیجے ہیں۔ جس ترتیب سے میرے پاس پیشگی قیمتیں پہنچی ہیں اسی ترتیب سے نام لکھے جاتے ہیں۔ خدایا اس کتاب میں اول سے آخر تک جس قدر لوگوں کے نام درج ہیں ان سب کے ساتھ تو رفق و عطاء و کرم کا برتاؤ کر۔ آمین۔

۱۔ مفتی محمد صادق صاحب
۲۔ عبدالرحیم خانصاحب بن مولوی غلام حسین خانصاحب پشاوری
۳۔ سراج الدین صاحب خیاط
۴۔ محمد ابراہیم صاحب بٹالوی معرفت عبداللہ برادرش
۵۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب لاہوری نومسلم مدرس مدرسہ احمدیہ
۶۔ محمد عمرالدین صاحب رائٹر صدر بازار حیدرآباد سندھ
۷۔ محمد عبداللہ خانصاحب گرداور قانونگو ڈاکخانہ بھائی پھیرو تحصیل چونیاں ضلع لاہور
۸۔ حکیم محمد حسین صاحب قریشی
۹۔ ڈاکٹر غلام محمد صاحب موچی دروازہ۔ لاہور
۱۰۔ شیخ محمد حسین صاحب سوداگر یادگیر گلبرگہ حیدرآباد دکن
۱۱۔ محمد عیسیٰ صاحب بھاگلپوری
۱۲۔ شیخ خدابخش صاحب پشاور
۱۳۔ عبدالحمید صاحب حیدرآبادی
۱۴۔ محمد اکبر صاحب کلرک دفتر پولیٹیکل ڈیرہ غازیخاں
۱۵۔ عبدالغنی صاحب احمدی مئو وسط ہند
۱۶۔ مرزا محمد احسن بیگ صاحب کشن گنج کورٹ۔ راجپوتانہ
۱۷۔ بابو عطاالٰہی صاحب سٹیشن ماسٹر وزیرآباد
۱۸۔ شیخ نیاز احمد صاحب تاجر وزیرآباد
۱۹۔ عبدالغنی صاحب خلف الرشید مولوی برہان الدین صاحب۔
۲۰۔ ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب
۲۱۔ رحیم بخش صاحب احمدی ہیڈ ڈرافسمین کراچی
۲۲۔ چودھری غلام حسین صاحب سٹیشن ماسٹر بہاولپور
۲۳۔ عبدالعزیز صاحب سیکرٹری جماعت میرٹھ
۲۴۔ ہاشم علی صاحب گرداور قانونگو
۲۵۔ نام و پتہ تحقیق نہیں ہوا۔ بذریعہ محاسب صاحب صدر انجمن۔
۲۶۔ منشی طفیل احمد صاحب سپرنٹنڈنٹ چونگی چندوسی
۲۷۔ عزیزی گل محمد خانصاحب۔ زیدہ۔ پشاور

۲۸۔ نظام الدین صاحب ایسٹ افریقہ

۲۹۔ منشی علی محمد صاحب قانونگو ریاست کپورتھلہ

۳۰۔ منشی گلاب الدین صاحب رہتاسی

۳۱۔ مولوی انوار حسین خانصاحب شاہ آبادی

۳۲۔ بابو برکت علی شملہ

۳۳۔ سید فخر الاسلام صاحب حیدر آباد دکن

۳۴۔ ابوعبداللہ غلام محمد صاحب پھلوری۔ شاہپور کنڈی

۳۵۔ محمد جان صاحب نروبی

۳۶۔ منشی سکندر علی صاحب۔ مدرس مدرسہ تعلیم الاسلام

۳۷۔ منشی فقیر اللہ صاحب خلف منشی غلام محمد صاحب

۳۸۔ محمد عبداللہ صاحب منشی ضلعداری۔ بیر لوالہ

۳۹۔ منشی عبدالحق صاحب وڈالہ بانگر

۴۰۔ اخویم سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری۔

المستغفر من اللہ المنان

اکبر شاہ خان بن مولوی محمد نادر شاہ خان نجیب آبادی۔ ثم قادیانی

التماس

★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★

اس کتاب کے مرتب کرنے میں کس کس طرح کم فرصتی، پریشان خاطری، کثیر الاشغالی میری سنگ راہ ہوئی اور بعض معمولی سامان اور بحسب ظاہر سہل الوصول مواد کسقدر گراں سنگ معاوضوں کی ادائیگی کے بعد میسّر ہو سکا ہے؟ اس کے تفصیلی اظہار کو غیر ضروری سمجھ کر ندامت کے ساتھ اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ ترتیب مضامین (جو کچھ ہوئی ہے) اس سے زیادہ چُست اور کتاب کے تمام پہلو زیادہ دُرست ہو سکتے تھے۔

میرے دوستو! میں بہت سی کمزوریوں کا مجموعہ اور تہذیب نفس و تزکیۂ قلب کا بہت کچھ محتاج ہوں بنابریں مستحق عفو و رعایت ہوں اور ادب و عاجزی کے ساتھ پُرسوز و گداز دعاؤں کی استدعا کرتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ:

ہر آں کاریکہ گردد از دُعاے محو جاناںے
نہ شمشیرے کند آں کارنے بادے نہ بارانے

ہمت نخواہ
اکبر شاہ خان نجیب آبادی